UNIVERSAL
LIBRARY

OU_232741

UNIVERSAL
LIBRARY

جلد دویم

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

بعہد شاہجہان و اورنگ زیب

جسکو اوّل جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی بی (د) سی
ایس آئی ترجمان ہز ایکسلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے ترجمہ
کیا۔ اور پھر اُن کی فرمائش سے جناب مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سیّد
محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ نے از سر نو ترجمہ فرما کر باضافہ مفید
حاشیوں کے بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ مدبّر الملک خلیفہ سید
محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست موصوف کے چھپوا کر
بغرض فائدہ عام مشتہر کیا

بزیر نگرانی اہتمام کمترین محمد حسین مراد آبادی

سنہ ۱۸۹۶ء

مطبع ریاض ہند امرتسر مین چھپی

فہرست مضامین متعلق متن

نمبر	مضمون	صفحہ
	مصنف کا پہلا خط	
۱	اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پاکر بغرض تبدیل آب و ہوا کشمیر کو جانا	۱
۲	اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث روشن آرا بیگم کی تحریک تھی	۲
۳	اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر [illegible] دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا	۳
۴	اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج ساتھ تھی اسکی تعداد	″
۵	ہمرکاب توپخانہ اور اسکی وجہ ترتیب	۳
۶	بھاری توپخانہ	″
۷	ہمرکاب توپخانہ کا بیان	″
۸	فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا یہ شبہ ہونا کہ کشمیر کی جگہ ہم قندھار کی مہم پر جاتے ہیں	۴
۹	نواب دانشمند خان کے علمی شوق کا ایک ضمنی ذکر	″
۱۰	مصنف کی تنخواہ اور اُن چیزوں کا بیان جو سفر کشمیر میں اُسنے ضروری سمجھکر ساتھ لیں	۵
۱۱	شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی اور اُس سے نارو کی بیماری کے پیدا ہونیکا ذکر	۶
۱۲	دربار دہلی کے اُمرا کا معمولی پانی کی جگہ گنگا جل استعمال کرنا	۷
۱۳	صراحی یا مٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب اور اسکی وجہ	۸
۱۴	شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب	۹
	مصنف کا دوسرا خط	
۱	دہلی اور لاہور کے فاصلے اور شکار کھیلنے کی غرض سے دریائے جمنا کے کنارے کنارے اورنگ زیب کے آہستہ آہستہ کوچ کرنیکا ذکر	۱۰
۲	بادشاہی پیش خیمہ کے ساز و سامان اور باربرداری وغیرہ کا ذکر	۱۲
۳	خیام شاہی کے لیے جس احتیاط سے اور جسقدر جگہ تجویز کیجاتی ہے اور جس قرینہ کر شاہی ڈیوڑھی اور خیمہ عام و خاص اور غسلخانہ وغیرہ لگائے جاتے ہیں اُسکا ذکر	۱۳
۴	خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کو دونوں وقت دربار کرنیکا ذکر	۱۴
۵	خیمہ معروف غسلخانہ کا ذکر	″
۶	شام کے دربار کے لیے مشعلوں کے ساتھ اُمرا کی آنے جانے کا ذکر اور مشعل بنانیکی ترکیب	″
۷	خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر	۱۵
۸	بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر	″
۹	بیگمات اور محل سرا کی متعلقہ مستورات کے خیموں کا ذکر	″
۱۰	خیمہ معروف عام و خاص کی اُنچائی اور تکلفات وغیرہ کا بیان	۱۶
۱۱	خرگاہ کا بیان	۱۷
۱۲	شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف سجے سجائے	۱۷

صفحہ

کوتل گھوڑوں کے کٹہرے رہنے اور ہم رکاب ۱۸
توپخانہ کی توپوں کا ذکر ---------- 〃
۱۳ خیمۂ بہ‌ وقت نقارخانہ کا ذکر ---------- 〃
۱۴ اُمرا کے چوکی دینے کا ذکر ---------- 〃
۱۵ مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر ---------- ۱۹
۱۶ خیام شاہی کے مفہوم میں وہ خیمے بھی داخل ہیں ۲۰
جو مختلف کارخانوں وغیرہ سے متعلق ہیں ---------- 〃
۱۷ خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب پُرشکوہ 〃
منظر کا بیان ---------- 〃
۱۸ لشکر کے بازاروں اور انکی شناخت کے ذریعہ ۲۱
کا ذکر ---------- 〃
۱۹ اُمرا کے خیمہ گاہوں اور اُن کی قرینوں وغیرہ کا ذکر 〃
۲۰ اُمرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیمونکے ۲۲
رکھنے اور خیام شاہی کیطرف اپشت کرکے اپنے 〃
خیمے لگوانے کی ممانعت کا ذکر ---------- 〃
۲۱ چھوٹے درجہ کے اُمرا اور اور اہل لشکر کے خیموں ۲۳
وغیرہ کے قرینہ کا ذکر ---------- 〃
۲۲ کُل لشکر کے لیے جسقدر زمین درکار ہوتی ہے 〃
اُسکا بیان ---------- 〃
۲۳ بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور و غل کا ذکر ۲۴
۲۴ لشکر کے مختص الوضع جھنڈوں اور نشانوں کے 〃
رہنما ہونے کا ذکر ---------- 〃
۲۵ منزل پر پہنچنے کے وقت فرودگاہ کے پہچاننے 〃
اور اُس تک پہنچنے میں جو کبھی کبھی دقت پیش 〃
آتی ہے اُسکا ذکر ---------- 〃
۲۶ شام کیوقت دھوئیں کی کثرت سے ادھر اُدھر ۲۶
جانے میں جو دقت پیش آتی ہے اُسکا ذکر 〃
۲۷ آکاس دیا اور اُسکے فوائد کا ذکر ---------- 〃
۲۸ بادشاہی لشکر میں چوری کے انسداد کا جو انتظام ۲۷
ہے اُس کا ذکر ---------- 〃
۲۹ بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان ---------- ۲۸
۳۰ تخت رواں کا ذکر ---------- 〃
۳۱ ہاتھی کے میگھڈنبر اور ہودے کا بیان 〃
۳۲ کوچ کے وقت امرا اور راجے بادشاہ کے ساتھ ۲۹
جس طرح سے چلتے ہیں اُس کا بیان ---------- 〃
۳۳ اُمرا بادشاہ سے علحدہ جس لطف سے منزل طے 〃
کرتے ہیں اُسکا بیان ---------- 〃
۳۴ سواری کے وقت جو گرزبردار اُمرا اور بادشاہ 〃
کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں اُنکا ذکر 〃
۳۵ راجاؤں کی سواری کے بعد قور جس طریقہ سے ۳۰
جاتا ہے اُسکا بیان ---------- 〃
۳۶ قورخانہ کے بعد منصبداروں کا جو غول آتا ہے اُسکا بیان ۳۱
۳۷ بیگمات کی سواری کی چیزوں اور انکی زیب و زینت 〃
کا بیان ---------- 〃
۳۸ روشن آرا بیگم کی سواری کے جلوس کا ذکر ۳۲
۳۹ بڑی بیگم اور اَور بیگموں کی سواریوں کا ذکر ۳۳
۴۰ بیگمات کی سواریوں کی شان و شوکت اور ۳۴
دلچسپی کا ذکر ---------- 〃
۴۱ جو سخت انتظام بیگموں کی سواری کے نزدیک 〃
نہ جانیکے باب میں ہے اُسکا اور ایک اپنی گزرے 〃

صفحہ

ہوئے معاملہ کا ذکر ——— ؍؍

۴۲ بادشاہ کے شکار کھیلنے کے طریقہ کا ذکر ۳۵

۴۳ چیتے وغیرہ کے شکار کا ذکر ——— ۴۰

۴۴ پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلوں کا ذکر ۴۲

۴۵ بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے بہم پہنچانے کے طریقہ کا ذکر ——— ؍؍

۴۶ بادشاہ کے خیمہ گاہ میں داخل ہونے کے متعلق بعض خاص طور کی رسموں کا ذکر ۴۵

مُصنّف کا تیسرا خط

۱ پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا بیان ——— ۴۶

۲ لاہور کے قریب جو راوی دریا ہے اسکا ذکر ——— ۴۷

۳ لاہور کی عمارات کا ذکر ——— ؍؍

۴ لاہور سے کشمیر کی جانب کوچ کا ذکر ——— ۴۸

مُصنّف کا چوتھا خط

۱ راستہ کی گرمی اور اُسکے سبب کا بیان ——— ۴۹

مُصنّف کا پانچواں خط

۱ دریائے چناب اور اُسکے پانی کی عمدگی کا ذکر ۵۰

۲ جس پریشانی اور دقّت سے اس دریا کا عبور کیا اُسکا ذکر ——— ۵۱

چھٹا خط

۱ گرمی کی شدّت کے مارے جو حالت تھی اُس کا بیان ——— ۵۲

ساتواں خط

۱ گرمی کی شدّت کے مارے اپنی زیست سے ناامید ہو جانا ——— ۵۳

آٹھواں خط

۱ بھمبر کیسی جگہ ہے اور وہاں سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور اُمرا کے نوبت بہ نوبت کوچ کرنے کا ذکر ——— ۵۴

۲ بادشاہ کے واپس تشریف لانے تک بہت سے اُمرا کا حفاظت کے لئے بھمبر میں چھوڑے جانیکا ذکر مع تذکرہ بعض اور انتظاموں کے ۵۶

۳ اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو قلی درکار تھے اُنکی تعداد اور اجرت وغیرہ کا ذکر ۵۷

نواں خط

۱ قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک جھیل ہونے کی روایت کی نسبت مُصنّف کی رائے ۵۸

۲ ولایت کشمیر کے عرض و طول کا بیان ——— ۵۹

۳ کشمیر کے موقع اور حدود اور پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے مالامال ہونے اور سب قسم کے مویشی اور سب طرح کے شکار اور شہد کی مکھیوں کی افراط اور ہر قسم کے موذی جانوروں کے کمیاب ہونے کا ذکر ——— ۶۰

۴ کشمیر کے چشموں اور دریا کا بیان ——— ۶۱

۵ کشمیر کی سرسبزی اور کھیتیوں اور ترکاریوں اور میووں کا بیان ——— ۶۲

۶ کشمیر کے میووں کے فرنگستان کے میووں سے خوبی میں کم ہونے کی وجہ ——— ۶۳

۷ شہر کشمیر اور اُسکی جھیل یعنی ڈل کا بیان ؍؍

۸ عمارات کی لکڑی اہل کشمیر کے لکڑی کو بہتر سمجھ ۶۴

دینے کا سبب ۶۴

۹ دریا کے کنارے کے مکانات اور باغیچوں کا ذکر ″

۱۰ تفریح کی کشتیوں اور [illegible] اور اسکے مکانوں اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی کا ذکر ۶۵

۱۱ پہاڑ معروف تخت سلیمان کا ذکر ڈل کے [illegible] سرسبز ٹاپوؤں اور ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں انکے منظر کی خوشنمائی اور خوبی آب و ہوا کا بیان ۶۶

۱۲ شالامار باغ کا بیان ۶۷

۱۳ کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے ۶۹

۱۴ ایک شاعرہ کا ذکر جو کشمیر کی تعریف [illegible] تھا ۷۰

۱۵ کشمیریوں کے ذہن و ذکا اور ہنر و فن کا ذکر ۷۱

۱۶ کشمیری شال کا ذکر ۷۲

۱۷ اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان ۷۴

۱۸ مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک مکر سے حسین مستورات کو دیکھنا ″

۱۹ پھر ایک اور مکر اختیار کرنا ۷۵

۲۰ بھمبر سے کشمیر تک کوہستانی راستے اور عجائبات قدرت کا بیان ۷۶

۲۱ ایک عجیب آبشار [illegible] کے قریب جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک عالیشان عمارت ہے ۷۸

۲۲ پیر پنجال کی چڑھائی میں بیگمات کی سواری کے ہاتھیوں کا گر جانا اور کئی عورتوں کی جان کا تلف ہونا ″

۲۳ ایک بچھو پکڑنے کی عجیب حکایت ۸۰

۲۴ [illegible] مصنف [illegible] باتیں معلوم کرنا ۸۰

۲۵ [illegible] ″

۲۶ [illegible] مخالف [illegible] ۸۱

۲۷ [illegible] ″

۲۸ کشمیر کے [illegible] ذخیرہ کا عجیب [illegible] ۸۲

۲۹ چشمہ سوندہ برری کی وجہ تسمیہ اور اسکے جاری ہونے اور بند ہونیکے تعجب انگیز اوقات اور اس کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال ۸۳

۳۰ اچھبل نام ایک جوشندہ چشمے اور وہاں کے باغ کا ذکر ۸۶

۳۱ ایک اور بادشاہی باغ اور وہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر ۸۷

۳۲ بارہ مولا میں ایک پیر کے مقبرہ پر بیماروں کے شفا پانے کی غلط شہرت اور ایک ایسے ہی اور بیہودہ اعتقاد کا ذکر ″

۳۳ ایک جھیل کے اندر ایک فقیر کے مکان کی نسبت لوگوں کے اس بیہودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے ۹۱

۳۴ ایک چشمہ کا ذکر جو دم لے لے کر ابلتا ہے اور اسکے اس طرح پر ابلنے کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال ″

۳۵ ایک جھیل کا ذکر جسمیں برف کے بڑے بڑے ۹۲

تحقیق ... ہیں ---- ۹۱

۳۶ ستارۂ معروف ... کے قدر ... ۹۲
کی ... حدیث کا ذکر ...
کرنے سے ... بارش ہونے لگتی ہے

۳۷ کشمیر کے قرب وجوار کے پہاڑی ملکوں اور ... ۹۴
کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب
اور رسم و دلوجی کا بیان

۳۸ بھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش لیکر ۹۵
کشمیر میں حاضر ہونے اور اسکی زبانی ملک
تبت کے جو حالات معلوم ہوئے اُن کا ذکر

۳۹ بڑی تبت کے سفیر کے اورنگ زیب کی ۹۶
خدمت میں حاضر ہونے کا اور جو تحائف
وہ لایا تھا اُن کا اور اسکی ذلیل حیثیت کا ذکر

۴۰ سفیر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے ادائے ۹۹
خراج اور ... عہد ... بیان کرنا

۴۱ سفیر تبت کے ایک ہمراہی طبیب سے مصنف ۱۰۰
کی ملاقات اور ... تناسخ کا ذکر

۴۲ کشمیر سے تبت ہو کر چین کے رستوں اور ۱۰۳
اشیائے تجارت وغیرہ کا بیان

۴۳ ملک کاشغر کا بیان ۱۰۴

۴۴ کاشغر سے چین کو کاروانوں کے آنے ۱۰۶
جانے اور ... کے راستوں کا بیان

۴۵ ان اطلاعوں کے نامکمل ہونیکی بابت مصنف کا عذر ۱۰۷

مسٹر تھیونٹ صاحب کے پانچ سوال اور انکے جواب

۱ پہلا سوال یہودیوں کے کشمیر میں آنیکی بابت ۱۰۸

۲ دوسرا سوال ہندوستان کے موسم برسات کی بابت ۱۰۸

۳ تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی متواتر ہوا اور
پانی کے بہاؤ کے باب میں

۴ چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور تندرستی
اور خوشنمائی کے باب میں

۵ پانچواں سوال دریائے نیل کی طغیانی کی بابت ۱۰۹

۶ جواب تھیونٹ صاحب کے پہلے سوال کا

۷ جواب تھیونٹ صاحب کے دوسرے ۱۱۱
سوال کا

۸ جواب تھیونٹ صاحب کے تیسرے ۱۱۵
سوال کا

۹ شمالی اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونے کے اسباب ۱۱۷
کا بیان

۱۰ جواب تھیونٹ صاحب کے چوتھے سوال کا ۱۲۰

۱۱ مصنف کا بنگالہ کو مصر پر ترجیح دینا

۱۲ بنگالہ کے چاول اور اسکے نخاس کا بیان

۱۳ بنگالہ کی کھانڈ اور اسکے نخاس کا ذکر

۱۴ بنگالہ میں جو مربے بنائے جاتے ہیں انکا ۱۲۱
اور مصر کی نسبت بنگالہ میں گیہوں کے پیدا ہونیکا
اور ترکاری اناج اور کھانے کی ...
کثرت سے ...

۱۵ [illegible] ۱۲۲
... کا ذکر

۱۶ بنگالہ میں ... ریشم ... ۱۲۳
کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر

صفحہ | صفحہ

۱۷ مصنف کا ایران اور شام کے ریشم کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا ۔۔۔۔۔۔ ۱۲۳

۱۸ بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں اور شورہ کا ذکر ۱۲۴

۱۹ بنگالہ کے گوند ۔ افیون ۔ موم وغیرہ دواؤں اور گھی کا ذکر ۔۔۔۔۔۔ ،،

۲۰ اہل یورپ کو بنگالہ کی آب وہوا کے موافق نہ آنے اور اُس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر ،،

۲۱ بنگالہ میں راج محل سے لیکر گنگا کے کنارے سمندر تک جو ملک ہے اُسکی خوشنمائی اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لیئے توت کی درختوں کی کثرت ۔۔۔۔۔۔ ۱۲۵

۲۲ گنگا کے بیشمار ٹاپوؤں اور اُنکی خوبصورتی وغیرہ کا ذکر ۔۔۔۔۔۔ ۱۲۶

۲۳ بنگالہ کے سمندر کے قریب کے غیر آباد جزیروں کا ذکر ۔۔۔۔۔۔ ،،

۲۴ پیپلی سے ہوگلی تک مصنف کا دریا میں سفر کرنا ۱۲۷

۲۵ کارپ اور ڈالفن مچھلیوں کا ذکر ۔۔۔ ،،

۲۶ مصنف کا ایک رات کو قمری قوس قزح دیکھنا ۱۲۹

۲۷ مصنف کا اسی سفر میں رات کو عجیب وغریب روشنیوں کا دیکھنا ۔۔۔۔۔۔ ۱۳۲

۲۸ پانچویں رات کا سخت طوفان اور بارش میں بسر ہونا ۔۔۔۔۔۔ ،،

۲۹ جواب تھیونٹ صاحب کے پانچویں سوال کا ۔۔۔۔۔۔ ۱۳۳

۳۰ مصنف کا دہلی میں شاہ اتھوپیا کے سفیروں سے دریائے نیل کے حالات کا دریافت کرنا ۱۳۶

۳۱ دریائے نیل کے منبع کی بابت اتھوپیا کے سفیروں کا بیان ۔۔۔۔۔۔ ۱۳۹

۳۲ دریائے نیل اپنے مخرج سے جدا ہوکر جس شکل سے اور جس جس ملک میں ہوکر مصر میں پہنچتا ہے اُسکا بیان ۔۔۔۔۔۔ ۱۴۲

۳۳ اتھوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہونا چاہیئے ۱۴۳

۳۴ اتھوپیا کی بارش کی نسبت اُن سفیروں کی جواب اور نیل کی طغیانی سے اُسکے تعلق کا ذکر ۱۴۵

۳۵ نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور اوہام کا ذکر اور اُن کا ابطال ۱۴۷

۳۶ طغیانی کے تخیلہ دن اور شبنم کے پڑنے میں کچھ تعلق نہیں ۔۔۔۔۔۔ ۱۴۸

۳۷ شبنم کے گرنے اور وبائے طاعون میں جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اُسکا ابطال ،،

۳۸ خود مصنف کو مرض طاعون میں مبتلا ہونیکا ذکر ۱۴۹

۳۹ شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبی سبب ۔۔۔۔۔۔ ،،

۴۰ ملاحوں معروف رتے کے قول کے موافق بھی بارش ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے ۱۵۰

۴۱ سینار کے حبشیوں کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔ ،،

۴۲ ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ ۱۵۱

صفحہ		
۴۳	دریاے نیل اور گنگا اور مصر اور بنگالہ میں	۱۵۱
	جو مشابہت ہے اُسکا ذکر	"
۴۴	ملک سندہ اور مصر کی مشابہت کا ذکر	۱۵۲

مُصنّف کا خط بنام مسٹر جیپ لین مُقام شیراز

۱	سورج گہن کے ایک موقع پر فرانس میں لوگوں	۱۵۳
	کے توہمات کا بیان	"
۲	دلّی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر	۱۵۵
۳	سورج گہن کے اشنان وغیرہ رسوم کے باب میں	۱۵۷
	ہندوؤں کے ساتھ سلاطین مغلیہ کا برتاؤ	"
۴	گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور پُن دان کرنیکی وجہ	۱۵۸

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان "

۱	رتھ جاترا کے موقع پر جاتری نہایت کثرت	۱۵۹
	سے جمع ہوتے ہیں	"
۲	جگن ناتھ کے رتھ اور مورت کا بیان	۱۶۰
۳	مورت کے درشن کیوقت لوگ کثرت ازدحام	۱۶۱
	سے کچل جاتے ہیں	"
۴	جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل کر مرجانا	۱۶۲
	بڑا مہاتم سمجھا جاتا ہے	"
۵	ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن	"
	بنائی جاتی ہے	"
۶	کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتی	۱۶۳
	ہوئی بہت بیحیائی کی حرکتیں کرتی ہیں	"
۷	یہہ کسبیاں برہمنوں اور ہندو فقیروں کے سوا	۱۶۴
	کسی کے پاس نہیں جاتیں	"

ستی کا بیان

۱	ستی کی رسم اور اُسکے باب میں حکام مغلیہ کی پالسی	۱۷۱
۲	ایک عورت کا ذکر جسکو مصنف نے سمجھا بوجھا کر	۱۷۴
	ستی ہونے سے روکا	"
۳	مصنف کا ایک بی بی اور اُسکی پانچ لونڈیوں	۱۷۷
	کو اکھٹے ستی ہوتے دیکھنا	"
۴	ستی ہونا محبّت کے سبب نہیں بلکہ ایک خاص	۱۸۱
	طور کی تعلیم اور تلقین کا نتیجہ ہے .	"
۵	بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اوّل اپنے	۱۸۲
	خاوندکو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے	"
	ستی ہونا	"
۶	مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو	۱۸۳
	عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھنا .	"
۷	ستی کے چند واقعات کا بیان جن میں عورتوں	۱۸۴
	کو جبراً جلایا گیا	"
۸	جو عورتیں چتا میں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ پھر	۱۸۵
	ہندوؤں میں شامل نہیں ہوسکتیں اور خاکروبوں	"
	کے ساتھ رہکر زندگی بسر کرتی ہیں	"
۹	جو عورت ستی ہونا نہ چاہے مغل اُسکو پناہ نہیں	۱۸۶
	دیتے مگر ہرنیاہ دیتے ہیں	"
۱۰	مصنف کا ایک کم سن لڑکی کو زبردستی جلاے	"
	جاتے دیکھنا	"
۱۱	زندہ جلا دینے کے عوض کبھی زندہ زمین	۱۹۰
	میں گاڑ دیتے ہیں	"

صفحہ

ہندو اپنے مردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں

۱ داغ دیکر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم ۱۸۹
۲ قریب المرگ بیمار کو بتدریج دریا میں ڈبو دینے ۱۹۰
کی رسم کا ذکر ،،

ہندو فقیروں کا حال

۱ گرو یا مہنت کا ہونا ضروری ہے ۱۹۱
۲ ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی ،،
طرح زندگی بسر کرتے ہیں ،،
۳ ننگے فقیروں اور اُن کی نسبت لوگوں ۱۹۲
کی خوش اعتقادی کا ذکر ،،
۴ مشہور فقیر حضرت سرمد کا ذکر ۱۹۳
۵ ہندو فقیروں کی عبادت اور ریاضت کے ۱۹۴
سخت اور غیر طبعی طریقوں کا ذکر اور اسکی نسبت ،،
مصنف کے ابتدائی خیالات ،،
۶ ہندو فقیروں کا سخت ریاضتیں کرنا اس ۱۹۸
عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے جنم میں اسکا ،،
نہایت عمدہ ثمر ملیگا ،،
۷ بعض برگزیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز ،،
بود و باش اور مراقبہ اور حالت محویت کا ،،
بیان اور اسکی نسبت مصنف کی رائے ،،
۸ جوگیوں کے تصوّر اور دھیان جمانیکے ۲۰۰
طریقہ کا بیان ،،
۹ جوگیوں کے درویش صورت دکھائی دینے ۲۰۱
کی وجہ ،،
۱۰ ہندو فقیروں اور انکے بعض عیسائی ۲۰۲
فرقوں اور یورپ کے راہبوں کے ۲۰۲
طریق ریاضت کا مقابلہ ،،
۱۱ مہنتوں اور شعبدہ باز اور ضمیر بتلانے ۲۰۳
والے رستے جوگیوں کا ذکر ،،
۱۲ جین مت کے سادھوؤں اور انکی ۲۰۵
ناپارسائی اور اس غلط فہمی کا ذکر کہ اپنے ،،
فرقوں کے لیئے ہم بھی بمنزلہ پادریوں کے ہیں ،،

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون

۱ ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون ۲۰۷
وغیرہ کا ذکر ،،
۲ ہندوؤں کے چار بید اور اُن کے نام ۲۱۰
۳ ہندوؤں کے چار برنوں اور اُن کے باہم ۲۱۱
شادی کے ممنوع ہونے کا ذکر ،،
۴ تناسخ ارواح اور جیو ہنسیا یعنی قتل حیوانات ،،
کی ممانعت اور گائے بیل کے ادب کا ،،
بیان۔ اور اسکی نسبت مصنف کی رائے ،،
۵ گاؤکشی کی ممانعت کے باب میں جہانگیر ۲۱۲
کے ایک حکم کا ذکر ،،
۶ ترکال سندھیا اور روزمرہ کے اشنان کے ۲۱۳
فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے ،،
موافق اشنان کے فرض ہونیکی وجہ ،،
۷ برہما۔ بشن۔ مہیش کی پیدائش اور صفات ۲۱۴
کا بیان ،،
۸ بید میں تثلیث کے مسئلہ کے موجود ہونیکا ،،
گمان ،،

نمبر	مضمون	صفحہ
٩	برہما بشن مہیش کی جو حقیقت پنڈتوں نے بیان کی اُسکے فہم سے مصنف کے قاصر رہنے کا ذکر	٢١٥
١٠	برہما بشن مہیش اور اُن کے اوتاروں کی بابت فادر روآ نام ایک مشنری متقیم آگرہ کا بیان	٢١٦
١١	مصنف کے ایک رسالے اور فادر کرز کی ایک کتاب کا ذکر	٢١٩
١٢	لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے	〃
١٣	ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں	〃
١٤	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح انسانی پرم آتما یعنی ذات الٰہی کا ایک جزو ہے	٢٢٠
١٥	بعض ہندوؤں کے نزدیک اوتار اور راجس کے لفظ سے خدا کی مختلف صفتیں مراد ہیں	〃
١٦	بعض پنڈتوں کے نزدیک اوتاروں کے قصے محض مذہبی افسانے ہیں	〃
١٧	آتما اور پرم آتما کے ایک ہونے پر مصنف کا اعتراض	٢٢١
١٨	ہنری لار صاحب اور ابراہام راجر صاحب کی عمدہ کتابوں کا ذکر جو ہندوؤں کے علوم و فنون کے باب میں ہیں	〃
١٩	شہر بنارس ہندوؤں کا دار العلم ہے	٢٢٢
٢٠	بنارس میں پنڈتوں کے طرز بود و باش اور تعلیم و تعلم کا بیان	٢٢٣
٢١	زبان سنسکرت اور اُسکی قدامت کا بیان	٢٢٤
٢٢	پُرانوں کی تعلیم اور بیدوں کی ضخامت اور کیمیائی وغیرہ کا ذکر	٢٢٥
٢٣	فلسفہ کی تعلیم کا ذکر	٢٢٦
٢٤	کھٹ شاستر اور اُن کے پیرووں کا بیان	〃
٢٥	بودھ اور اُسکے پیرووں کا ذکر	٢٢٧
٢٦	پیدایش موجودات کے باب میں ہندوؤں کے مختلف مذاہب کا ذکر	〃
٢٧	بعضے اجزاے لایتجزیٰ کو کائنات کی اصل مانتے ہیں	〃
٢٨	بعضے مادّہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں	٢٢٩
٢٩	بعضے عناصر اربعہ اور اکاش کو موجودات کی اصل جانتے ہیں	〃
٣٠	لفظ اکاش کا لفظ پرائی ویشن کے قریب المعنی ہونا	〃
٣١	بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصل اوّل ہے	٢٣٠
٣٢	بعض کے نزدیک ایک یا چند پرائی ویشن ہی اصل اصول ہیں	〃
٣٣	بعضے سم بندھ ہی کو اصل سمجھتے ہیں	〃
٣٤	ہندوؤں کے نزدیک اصول و مبادی اشیا ازلی و ابدی ہیں	〃
٣٥	ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر	٢٣١

۳۶	ہندوؤں کے طریق معالجہ کے اہل یورپ سے مختلف ہونے کا ذکر اور اسکی مثالیں اور اسکی نسبت مصنف کی رائے	۲۳۱
۳۷	ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض علاجات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں	؍
۳۸	مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں	۲۳۲
۳۹	علم تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت	۲۳۳
۴۰	ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر	۲۳۴
۴۱	چاند گہن کے سبب کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ	؍
۴۲	ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں	؍
۴۳	ہندوؤں کے نزدیک چاند اور سورج بھی دیوتا ہیں	۲۳۵
۴۴	خیالی پہاڑ سمیر کا ذکر	؍
۴۵	علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفی کا ذکر	؍
۴۶	ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی رائے	۲۳۶
۴۷	مصنف کا بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت اُن کے جوابات	۲۳۷
۴۸	عمر دنیا کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان	۲۳۹
۴۹	دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان	۲۴۱
۵۰	لنگ شریر کا مسلہ جو شاستروں میں ہے اُسکی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان	۲۴۱
۵۱	وحدت وجود کے مسلے کی بحث کا ذکر	۲۴۲
۵۲	مصنف کے خط کا خاتمہ	۲۴۶
	مصنف کا خط بنام مانسیور دی لاماتھی لی وایر	
۱	یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے مختلف الوضع ہونے کا سبب	۲۴۹
۲	شہر دہلی کا ذکر	۲۵۰
۳	قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر	۲۷۲
۴	دروازہ معروف تھیاپول کا ذکر	؍
۵	قلعہ کے دوسرے دروازہ کا ذکر	۲۷۴
۶	مکان عام وخاص اور نقارخانہ کا ذکر	۲۷۶
۷	شاہی محلسرا کا بیان	۲۸۶
۸	دربار اور تخت طاؤس کا بیان	۲۸۸
۹	مینا بازار کا ذکر	۲۹۴
۱۰	ہاتھیوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر	۲۹۸
۱۱	جامع مسجد کا ذکر	۳۰۰
۱۲	کاروانسرا کا ذکر	۳۰۵
۱۳	پیرس اور دہلی کی آبادی اور لوگوں کی خوش حالی اور مفلسی کا مقابلہ	۳۰۶
۱۴	اُمرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر	۳۰۷
۱۵	دہلی کی نواح کے بعض مکانات وغیرہ کا ذکر	۳۰۸
۱۶	دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستہ کا ذکر	۳۱۱
۱۷	شہر آگرہ عرف اکبرآباد کا ذکر	؍
۱۸	جیسوٹ فرقہ کے عیسائیوں کے ایک	۳۱۶

گرجا اور کالج کا ذکر — ۳۱۶
۱۹ ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر — ۳۲۵
۲۰ مقبرہ معروف تاج گنج کا ذکر — ۳۲۶
تقریظ و خاتمہ — ۳۳۳

فہرست مضامین متعلق حواشی

صفحہ

۱ مٹی کے برتن میں پانی کے ٹھنڈا — ۹
رہنے کا سبب — ،،
۲ اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا مختصر — ۱۱
ذکر بروایت عالمگیر نامہ — ،،
۳ لفظ قور کی تحقیق — ۳۰
سکندر اعظم کے گھوڑے بیوسِ فلا — ۴۷
کی وجہ تسمیہ — ،،
۴ کوہ اُلیمپس اور اُسکی نسبت قدیم — ۶۱
یونانیوں کے مذہبی توہمات کا بیان — ،،
۵ کوہ ہری پربت واقع کشمیر کے نام — ۶۵
کی تحقیق — ،،
۶ باغ شالامار کے نام کی تحقیق — ۶۷
۷ شال کشمیر کا ذکر — ۷۲ و ۷۳
۸ بڑی تبت کے رئیس ولدن نمجل کا
ذکر بروایت عالمگیر نامہ — ۹۹
۹ لاما گُرو کا ذکر — ۱۰۰
۱۰ جھولے اور چھینکے کا بیان جنکے — ۱۰۳
ذریعہ سے لوگ بعض پہاڑی — ،،
دریاؤں سے عبور کرتے ہیں — ،،
۱۱ شال منیسر نامی ایک ظالم بادشاہ کا ذکر — ۱۰۸

صفحہ

۱۲ ڈالفن مچھلی کی تحقیق — ۱۲۷
۱۳ قمری قوس قزح کی تحقیق — ۱۲۹
۱۴ دریائے نیل کے دلچسپ حالات — ۱۳۳/۱۴۲
۱۵ حکیم بطلیموس اور کتاب مجسطی کا ذکر — ۱۴۴
۱۶ فرانس کے دو حکیموں گیسنڈی اور — ۱۵۴
رابرڈل کا مختصر حال — ،،
۱۷ سورج گہن کے موقع پر بمقام تھانیسر — ۱۵۷
ہندو فقیروں کی لڑائی کا ذکر — ،،
۱۸ قدیم زمانہ کے ہمّن نامے ایک بت — ۱۶۰ تا
کا دلچسپ تاریخی حال — ۱۶۳
۱۹ بنگالیوں کے کھیمٹا ناچ کا ذکر — ۱۶۳
۲۰ مندر جگن ناتھ کی نسبت ڈاکٹر بُکانن — ۱۶۴ تا
کا چشم دیدہ بیان — ۱۷۰
۲۱ ستی ہونے کے امتناع کا ذکر — ۱۷۱/۱۷۴
۲۲ ایک افریقی سیاح معروف ابن بطوطہ کا — ۱۷۷ تا
ستی کی نسبت چشم دیدہ بیان — ۱۸۰
۲۳ ستی کی نسبت ایک ہندی مثل — ۱۸۳
۲۴ قدیم زمانہ کے ڈایَنا نامے ایک بت — ۱۸۷
کا دلچسپ تاریخی حال — ،،
۲۵ مشہور درویش سرمد کی مختصر سرگذشت — ۱۹۳/۱۹۴

۲۶ یونان کے حکما سیناک کی وجہ تسمیہ ۱۹۵

۲۷ دیوجانس اور افلاطون حکیم کا مختصر حال ۱۹۶ تا ۱۹۷

۲۸ جے روم کارڈن حکیم کا مختصر ذکر ۱۹۹ تا ۲۰۳

۲۹ ڈاکٹر ہیکٹ اور ہاردے کا مختصر حال ۲۰۶ تا ۲۰۸

۳۰ حکیم ڈی کارٹس کا مختصر ذکر ۲۰۹ تا ۲۰۹

۳۱ بنید کے زمانہ تالیف کی تحقیق ۲۱۰

۳۲ ہندوؤں کے اوتاروں کا ذکر ۲۱۷ تا ۲۲۰

۳۳ شہر بنارس کا ذکر ۲۲۲ تا ۲۲۳

۳۴ اس الزام کی تردید کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ غیر مذہب کتابیں جلوا دیتے تھے ۲۲۵ تا ۲۲۶

۳۵ چھوٹوں شاستروں کے بانیوں کے نام وغیرہ ۲۲۶ تا ۲۲۷

۳۶ ڈی ماکریٹس اور اپیکورس حکیموں کا عقیدہ مبادی اجسام کے باب میں ۲۲۹

۳۷ مشہور مسلمان فلاسفر ابن رشد کا مختصر حال ۲۳۱

۳۸ حکیم جالینوس کا ذکر ۲۳۳ تا ۲۳۵

۳۹ کتاب گلشن راز کا ذکر ۲۴۳

۴۰ رابرٹ فلڈ نامے ایک فلاسفر کے اعتقادات کا ذکر ۲۴۳ تا ۲۴۴

۴۱ شاہجہان آباد کی تاریخ آبادی ۲۵۱

۴۲ شاہجہان آباد کی شہر پناہ ۲۵۲

۴۳ شہر دہلی کی وجہ تسمیہ ۲۵۲ تا ۲۵۴

۴۴ قلعہ شاہجہان آباد کا ذکر ۲۵۴

۴۵ جزایر کناری کا ذکر ۲۶۹ تا ۲۶۹

۴۶ قلعہ شاہجہان آباد کے دروازہ معروف ہتھیہ پول کی تحقیق ۲۷۳

۴۷ شاہجہان آباد میں جو نہر ہے اسکی تحقیق ۲۷۴

۴۸ قلعہ شاہجہان آباد کے مکان عام و خاص کا ایک دلچسپ بیان ۲۷۸ تا ۲۷۹

۴۹ مکان عام و خاص کی وجہ تسمیہ ۲۸۰

۵۰ مکان معروف غسل خانہ کی تحقیق ۲۸۴

۵۱ برج مثمن کا ذکر ۲۸۷

۵۲ تخت طاؤس کا دلاویز بیان ۲۸۹ تا ۲۹۳

۵۳ یونان کے قدیم مصنف پلوٹارک کا ذکر ۲۹۶

جامع مسجد کا ذکر ۳۰۰ تا ۳۰۴

۵۴ ایک پرانے مندر کا ذکر جسکو راے پتھورا نے بنوایا تھا ۳۰۸ تا ۳۱۱

۵۵ جہانگیر نے آگرہ سے لاہور کو جو سڑک بنوائی تھی اسکا سال تعمیر ۳۱۱

۵۶ اکبر آباد کے نام کی تحقیق ۳۱۲

۵۷ تماشا خانوں معروف ایم فی تھی ایٹر کا دلچسپ حال ۳۱۴ تا ۳۲۰

۵۸ مقبرہ معروف تاج گنج کا سال بنا وغیرہ ۳۲۲

تمام شد

جلد دویم

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیئر از عہد شاہجہان و اورنگ زیب

یعنی ڈاکٹر موصوف کے چند خطوط متضمن حالات ہندوستان

ہر کہ عاقل بود از خوبی عنواں داند * کہ دریں نامہ چہ اسرار نکو خواہد بود

مصنّف کا پہلا خط بنام مانشیور* دی مرویلیس[1] مقام دہلی مورخہ دسمبر سنہ ۱۶۶۴ سولہ سو چونسٹھ عیسوی متضمن حالات سفر اورنگ زیب بجانب کشمیر جنت نظیر

اورنگ زیب کا بعد شفا پا کر بغرض تبدیل آب و ہوا کشمیر کو جانا۔

صاحب من! جب سی اورنگ زیب کا مزاج مائل بصحت ہوا ہے اُسی وقت سی یہہ خبر برابر مشہور ہو رہی تھی کہ بادشاہ بغرض تبدیل آب و ہوا اور آیندہ گرمی سے بچنے کی لئے جسکے باعث عود مرض کا اندیشہ تھا لاہور اور

* بعض فرانسیسی نام جو اس کتاب میں ہیں معلوم نہیں کہ خاص اُن کے لب لہجہ کے موافق اُنکا صحیح تلفظ کیا ہی اگرچہ یہہ دقت انگریزی میں بھی ہے کہ جن حروف سے کسی لفظ کو لکھتے ہیں تلفظ اُس کا اکثر مطابق اصوات مقررہ اُن حروف کے نہیں ہوتا۔ مگر یہہ دقت فرانسیسی الفاظ و اسماء کی تہجی میں اور بھی زیادہ ہے اور ناس اہل زبان سے سُنے بدون تصحیح ناممکن ہے۔ م۔ م۔ ح

1 Monsieur de Merveilles مانشیور دی مرویلس

کشمیر کی سیر کا عزم رکھتا ہے مگر حقیقت یہہ ہے کہ بہت سے عقیل آدمیوں کو اس بات کے یقین کرنے میں تامّل تھا کہ جس حالت میں کہ اُسکا باپ آگرہ کے قلعہ میں مُقیّد ہے وہ ایسا دُور و دراز سفر کرنے کی جرأت کسطرح کریگا!

اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث روشن آرا بیگم کی تحریک تھی۔

لیکن بہرحال حفظ صحت کے خیالات مصالح سلطنت پر غالب آئے! اور زیادہ تر روشن آرا بیگم کی ترغیب و تحریص اسکا باعث ہوئی جو بہت دنوں سے اس امر کی آرزومند تھی کہ بہ نسبت اپنے محلات کی ہوا کے زیادہ صاف ہوا سے تفریح حاصل کرے اور اس اپنے اقتدار کے زمانہ میں شاہانہ کروفر سے فوج کے ساتھ جائے جیسے کہ اُسکی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے عہد میں گئی تھی۔

اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر سن سولہ سو چونسٹھ عیسوی کو مہورت کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا۔

الغرض بادشاہ نے اس مہینے کی چھٹی تاریخ تین بجے دن کے جو جوتشیوں نے اس لمبے سفر کیواسطے مبارک ساعت مہورت تجویز کی تھی! کوچ کیا اور شالامار باغ میں جو پایۂ تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جاکر قیام فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اس غرض سے توقّف فرمایا کہ اس لمبے سفر کے سامان کیواسطے جو ڈیڑھ برس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور مُہلت ملے۔ اور آج ہم سُنتے ہیں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ خیام شاہی لاہور کی سڑک پر لگائے جائیں اور یہہ کہ دو مقام کرنیکے بعد پھر کوچ میں اَور زیادہ توقف نہ ہوگا۔

اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج ساتھ تھی اُسکی تعداد

اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف وہی پینتیس ۳۵ ہزار سوار نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقرّرہ ہمیشہ اُسکے ہمرکاب رہتے

ہیں اور نہ صرف وہ معمولی پیادہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ بھاری توپخانہ اور ہمرکاب توپخانہ بھی ساتھ ہے۔

ہمرکاب توپ خانہ اور اسکی وجہ تسمیہ۔

اس توپ خانہ کو ہمرکاب توپخانہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات خاص سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا کیونکہ بھاری توپ خانہ وقت بیوقت راہ کے نشیب و فراز وغیرہ کے باعث رکاب شاہی سے علیحدہ ہوکر پیچھے سے سہولت کے ساتھ آیا کرتا ہے۔

بھاری توپخانہ

بھاری توپخانہ میں ستّر توپیں ہوتی ہیں! جنمیں زیادہ پیتل کی ہیں اور اکثر ایسی بھاری ہیں کہ بیلوں کی بیس بیس جوڑیاں اُن کے کھینچنے کیواسطے ضرور ہیں اور بعضی تو ایسی بھاری ہیں کہ جب راہ ناہموار ہویا کہ چڑہائی کا موقع ہو تو معمولی بیلوں کی مدد کے واسطے ہاتھی درکار ہوتے ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پہیّوں کو اپنے سر اور سونڈ سے دھکیلیں۔

ہمرکاب توپخانہ کا بیان

ہمرکاب توپخانہ میں پچاس یا ساٹھ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی ہیں! اور سب پیتل کی ہیں! اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خوبصورت اور خوش رنگ تخت پر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جسپر زینت کیواسطے چند سرخ جھنڈیاں لگاتے ہیں چنانچہ اسکا ذکر ہمنے کسی اور مقام پر بھی کیا ہے۔ ہر توپ کو دو خوبصورت گھوڑے کھینچتے ہیں۔ جنکو ایک گولنداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جوڑی کے ساتھ ایک تیسرا گھوڑا کوتل ہوتا ہے جسکو ایک اور سپاہی لیکر چلتا ہے۔ یہہ میدانی توپیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قائم کیجائیں اور اتنی پہلے پہنچ جائیں کہ بادشاہ کے لشکرگاہ میں پہنچتے ہی سلامی اُتار سکیں۔

فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا یہ شبہ کرنا کہ کشمیر کی جگہہ ہم قندھار کی مہم پر جاتے ہیں۔

یہہ بادشاہی لشکر اور ہم رکاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے جس سے لوگوں کو یہہ شبہ ہوگیا ہے کہ ہم کشمیر جانے کی جگہہ قندھار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور ہندوستان اور ملک اُزبک کے مابین ایک نہایت کارآمد مقام ہے۔ قندھار ایک خوش نما اور زرخیز ملک کا دارالحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہہ ہے اور اس وجہ سے اُسپر قبضہ حاصل کرنے کو بادشاہانِ ایران اور ہندوستان کے باہم بڑے بڑے سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اس عظیم الشان فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھ ہی منشا اور مقصد ہو مگر ہر ایک متنفس کو جو اس سے علاقہ رکھتا ہے اب دہلی سے روانہ ہونے میں جلدی کرنا ضروریات سے ہے اگرچہ اُسکے ضروری امور کیسے ہی مقتضی اس بات کے ہوں کہ کچھ توقف کرے پس اگر میں اپنے جانے میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا مجھے مشکل ہوجائیگا۔

نواب دانشمند خاں کے علمی شوق کا ایک ضمنی ذکر

علاوہ بریں ہمارا نواب دانشمند خاں میرا نہایت منتظر ہے کیونکہ ہمارا آقا جو وزیر معاملات متعلق ممالک غیر اور سواروں کی فوج کا میر بخشی ہے اپنے منصب کے اہم کاموں سے اُسکو صبح کیوقت تو فرصت نہیں ملتی اس وجہ سے وہ اپنے سہپر کے وقت کو جو کتب حکمیہ کے مطالعہ کے لئے مختص کیا ہوا ہے ضایع کرنا نہیں چاہتا۔ اُسکو علم ہیئت اور جغرافیہ اور تشریح کا خاص شوق ہے۔ اور وہ گیسینڈی[1] اور ڈِس کارٹس[2] کی تصانیف کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

1 Gassendi. ﴿۱﴾ گ۔ ی۔ س۔ ی۔ ن۔ ڈ۔ ے
2 Descartes. ﴿۲﴾ ڈ۔ س۔ ک۔ ا۔ ر۔ ٹ۔ س

مصنف کی تنخواہ اور اُن چیزوں کا بیان جو سفر کشمیر میں اُسنے ضروری سمجھکر ساتھ لیں۔

بس اپنے ذاتی امور کا بندوبست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ ہونگا اور چلنے سے پہلے مجھے اس قدر اسباب و سامان درست کر لینا چاہیئے جسقدر کہ رسالہ کے ایک ذیعزت عہدہ دار کو درکار ہے - کیونکہ میری تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہے اور اسلئے ضرور ہے کہ دو اچھے تُرکی گھوڑے مع ایک سائیس کے میرے پاس ہوں- اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی مع ایک شتربان کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ایک باورچی اور ایک خدمتگار ہونا چاہیئے جو ملک کے دستور کے موافق پانی کی صُراحی لیکر گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے - مینے ضروری اور آرام کی اَور بھی سب چیزیں ساتھ کے لئے تیار کر لی ہیں- مثلاً ایک درمیانہ خیمہ ایک قالین اور ایک ہلکی سفری چارپائی جو چار ہلکے اور مضبوط بانسوں سے بنتی ہے - اور ایک تکیہ اور دو لحاف جنمیں سے ایک کو دوہرا کرکے توشک کا کام لیا جاتا ہے - اور ایک گول چرمی سفرہ کھانا کھانے کے واسطے اور چند رنگین رومال اور تین چھوٹے تھیلے باورچی خانہ کے ظروف اور گلی ظروف وغیرہ کے واسطے جو یہہ سب ایک بڑے تھیلے میں رکھے جاتے ہیں اور یہہ بڑا تھیلا پھر ایک ٹاٹ کے بڑے شلیتہ میں جسکے دو حصے ہوتے ہیں اور جسمیں تسمے لگے ہوے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے - علاوہ بریں شلیتہ میں آٹا دال وغیرہ کھانے کی چیزیں مع آقا اور ملازموں کے بستر اور کپڑوں وغیرہ کے رکھی جاتی ہیں- مینے احتیاطاً پانچ چھ روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کچھ میٹھے بسکٹ بھی جنکو چاشنی اور نیمبو کے عرق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لیے ہیں اسکے سوا باریک کپڑے کی ایک تھیلی

مع ایک آہنی قالب کے جسمیں لگا کر دہی کو چھانا جاتا ہے مینے یاد کرکے ساتھ رکھ لی ہے - کیونکہ اس ملک میں لیمو کا شربت اور دہی نہایت مفرح چیز ہے - یہہ سب چیزیں جیساکہ مینے ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شلیتہ میں باندھ دی گئی ہیں جو حسب معمول ایسا بیڈھنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی مشکل سے اونٹ پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لادنے والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیتہ کا ایک سرا زمین سے اُٹھا کر اونٹ کی بیٹھ پر اُلٹ دیں - ایسے لمبے سفر میں اگر آرام چاہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی فالتو نہیں ہے - کیونکہ ایسے ملک میں ہمکو فرانس کے سے اِنّ[1] یعنی مسافر خانوں اور آرام و آسایش کے سامان کی بہم رسی کی اُمید نہیں ہے اور ہماری مہمان سرا صرف ہمارا وہی ڈیرہ ہے جسکو عرب اور تاتاریوں کیطرح ہمکو ایک منزل سے اُکھاڑ کر اور دوسری منزل پر لیجا کر روزمرہ لگانا چاہیئے - اور ہم اپنی حاجت روائی لُوٹ کھسوٹ سے بھی نہیں کرسکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدّی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے -

شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی اور اُس سے ناروے کی بیماری کے پیدا ہونے کا ذکر -

اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف اتنی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کیطرف کوچ کرتے ہیں دوسرے یہہ کہ معمولی برسات کی بارشیں ہو چکی ہیں اور موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کیواسطے یہی موسم مناسب ہے کیونکہ جاڑے کے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد بھی

1 Inn ١ اِنّ

ایسی نہیں ہتی کہ جسکی برداشت نہو سکے - اور میں اس خیال سے بھی خوش ہوں کہ اب مجھکو دہلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آفت اٹھانی نہ پڑے گی جو اکثر خراب پکائی جاتی ہے اور گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتی اور اب یہہ بھی اُمید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جسکا میلا پن مجھسے بیان نہیں ہوسکتا - کیونکہ ہر انسان و حیوان بید ھڑک وہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور پانی کو انواع و اقسام کے میل کچیل کا مخزن بنا رکھتے ہیں - اس پانی سے بہت عسیر العلاج بیمیں پیدا ہوتی ہیں اور پنڈلی میں کیڑے یعنی نارو سے پیدا ہوجاتے ہیں جنمیں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے اور آیندہ بڑے بڑے اندیشے ہوتے ہیں - اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جاے تو یہہ کیڑے جلد دفع ہوجاتے ہیں - اگرچہ کبھی کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے ہیں یہہ کیڑے اکثر عرض وطول میں جکارے کے تارے تانت کے موافق ہوتے ہیں اور جن پر بے تکلف نس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے - ان کے نکالنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر یہہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روزمرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جاے

دربار دہلی کے امرا کا معمولی پانی کی جسکہ گنگاجل استعمال کرنا -

میرے لئے یہہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہونگا کیونکہ ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کیوقت مجھے عنایت ہوا کرے کیونکہ اور امراے دربار کیطرح ہمارے نواب نے بھی اپنے ساتھ کے لئے

گنگا جل کے بہت سے اونٹ لدوا لئے ہیں۔

صراحی یا مٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب اور اسکی وجہ۔

پانی کی صراحی ایک ٹین* کا برتن ہے جسپر سرخ کپڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے اور اسکو ایک خدمتگار ہاتھ میں لیکر اپنے آقا کے گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے اسمیں عموماً ایک سیر پانی آتا ہے لیکن مینے اپنی صراحی قصداً دو سیر کی بنوائی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یہہ تدبیر میرے لئے بہت مفید ہوگی۔ اس صراحی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے بشرطیکہ وہ کپڑا جو اُسپر منڈھا ہوا ہوتا ہے تر رہے اور صراحی بردار اُسے ہلا ہلا کر ہوا دیتا رہے یا اُسے ایک ہوادار جگہہ میں جیساکہ یہاں عموماً معمول ہے زمین سے اونچی ایک تپائی پر رکھا جاے تاکہ زمین کی گرمی صراحی کو نہ لگے۔ پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلانا یا ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کیواسطے ازبس ضرور ہے گویا کہ یہہ نمی جس سے کپڑا تر ہے اُن چھوٹے چھوٹے آتشی اجزا (فائری پارٹیکلز[1]) کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہو جاتا ہے صراحی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے معہذا اُن شوریلے اجزا (نائٹرس پارٹیکلز[2]) اور اور اجزا کو جو اُس کپڑے اور ظرف کے اندر گھس کر پانی میں سکون کا اثر پیدا کرکے اُسکو ٹھنڈا کر دیتے ہیں نہیں روکتی جسطرح شیشے میں سے روشنی تو اندر آجاتی ہے مگر پانی نہیں آسکتا اور یہہ امر شیشہ کی بناوٹ اور اُسکے اجزا کی خاصیت اور اُس فرق کیوجہ سے ہے

* اصل کتاب میں بجاے جست کے ٹین لکھا ہے۔ س-م-ج

۱ فَ اءِ رِی پ ا رٹ ی ک ل ز — 1 Fieryparticles

۲ نَ اءِ ٹ رَس پ ا رٹ ی ک ل ز — 2 Nitrous particles

جو پانی اور روشنی کی لطافت* میں ہے۔

یہہ صراحی کہیں باہر جانیکے وقت کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مٹکوں میں جو مسامدار مٹی سے بنائے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور اُن پر تر کپڑا لپیٹتے ہیں اور اگر یہہ مٹکے ہوا میں رکھے جائیں تو اُنکا پانی اِن صراحیوں سے بھی زیادہ خنک ہوتا ہے۔

شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب۔

بڑے اُمرا خواہ شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ کا استعمال کرتے ہیں اور اُسکی ترکیب یہہ ہے کہ پانی یا جو چیز سرد کرنی منظور ہو جست کی صراحی میں جسکی گردن لمبی اور پیٹ گول انگریزی بوتل کا سا ہوتا ہے ڈالکر اُسکو سات یا آٹھ منٹ تک اُس پانی میں ہلاتے ہیں جسمیں تین چار مٹھی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور صراحی کے اندر کی چیز نہایت سرد ہو جاتی ہے اور کسیطرح ناگوار یا مضر نہیں ہوتی جیسا کہ مجھے پہلے خیال ہوا تھا مگر ابتدا ًکبھی کبھی کچھ تلیین کا اثر کرتی ہے۔ لیکن معلوم نہیں بجائے ان خیالوں کے کہ تمام سفر سر پر کھڑی ہے اور اس مُلک کی جلتی بلتی دھوپ

* جب کوئی سیال جسم مثلاً پانی مٹی کے ایک ایسے برتن میں بھرا جاتا ہے جسپر کچھ چڑھایا ہوا نہ ہو تو پانی کے اجزا برتن کے مسامات میں سے بھاپ بنکر اُڑ جاتے ہیں اور اس بھاپ کے ساتھ بہت سی حرارت بھی جو پانی میں جذب رہتی ہے نکل جاتی ہے تو اُس برتن میں پانی بیشک ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بیطرح تیز بھی ہو سکتا ہے اور یہہ تاثیر اُس وقت اور بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ برتن کو دھوپ میں رکھا جائے اور اُسکے باہر کی سطح کو جس سے بھاپ خارج ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر کپڑا لپیٹا جائے۔ لیکن زمانے علم کیمیا کے علما کا یہہ قیاس تھا کہ کوئی نہایت لطیف شے جسکے اُنہوں نے مختلف نام رکھے ہوئے تھے اس عمل کے وقت برتن کے مسامات سے خارج ہوتی ہے اور زمانہ حال کے علما اُس شے کو کیلورک[1] یعنی جوہر حرارت کہتے ہیں اسکا ترجمہ انگریزی

1 Caloric ک ے ل و ر ک

میں جو کسی موسم میں بھی کامل ایذا سے خالی نہیں ہے روزمرہ چلنا پڑیگا اور ہر روز اسباب کسطرح لادا اور اتارا جائیگا اور نوکروں کو ہمیشہ یہہ وہ کرنے کو کہا جائیگا اور کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اکھاڑنا ہوگا اور کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً جبکہ ایسی بے ٹھکانے اور خانہ بدوشی کی گزران یقیناً ڈیڑھ برس تک جسکی بابت حکم مل چکا ہے کرنی پڑیگی۔ میں یہہ علمی جھگڑے کیوں لے بیٹھا۔

تو یار اب خدا حافظ! میں اپنا وعدہ پورا کرونگا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا رہوں گا۔ اور چونکہ فوج اس موقع پر زم زم کوچ کریگی کیونکہ کچھ اضطراب اور کسی دشمن کا فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے جیسا کہ بادشاہان ہند کا معمول ہے کوچ ہونگے اسلئے بہت دلچسپ واقعات لکھنا ہوگا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپکی خدمت میں بھیجوں۔

مصنف کا دوسرا خط بنام مانشیو ردی مرولیس مورخہ ۲۵ فروری ۱۶۶۵ء بمقام لاہور

دہلی اور لاہور کے فاصلے اور شکار کھیلنے کی غرض سے دریای جمنا کے کنارے کنارے اورنگ زیب کے آہستہ آہستہ کوچ کرنیکا ذکر۔

صاحب من! یہہ کوچ فی الواقع آہستہ اور باشان و شوکت طور کا ہے۔ جسے ہم یہاں اعلیٰ حضرت کا سفر کہتے ہیں۔ لاہور دہلی سے قریب سوا سو لیگ* یا پندرہ ۱۵ منزل کے ہے۔ مگر ہمکو لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے کے لگے۔

* یعنی تین سو پچھتر (۳۷۵) میل ہے۔ س م ح

حقیقت یہہ ہے کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لیکر شارع عام سے علیحدہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ عمدہ موقعے ہاتھ آئیں اور دریاے جمنا کا پانی آسانی سے ملتا رہے۔ چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کی خاطر معمولی شارع عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوے اور جسطرح بادشاہ نے بلحاظ آرام و آسایش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریاے جمنا کے کنارے کوچ ہوتا رہا۔ اور ایسی لمبی لمبی گھاس میں جسمیں سوار بھی نظر نہ آتے تھے بندوق کا اور سب قسم کے شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور سب طرح کا شکار بکثرت ملا۔ اور اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوے ہیں اور مجھکو اپنے صرف اوقات کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ طرح طرح کے حالات جنکی طرف میرا دل دہلی چھوڑنیکے وقت سے متوجہ رہا ہے قلمبند کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ میں بہت جلد آپکو کشمیر کی سیر کراؤنگا۔ اور آپکو ایک ایسا ملک دیکھاونگا جو دُنیا میں ایک نہایت خوشنما قطعہ* ہے۔

---

* تاکہ اس مضمون کی زیادہ تشریح ہوجاے اس سفر کا حال عالمگیرنامہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے۔ اسمیں لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملک داری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا اسلئے غرہ جمادی الاولی سنہ ۱۰۷۴ یکہزار وہفتاد وچہار ہجری کو کہ اُسکے جلوس کا سال ہفتم اور "روز جشن وزن قدسی" یعنی تُلا دان کا دن بتقریب سالگرہ آغاز سال چہل وہفتم بحساب شمسی اور روز شروع سال چہل وششم بحساب قمری تھا دارالخلافہ شاہجہان آباد سے خیمہ جات شاہی باغ اعزآباد میں (جسکو اس کتاب کے مصنف یعنی برنیر نے شالامار لکھا ہے) نصب ہوے اور ساتویں ماہ جمادی الاول کو مطابق ۲ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ یعنی مہورت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہوکر باغ مذکور میں ڈیرہ کیا۔ گیارھویں کو یہاں سے کوچ کرکے چند روز اُن شکارگاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سونی پت یعنی سنپت کی راہ سے ۲۷ کو کرنال پہنچے۔ یہاں سے فاضل خاں میر سامان کو مع لشکر و اسباب زاید سیدھا لاہور کو روانہ کیا اور آپ معمولی شاہراہ چھوڑکر مخلص پور کی سیر و شکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کھیلتے ہوے پانچویں جمادی الآخر

بنائے ہوئے ہیں۔

بادشاہی ڈیوڑھی جو اس مربع قلعہ کے ایک ضلع کے عین وسط میں لگی جاتی ہے وسیع اور پرتکلف ہوتی ہے اور اسکی قناتوں کے اندر نقش و نگار بہ نسبت اُن قناتوں کے جن سے اس قلعہ کی باقی طرفیں گھیری جاتی ہیں زیادہ خوشنما اور خوبصورت اور قیمتی ہوتی ہیں۔

خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے دونوں وقت دربار کرنے کا ذکر۔

وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیرہ جو خیام شاہی میں لگایا جاتا ہے اُسکو عام و خاص کہتے ہیں۔ جہاں بادشاہ اور اُمرا نو بجے صبح کے جمع ہوکر امور سلطنت پر غور اور انصاف و عدالت کیا کرتے ہیں! ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفر میں روزمرّہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جنمیں کبھی ناغہ نہیں ہوتا اور یہہ دستور ایک فرض واجب اور منجملہ آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جسکی بجاآوری میں بہت ہی کم فروگذاشت ہوتی ہے۔

خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر

دوسرا ڈیرہ جو ذرا چھوٹا اور اندر کیطرف کو کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے اُسکو غسل خانہ کہا جاتا ہے یہاں سب اُمرا شام کیوقت مجرے کے لئے اُسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں جیسے کہ خاص و عام میں۔

شام کے دربار کے لئے مشعلوں کے ساتھ امرا کے آنے جانے کا ذکر اور مشعل بنانے کی ترکیب

اس شام کے دربار سے اُمرا کو بہت سا آرام اور تکلیف ہوتی ہے لیکن جب وہ خیمہ گاہ شاہی کے طول طویل نمبروں میں سے مشعلیں ساتھ لئے ہوئے غسل خانہ کیطرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیروں کو واپس آتے ہیں

تو دُور سے اندھیری رات میں یہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہ مشعلیں ہمارے وطن فرانس کی طرح موم سے نہیں بنتیں لیکن بہت دیر تک جلتی رہتی ہیں۔ درصورت اس طرح سے تیار کیجاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اُسکے اندر گودڑ کا ایک موٹا فتیلہ لگایا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جسپر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کپّی سے جو مشعلچی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جسکا گلا تنگ اور لمبا لوہے یا پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہے تیل ڈالتے اور بوقت ضرورت اُس گودڑ کو بدلتے رہتے ہیں۔

خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر

اِن دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کو بڑھکر ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جسکو خلوتخانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے اُمرا اور وزرا کے کوئی شخص دخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اُمور اہم اور خاص کے سرانجام کے لئے یہی جگہ ہے۔

بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر

خلوت خانہ سے اُور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے ہوتے ہیں جنکے گرداگرد ذرا چھوٹی قناتیں جو قد آدم سے زیادہ نہیں ہوتیں لگی رہتی ہیں اِن قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب مچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جسپر صدہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی مشجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالر انپر لگی ہوئی ہوتی ہے۔

بیگمات اور محل سرا کی متعلقہ مستورات کے خیمون کا ذکر

اِن شاہی خیموں کے متصل بیگمات اور اور معزز خاتونوں اور محل کی بڑی بڑی نوکروں چاکروں کے

ڈیرے لگتے ہیں - یہہ ڈیرے بھی مکلف قناتوں سے گھرے ہوے ہوتے ہیں اور اُن کے بیچمیں ادنی درجہ کی عورتوں یعنی ٹہیلوں اور خانہ زادوں اور ملازم عورتوں اور متعلقات محلسرا کے ڈیرے ہوتے ہیں اور یہہ ڈیرے اُن عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قرینہ کے ساتھ لگائے جاتے ہیں -

خیمہ معروف عام خاص کی اونچائی اور تکلفات وغیرہ کا بیان -

عام خاص اور پانچ چھ اور خیمے سب ڈیروں سے بُلند ہوتے ہیں جس سے دو مطلب ہیں - ایک یہہ کہ گرمی سے حفاظت ہو - دوسرے یہہ کہ دُور سے پہچانے جاسکیں ! ان کے باہر کی جانب کا کپڑا مضبوط اور سخت سُرخ رنگ کا ہوتا ہے جسپر سجاوٹ کے لیئے بڑی بڑی رنگارنگ کی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں (جس سے مصنّف کی مُراد غالباً پٹاپٹی کا کام ہے) لیکن اندر کی جانب خوبصورت مچھلی پٹن کی چھینٹ ہوتی ہے جو مخصوص اسی کام کیواسطے بنائی جاتی ہے جسپر عمدہ اور بڑھیا رنگ رنگ کے ریشمی مشجر لگے ہوے اور اسپر ریشم یا سُرخ و سفید زری کا کارچوبی یا چکن کا کام مع نہایت نفیس اور باریک جھالر کے بنا ہوا ہوتا ہے - اسمیں تین چار پانچ موٹے روئی کے گدیلوں کا فرش ہوتا ہے اور اُن پر مکلف قالین اور زربفت کی مربع مسندیں آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھنے کے لیئے بچھی ہوئی ہوتی ہیں - اِن خیموں کی چوبیں مُلمع یا عمدہ روغن کاری کی ہوتی ہیں -

اور اِن دونوں ڈیروں میں جنمیں بادشاہ مع اُمرا ارکانِ دولت رونق بخش ہو کر نظم و نسق اُمور مملکت کیا کرتا ہے بادشاہ کے لیئے ایک نہایت ہی مکلف اور آراستہ مرتفع جگہہ ہوتی ہے جسپر ایک مخملی یا ریشمی مشجر کے وسیع

شامیانہ کے تلے بیٹھکر بادشاہ لوگوں کا سلام مجرا لیتا اور عرض حال سُنتا ہے

خرگاہ کا بیان

اور ڈیروں میں بھی ایسے ہی شامیانے ہوتے ہیں مگر اُن میں خرگاہیں ہوتی ہیں جو مثل ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے دروازوں میں چاندی کے قفل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ سمجھنے کے لئے یہہ تصوّر کرلینا چاہیئے کہ گویا ہمارے مُلک فرانس کا لپٹ جانے والا ایک مربّع چھپّر کھٹ* ہے۔ جو بمقدار دو چھپر کھٹوں کے بُلندی میں ہے مگر چھت اُسکی چورس نہیں ہے بلکہ گنبد کیطرح کی ہے۔ لیکن خرگاہ اور چھپرکھٹ میں بڑا فرق یہہ ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہہ بہت پتلے اور سُبک باہر کی جانب مُلمع یا روغن کئے ہوئے تختے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور زیبایش کیواسطے گرداگرد ریشم اور زری کی جھالر ٹکی ہوئی اور اندر کیطرف قرمزی رنگ کا ریشمی مشجّر یا زربفت منڈھا ہوا ہوتا ہے۔

اِن حالات کے لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اس مربع قلعہ کے اندر جو جو اُمور قابل بیان وبحاظ تھے مینے اُمین سے کوئی نہیں چھوڑا۔

* اس جگہہ لفظ چھپرکھٹ ہندوستانی مذاق کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے مگر اصل کتاب میں لفظ (سکرین) ہے جسکے معنی چھپرکھٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ اور پردہ کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں اکثر ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوئے لکڑی کے ایسے چوکھٹے دیکھنے میں آتے ہیں جو تہہ کیئے جا سکتے ہیں اور جنکو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہہ پر کھڑا کرکے قنات یا پردہ کا کام لیا جاتا ہے تو اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً مصنف نے کسی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو تشبیہ دی ہے۔ م م ح

لہ سکرین 1 Screen

شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف سجے سجائے کوتل گھوڑوں کے کھڑے رہنے اور ہم کاب توپخانہ کی توپوں کا ذکر۔

اب اس مربع قطعہ کے باہر کی جانب کے منظر کا ذکر کرتے ہوئے پہلے میں اُن دو خوبصورت ڈیروں کا ذکر کرتا ہوں جو شاہی ڈیوڑھی کے دونوں جانب ہوتے ہیں یہاں پر چند عمدہ کوتل گھوڑے کسے کسائے اور نہایت تکلّف ساز و سامان سے سجے سجائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کیوقت فوراً کام آسکیں لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت اور تکلّف دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف ہم کاب توپخانہ کی پچاس ساٹھ توپیں جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں ایک قاعدہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں داخل ہوتا ہے اطلاع اہل لشکر کے لئے انہیں سے سلامی لی جاتی ہے۔

خیمہ معروف نقارخانہ کا ذکر

بادشاہی ڈیوڑھی کے سامنے بقدر مناسب و ممکن ایک وسیع صحن جسمیں کوئی خیمہ وغیرہ بالکل نہیں لگایا جاتا ہمیشہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس صحن کی انتہا پر ایک بڑا ڈیرہ کھڑا ہوتا ہے جسکو نقارخانہ کہتے ہیں کیونکہ اس جگہہ نقارے اور شہنائیں رہتی ہیں۔

امرائے چوکی دینے کا ذکر

اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جسکو چوکی خانہ کہتے ہیں۔ یہاں اُمرا نوبت بنوبت ہفتہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے ہیں۔ مگر اکثر اُمرا ایسا کرتے ہیں کہ خاص اپنے ہاں کا ایک ڈیرہ ٹھیک چوکی خانہ کے متصل زیادہ آسایش و خلوت کی غرض سے کھڑا کر لیتے ہیں۔

مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر

اس طرح سے مربع قطعہ کی باقیماندہ تینوں جانب کچھ تھوڑا سا فاصلہ دیکر بعض عہدہ داروں اور ایسے کارخانوں کے خیمے لگائے جاتے ہیں جنسے خاص خاص قسم کے شاہی اُمور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص وجہ مثل تنگی مقام وغیرہ مانع نہ ہو تو یہہ خیمے ہمیشہ ایک ہی ترتیب اور قرینہ سے لگا کرتے ہیں۔ ان ڈیروں کے جُدا جُدا نام اور لقب ہیں لیکن ان ناموں کا تلفظ مشکل ہے اور چونکہ میرا یہہ مدعا نہیں ہے کہ میں آپکو ہندوستانی زبان کی تعلیم دوں پس یہہ کافی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب بیان کردوں یعنی اُن میں سے ایک ڈیرے میں تو بادشاہی ہتھیار رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زین اور جڑاؤ ساز وغیرہ اور تیسرے میں کمخواب اور زربفت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ کیطرف سے اکثر خلعت میں دیجاتی ہیں۔ اور چار علیحدہ علیحدہ خیمے واسطے گنگا جل اور شورے کے جس سے پانی ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے میووں اور حلووں اور مٹھائیوں اور پان وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ پان ایک قسم کا پتا ہے جو کچھ خاص مصالحے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایات و الطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جسکے چبانے سے موںہہ سے خوشبو آتی ہے اور لب سُرخ ہو جاتے ہیں۔ پندرہ سولہ ڈیرے اور ہوتے ہیں جو باورچی خانہ اور اُسکے متعلقہ اشیا کے کام آتے ہیں اور ان سب کے وسط میں بہت سے عہدہ داروں اور خواجہ سراؤں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خاصے گھوڑوں کے واسطے چھ ڈیرے اور ہیں جو نہایت لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ اِنکے علاوہ اور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی

سواری کے ہاتھیوں اور شکاری حیوانوں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں یعنی شان و شوکت بھی اور سواری کیوقت شکار بھی اور شکاری کتوں اور چیتوں کے لئے جو ہرن اور نیل گاے کو پکڑتے ہیں۔ اور شیروں اور گینڈوں کے لئے جو شوکت دکھانے کے لئے ہمراہ لاے جاتے ہیں اور بنگالی بھینسوں* کے لئے جو شیر پر حملہ کرتے ہیں اور پلے ہوے ہرنوں کے لئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑاے جاتے ہیں۔

خیام شاہی کے مفہوم میں وہ خیمے بھی داخل ہیں جو مختلف کارخانوں وغیرہ سے متعلق ہیں

لفظ خیمہ گاہ شاہی کے سمجھنے کے لئے یہی خیال نہ کرلینا چاہیے کہ جو خیمے اس مربع قطعہ کے اندر ہیں صرف انہیں سے یہہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے خیمہ جات جنکا ذکر میں ابھی کرچکا ہوں وہ بھی خیمہ گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس تمام شاہی خیمہ گاہ کے لئے یہہ امر ضروریات سے ہے کہ حتی الامکان اسکا موقع ہمیشہ سپاہ کے وسط میں ہو۔

خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب پر شکوہ منظر کا بیان

اب آپ بآسانی سمجھ لینگے کہ یہہ شاہی بارگاہ کس شان و شوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہہ عظیم الشان سرخ خیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قرب و جوار کی کسی بلندی سے دیکھائی دیتا ہے تو دلپر اسکی شان و عظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ لشکر گاہ کا میدان بقدر کافی کشادہ اور اس قسم کا ہو کہ بلا روک ٹوک سپاہ کے سب دستے اپنی اپنی معمولی ترتیب اور قرینہ سے

* ان بھینسوں سے جنگلی بھینسے جنکو ارنا بھینسہ کہتے ہیں مراد ہیں ۱۲ س-م-ح

اُسمیں اُتر سکیں۔

لشکر کے بازاروں اور اُنکی شناخت کے ذریعوں کا ذکر

جیساکہ پہلے ہی بیان ہوچکا ہے سب سے اوّل میر سامان کو یہہ فکر کرنی پڑتی ہے کہ پیش خانہ شاہی کیواسطے ایک معقول موقع انتخاب کرے۔ اور سب خیموں سے خیمہ عام و خاص بلند موقع پر لگایا جاے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اُترنیکا انتظام اور ترتیب اسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہے۔ پھر وہ شاہی بازاروں کی جہاں سے تمام فوج کو رسد ملتی ہے داغ بیلیں لگواتا ہے۔ بڑا بازار ایک بڑی وسیع سڑک کی شکل پر کبھی عام و خاص کے دائیں اور کبھی بائیں سطور سے لگایا جاتا ہے کہ کل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہے ہمیشہ اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ جس طرف سی کہ اگلی منزل کے راستہ پر پڑے۔ دوسرے بادشاہی بازار جو عرض و طول میں ایسے نہیں ہوتے اور جنکے راستے اسی بڑے بازار میں سے ہوتے ہیں بارگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بازار میں امتیاز اور شناخت کیواسطے ایک ایک نہایت بلند جھنڈا جسمیں سرخ پھریرا اور سرے پر شورہ گاے کی دُم لگی ہوتی ہے تین تین سو قدم کے فاصلہ پر نصب ہوتا ہے۔

اُمرا کے خیمہ گاہوں اور اُن کے قرینوں وغیرہ کا ذکر

اسکے بعد میر سامان اُمرا کی خیمہ گاہوں کے لئے جگہہ تقسیم کرتا ہے تاکہ ہمیشہ ایک ہی قرینہ اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے اپنے اپنے

معمولی فاصلہ پر ہو خواہ دائیں ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی معمولی جگہہ کو جو اُسکے لئے مقرر ہے یا اُس جگہہ کو جو قبل از شروع سفر کسی شخص کی درخواست پر اُسکے واسطے مخصوص ہو چکی ہو بدل نہ سکے۔

جو تعریف کہ مینے اُس بڑے مربع قطعہ کی کی ہے اکثر صورتوں میں وہی تعریف اُمرا اور راجگان کی خیام گاہ پر بھی صادق آتی ہے۔ یہہ لوگ بھی عموماً اُسی طرح دو پیش خانے رکھتے ہیں اور اُنکی خیمہ گاہیں بھی اُسیطور پر قناتوں سے جو اُنکے اور اُن کے زنانوں کے بڑے خیموں کے گرداگرد لگائی جاتی ہیں گھر کر مُربّع شکل کی ہو جاتی ہیں اور اُن کی ان مُربّع صُورت کی خیمہ گاہوں کے باہر بدستور اُن کے سرداروں اور سواروں کے ڈیرے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ایک بازار بھی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے۔ جسمیں اُن کی فوج کے دوکاندار اور بھیر کے لوگ چھوٹی چھوٹی پالیں وغیرہ لگا کر گھاس دانہ چاول گھی وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اسطرح پر اُمرا کے لشکروں میں بادشاہی بازاروں سے جنمیں کُل سامان اور اجناس اکثر مثل پائے تخت کے میسّر آسکتی ہیں کسی شے کی خریداری کی چنداں احتیاج نہیں پڑتی۔ ہر ایک بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک جھنڈا مع علیحدہ علیحدہ رنگ کے پھریروں کے جو بلندی میں بادشاہی بازاروں کے جھنڈوں کے برابر ہوتے ہیں استادہ رہتا ہے۔ تاکہ ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ دُور ہی سے جُدا جُدا معلوم ہو جائے

اُمرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیمے رکھنے اور خیام شاہی کیطرف پشت کر کے اپنے خیمے لگوانے کی ممانعت کا ذکر۔

اگرچہ بڑے اُمرا اور بڑے بڑے راجے اُونچے اونچے ڈیرے رکھنا اپنا فخر جانتے ہیں مگر یہہ

ضرور ہے کہ وہ اسقدر اونچے نہ ہوں کہ بادشاہ کی نظر اُنپر پڑجاے اور وہ اُن سے گرادینے کا حکم دیدے جیساکہ اُسنے ہمارے اِسی سفر میں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہہ بھی ضرور ہے کہ اِن کے خیموں کی بیرونی جانب بھی تمام سرخ نہ ہو کیونکہ یہہ رنگ صرف بادشاہی ڈیروں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تعظیم اور اَدب کے خیال سے یہہ بھی واجب ہے کہ اُمرا کے خیموں کے مونہہ عموماً عام و خاص اور قیام شاہی کی طرف کو ہیں۔ (یعنی پشت وغیرہ اُس طرف نہ ہونے پاے)

> چھوٹے درجہ کے امرا اور اہل لشکر کے خیموں وغیرہ کے قرینہ کا ذکر —

باقی زمین جو مابین خیام شاہی اور اُمرا کی خیمے گاہوں اور بازار کے ہوتی ہے اُسمیں چھوٹے درجہ کے امیروں اور منصب داروں اور اہل توپخانہ اور ہر قسم کے تاجروں اور دُکان داروں اور مُلکی عہدہ داروں اور اور اشخاص کے خیمے نصب ہوتے ہیں جو اپنی اپنی اغراض اور مطالب مختلفہ کی وجہ سے لشکر کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں بیحد و شمار خیمے ہوتے ہیں اور زمین کا ایک بہت ہی بڑا سطح اُنکے کھڑے ہونے کے لئے درکار ہوتا ہے۔

> کُل لشکر کے لئے جسقدر زمین درکار ہوتی ہے اُس کا بیان —

اگرچہ کُل اشخاص موجودہ لشکر کی تعداد اور وسعت زمین خیمہ گاہ کی نسبت بعض فرنگستانی سیّاحوں نے بہت مبالغے کئے ہیں مگر اصل یہہ ہے کہ جب کبھی لشکر کا قیام کسی ایسے پڑاو میں بھی ہوتا ہے کہ جسمیں ترتیب

معیّنہ کے موافق کُل خیمہ جات بخوبی فراغت سے نصب ہوسکیں تب بھی میرے قیاس میں لشکر کا کُل دَور چھہ سات میل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ لشکرگاہ کے اندر زمین کے بعض قطعات اکثر یوں ہی خالی اور بے مصرف پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ البتّہ مجھے اِس جگہہ یہہ بات بھی ظاہر کردینی واجب ہے کہ بھاری توپخانہ جسکو ہمیشہ بہت جگہہ درکار ہوتی ہے عموماً کُل لشکر سے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے۔

بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور و غل کا ذکر۔

علی ہذالقیاس جو عجیب انتشار اور شور و غُل اس لشکر میں ہوا کرتا ہے اور جو کسی نو وارد شخص کو حیرانی میں ڈالتا ہے اُسکے بیان میں بھی بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آپکو اگر تھوڑی سی بھی واقفیّت اِس امر کی ہو کہ اس لشکر میں خیمے کس تفریق و ترتیب سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی سی دقّت کے ساتھ ہر جگہہ جہاں ضرورت ہو پہنچ سکیں گے۔

لشکر کے مختص الوضع جھنڈوں اور نشانوں کے رہنما ہونے کا ذکر۔

خیام شاہی اور ہر ایک امیر کے مختص الوضع خیمے اور نشان اور وہ سُورہ گاے کی دُم والے جھنڈے جو بادشاہی بازاروں میں لگتے ہیں۔ اور جو سب بہت دُور سے نظر آتے ہیں۔ چند روز کے تجربہ کے بعد ایسے راہبر ہوجاتے ہیں کہ بھولنے نہیں دیتے۔

منزل پر پہونچنے کے وقت فرودگاہ کے پہچاننے اور اُس تک پہنچنے میں جو کبھی کبھی وقت پیش آتی ہے اُسکا ذکر

مگر واقعی باوجود اِن سب احتیاطوں اور علامات کے بھی کبھی کبھی ڈیرے کے پہچاننے اور

ملنے میں ایک نہایت خلط ملط اور دقت ہوتی ہے خصوصاً فجر کو جب فوج اپنی فرودگاہ پر آتی ہے اور ہر شخص بڑی سرگرمی سے اپنی خیمہ گاہ کی تلاش اور ڈیرہ کرنے کے بندوبست میں مشغول ہوتا ہے اور گرد و غبار کے مارے یہہ سب نشان اور علامتیں بالکل چھپ جاتی ہیں اور بارگاہ شاہی اور مختلف بازاروں اور اُمرا کے خیموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں وہ خیمے جو نصب کئے جانے کے لئے پھیلائے ہوئے یا نیم استادہ ہوتے ہیں اکثر رستہ ملنے میں حارج ہوتے ہیں اور نیز وہ طول طویل رسیاں جو کم درجہ اُمرا اور منصب دار جنکے پاس پیش خیمے نہیں ہوتے اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور بغرض انسداد آمد و رفت عوام اور اس مراد سے (بصورتیکہ اُن کے قبائل ساتھ ہوں) کہ اُن کے قریب کوئی غیر شخص ڈیرہ نکر سکے بندھوا دیتے ہیں بڑی سدّ راہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ اُنکے نوکر چاکروں کی ایک فوج ہاتھوں میں ڈنڈے لئے نگہبانی کے لئے کھڑی رہتی ہے جو اِن رسیوں کو نہ تو سر کانے ہی دیتے ہیں اور نہ نیچا کرنے دیتے ہیں اور لامحالہ اُلٹے پاؤں پھرنا پڑتا ہے اور اس عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بیفائدہ سعی ہوتی رہے دوسری طرف کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اب اُونٹ لدے کھڑے ہیں اور اُن کے نکال لیجانے کی بجز اسکے کوئی سبیل نہیں ہے کہ اُن نوکر چاکروں کو دھمکانے بھی اور منت سماجت بھی کیجئے اور سمجھانے بوجھانے کے ساتھ کبھی ایسا غصہ دکھلائے کہ

گویا تم اُن کو ابھی پیٹ ڈالوگے مگر کسیکو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہیئے۔ اور دونوں طرف کے نوکروں چاکروں کے باہم اوّل ایک سخت قال و مقال پیدا کرکے پھر اُن کو یہہ ڈرا دینا چاہیئے کہ اِس حرکت کا نتیجہ اچھا نہوگا۔ اور اِس طرح پر اُن کے باہم صُلح کراکر وقت کو غنیمت جانیئے اور اپنے اونٹ نکال لیجائیے۔

شام کیوقت دھوئیں کی کثرت سے اِدھر اُدھر جانے میں جو دقت پیش آتی ہے اُس کا ذکر —

شام کیوقت جب کسی کام کے لئے کچھ دور جانا پڑتا ہے تو حقیقت میں کمال دقّت ہوتی ہے کیونکہ اسوقت عوام الناس اپنا اپنا کھانا پکاتے ہیں اور اکثر اُپلے اور اُونٹوں کی مینگنیاں اور گیلی لکڑیاں جلاتے ہیں اور اِن کے بیحد و شمار چولھوں کا دھواں خصوصاً جبکہ ہوا کم ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل تیرہ و تار ہوجاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی تین چار بار اِس دھوئیں کے سمندر میں پھنس گیا تھا اور ہرچند راستہ دریافت کرتا تھا مگر نہیں ملتا تھا اور اگرچہ اِدھر اُدھر بہت سا چکر آتا پھر اگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ دھوئیں کے موقوف ہونے اور چاند کے نکلنے تک ایک جگہہ توقف کرنا پڑا اور پھر ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اکاس دیئے تک پہنچا اور مع

اکاس دیا اور اُسکے فوائد کا ذکر

اپنے گھوڑے اور سائیس کے اُسی کے نیچے رات بسر کی — یہہ اکاس دیا جہاز کے ایک بڑے مستول کی مانند مگر نہایت نازک اور پتلا ہوتا ہے جسکے اُتارتے وقت الگ الگ تین ٹکڑے ہوجاتے ہیں یہہ بارگاہ شاہی کی طرف نقارخانہ کے قریب لگایا جاتا ہے۔ اور

رات کیوقت اسکی چوٹی پر ایک قندیل لٹکتی رہتی ہے - یہہ نہایت ہی مفید چیز ہے - کیونکہ اس دھواں دھار تاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہہ دیکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چوروں سے امن میں رات کاٹ لیتے ہیں یا وہاں پہنچکر پھر اپنے ڈیرے کا ڈھونڈ ڈھانڈکر پتا لگا لیتے ہیں -

لفظ اکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہوسکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہہ قندیل دور سے ستارہ سا چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے

بادشاہی لشکر میں چوری کے انسداد کا جو انتظام ہے اُس کا ذکر -

انسداد وزدی کیواسطے ہر ایک امیر اپنے اپنے خیمہ پر چوکیدار رکھتا ہے جو رات کو برابر ڈیرے کے آس پاس گشت کرتے "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اسکے علاوہ تمام فوج کے گرداگرد پان پانسو قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ جلائے رکھتے اور "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اس احتیاط کے علاوہ کوتوال ہر ایک طرف اپنے برقنداز بھیجتا ہے جو خاص کر بازاروں کی زیادہ تر خبرگیری کرتے اور شور و غل کے علاوہ نرسنگا بھی بجاتے رہتے ہیں - مگر باوجود ان سب احتیاطوں اور خبرداریوں کے چوری اکثر ہوتی رہتی ہے اسلئے مقتضائے احتیاط یہہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیئے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیداری پر زیادہ بھروسہ نرکھنا چاہیئے اور رات کو اوّل وقت کچھ آرام کر لینا چاہیئے تاکہ باقی ماندہ رات کو حفاظت کیواسطے گنجایش ہو -

بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان

اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے جو اُسنے اس موقع پر اختیار کئے تھے بیان کرتا ہوں۔

تخت رواں کا ذکر

اکثر اوقات بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتا ہے۔ جسکو کہار اُٹھاتے ہیں۔ یہہ تخت ایک قسم کا تکلف چوبیں بنگلہ ہوتا ہے جسکے روغن کاری اور ملمع کے ستون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش وغیرہ کے وقت بند کیجاتی ہیں۔ اس تخت کے چاروں ڈنڈے جو کہاروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سُرخ بانات یا کمخواب سے منڈھے ہوئے اور زری اور ریشم کی نہایت کامدار جھالر سے آراستہ اور سجے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک ڈنڈے کو دو مضبوط اور خوش پوشاک کہار لگے رہتے ہیں جنکی بدلی کے واسطے نوبت بہ نوبت اور آٹھ کہار موجود رہتے ہیں۔

کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب موسم موافق اور قابل شکار کے ہو اور کبھی ہاتھی پر میگھ ڈنبر یا ہودے میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے جو نہایت ہی شان دار اور باشوکت سواری ہے۔ کیونکہ اُسکی جھول ایسی عمدہ اور ساز و سامان اس قدر قیمتی اور مرصع اور زرق برق کا ہوتا ہے کہ اُسکی زیبایش پر کوئی چیز فوق نہیں لیجا سکتی۔

ہاتھی کے میگھ ڈنبر اور ہودے کا بیان

میگھ ڈنبر روغنکاری اور ملمع کا ایک چھوٹا سا چوبی بنگلہ مربع شکل کا سمجھنا چاہیئے۔ اور ہودا بیضوی شکل کی ایک نشست ہے جسکے سُنہری اور نہایت منقش ستونوں پر ایک نہایت مکلف شامیانہ ہوتا ہے۔

کوچ کے وقت امرا اور راجے بادشاہ کے ساتھ جسطرح سے چلتے ہیں اُس کا بیان

ہر ایک کوچ میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے اُمرا اور راجے ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اُسکے پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اِس طرح ملے جُلے چلتے ہیں جنمیں چنداں لحاظ کسی قاعدہ کا نہیں ہوتا۔ کوچ کے روز علی الصباح سب اُمرا باستثناء اُن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا اُن کا عُہدہ ہی مقتضی اِس استثناء کا ہو خیمہ عام وخاص میں جمع ہوتے ہیں اور اِس کوچ سے اُمرا کو بہت کوفت اور ماندگی ہوتی ہے خصوصاً شکار کے دن کیونکہ اُنکو اِس حالت میں اکثر اوقات سہ پہر یعنی تین بجے تک برابر دُھوپ اور گرد میں عام سپاہیوں کی مانند حیران ہونا پڑتا ہے۔

امرا بادشاہ سے علیحدہ جس لطف سے منزل طے کرتے ہیں اُسکا بیان۔

مگر یہہ آسایش پسند اُمرا جب بادشاہ کے ہمرکاب نہیں ہوتے تو اُنہی طرح سفر کرتے ہیں اور نہ تو اُن کو دُھوپ ہی ستاتی ہے اور نہ گرد ہی بلکہ حسب پسند طبع بند یا کُھلی پالکی میں ایسے جاتے ہیں جیسے پلنگ پر لیٹے ہوے اور بلا دِقت آرام سے سوتے ہوے اپنے خیمہ میں جا پہنچتے ہیں جہاں اُن کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیار ملتی ہے۔ کیونکہ یہہ سب سامان رات کو کھانا کھانے کے بعد فوراً آگے کو روانہ کر دیا جاتا ہے

سواری کے وقت جو گرز بردار امرا اور بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں اُن کا ذکر ـــــ

سواری کی حالت میں ان اُمرا کے گرد و پیش بہت سے سوار جنکو گُرز بردار کہتے ہیں اور

جن کے پاس چاندی کا گرز ہوتا ہے سب طرح سے ساز و سامان سے درست موجود رہتے ہیں۔

بہت سے گرز بردار بادشاہ کے بھی ہم رکاب ہوتے ہیں جو آگے آگے دائیں اور بائیں پیدلوں کے ایک بڑے جمگھٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ گرز بردار چیدہ اور وجیہ جوان ہوتے ہیں اور احکام اور فرامین شاہی وغیرہ اُن کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے عصا ہوتے ہیں اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف ملے۔

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور جس طریقہ سے چلتا ہے اسکا بیان

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور* چلتا ہے جس میں بہت سی شہنائیں اور نقارے بھی ملے ہوئی چلتے ہیں۔ اِس قور میں جیسا کہ مینے پہلے بیان کیا ہے چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الوضع چیزیں بھی جو ایک چاندی کی لمبی چوب پر

* قُور (قُ وْ رْ) بمعنی ہتھیار تُرکی لفظ ہے اور اِس سے بادشاہی سلح خانہ مُراد ہے۔ آئین اکبری میں لکھا ہی کہ شہنشاہ اکبر نے یہہ آئین باندھا تھا کہ مختلف قسم کے سلاحات مثلاً تلوار نیزہ خنجر کمان جمدھر کٹار وغیرہ جیسے کہ اُسوقت مروج تھے روزمرہ ایک مقررہ تعداد کے موافق منصبداروں اور احدیوں کی ایک جماعت کو اس مطلب سی سپرد رہتے تھے کہ بادشاہ سفر اور حضر میں جسوقت چاہے اُن میں سے کوئی ہتھیار لیکر خواہ خود استعمال کرے خواہ بہم وقت کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو حسب ضرورت بخش دے اور سفر کے وقت جب یہہ سلح خانہ چلتا تھا تو شان و شوکت دیکھانے کے لیے سامان جلوس شاہی یعنی نشانوں اور ماہی مراتب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھ مِل جُل کر چلتا تھا گو دراصل یہہ کارخانے قور سے علحدہ تھے۔

س۔ م۔ ح

نصب کی ہوئی ہوتی ہیں شامل ہوکر چلتی ہیں۔ جنمیں سے بعض تو عجیب عجیب جانوروں کی صورت کی ہیں بعض ہاتھ کے پنجہ اور ترازو اور مچھلی وغیرہ اور بعض اور بعید الفہم اشیا کی شباہت کی۔

توپخانہ کے بعد منصب داروں کا جو غول آتا ہے اُس کا بیان۔

اِس کے پیچھے ایک بڑا غول منصب داروں یعنی کم درجہ کے اُمرا کا آتا ہے جو ہتھیار سجائے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ یہہ لوگ اُن اُمرا سے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ اُن منصب داروں کے علاوہ جنکو اپنے پہرہ کی وجہ سے علی الصباح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمرکابی کے لئے جمع ہونا ضرور ہے اَور بھی بہت سے منصب دار اِس غرض سے شریک جلوس سواری ہوجاتے ہیں کہ بادشاہ کی زیر نظر رہکر کچھ ترقی حاصل کریں۔

بیگمات کی سواری کی چیزوں اور اُنکی زیب و زینت کا بیان۔

شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی سواریوں میں چلتی ہیں جنمیں سے کسی کو تو چوڈول پسند ہے جسکو کہار اُٹھاتے ہیں اور تخت رواں سا ہوتا ہے اور جسپر ملمع اور روغنکاری کا کام بنا ہوا ہوتا ہے اور رنگا رنگ کے ریشمین خوشنما گھٹا ٹوپ پڑے ہوئے اور زری کی جھالریں اور خوبصورت پھندنے وغیرہ ٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض عمدہ عمدہ پالکیوں میں جو چوڈولوں کی طرح خوب سجی سجائی ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاہزادیاں بڑے بڑے محملوں میں جو دو مضبوط اُونٹوں یا دو چھوٹے ہاتھیوں کے بیچمیں معلّق ہوتے

بن جاتی ہیں۔ چنانچہ مینے کبھی کبھی روشن آرا بیگم کو محمل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہہ بھی دیکھا ہے کہ محمل کے آگے کی جانب جو کھلی ہوئی تھی ایک نوجوان خوش لباس لونڈی بیٹھی ہوئی گرد اور مکھیوں کے دور کرنے کے لئے بیگم صاحبہ کو مورچھل کر رہی تھی۔ بیگمیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جنکے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوئے اور بڑی قیمتی ساز وسامان سے سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جنکی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور وہ آرائشی چیزیں جو جھول وغیرہ میں لٹکائی جاتی ہیں نہایت عمدہ زردوزی کام کی ہوتی ہیں۔ یہہ حسین اور ممتاز بیگمیں اپنی میگھڈنبروں میں بیٹھی ہوئی یوں دکھائی دیتی ہیں گویا ہوا میں پریاں اُڑی جاتی ہیں اور ہر ایک میگھڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگھڈنبر کے ہر ایک خانہ پر ریشمین جالی کا غلاف پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور چوڈول اور تخت رواں کی شان وشوکت اور زرق برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور بیگمات کی سواریوں کا تجمل اسقدر دلچسپ ہے کہ اس سفر میں یہہ تماشا میرے لئے بدرجہ غایت کشش دلی کا باعث رہا ہے اور اُسکی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے

روشن آرا بیگم کی سواری کے جلوس کا ذکر۔

چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول دیجئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری ہے

زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئیگا۔ یہہ بیگم پیگو کے ایک بہت ہی عمدہ اور بڑے قد آور ہاتھی پر ایسے میگڈنبر میں سوار ہوتی ہے جسکی سنہری اور لاجوردی رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے اُسکے ہاتھی کے پیچھے پانچ چھ اور ہاتھی چلتے ہیں جنپر اُسکے محل کی معزز عورتیں ہوتی ہیں۔ اور اُن کے میگڈنبر بھی شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم کے میگڈنبر جیسے بلکہ قریباً ویسے ہی ہوتے ہیں۔ شاہزادی کے قریب بڑے بڑے اور خاص خاص خواجہ سرا بھاری بھاری پوشاکیں پہنے ہوے نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں چھڑیاں لئے ہوے چلتے ہیں اور اُسکے ہاتھی کے اِرد گِرد ایک رسالہ کشمیری اور تاتاری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے بناؤ سنگار کئے ہوے خوبصورت اور بادپا گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں اِن کے علاوہ اَور بہت سے خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ ایک بڑی بھیڑ پیدل ملازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی بڑی چھڑیاں لئے ہوے شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دُور آگے اِس مُراد سے چلتے ہیں کہ راستہ کو صاف اور کھلا رکھیں اور ہر ایک شخص کو جو سامنے آجاے ہٹاتے جائیں۔

بڑی بیگم اور اَور بیگموں کی سواریوں کا ذکر۔

روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی بڑی بیگم کی سواری نمودار ہوتی ہے اور قریباً یہی سب تکلّفات اُسمین بھی ہوتے ہیں۔ غرضکہ اِسی طرح پندرہ سولہ بڑی بڑی بیگمیں شان وشوکت اور دھوم دھام کے ساتھ جو اُن کے مرتبہ اور

مشاہرہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گزرتی ہیں

بیگمات کی سواریوں کی شان وشوکت اور دلچسپی کا ذکر

ان بنے ٹھنے ہاتھیوں کا وہ تول تول کر قدم رکھنا اور میگڈنبروں کی وہ چمک دمک اور نہایت خوش لباس اور بے شمار ہمراہیوں اور خدم و حشم کا انبوہ کثیر واقع میں دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان وشوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہے اور اگر میں ان سب دلفریب سامانوں کو فلسفیانہ بے اعتنائی کی نظر سے نہ دیکھتا تو بیشک میں بھی انہیں ہندستانی کبیشروں کی مانند جو استعارے کے طور پر کہتے ہیں کہ یہہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر میگڈنبروں میں بیٹھی ہوئی خلائق کی نظروں سے پوشیدہ پوشیدہ جارہی ہیں اپنے خیالات کی بلند پروازی کا مغلوب ہو جاتا ۔

جو سخت انتظام بیگموں کی سواری کے نزدیک نجانے کے باب میں ہے اسکا اور ایک اپنے گزرے ہوئے معاملہ کا ذکر

اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ کوئی متنفس ان بیگمات کے نزدیک جا سکے اور گویا محال ہے کہ وہ انسان کو نظر آسکیں پس وای بر حال اُس سوار کے جو کسی اتفاق سے بیگمات کی سواری کے نزدیک جا نکلے کیونکہ یہہ شخص خواہ کیسا ہی ذی رتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہہ لوگ ایسے موقع پر بڑے شوق سے اُسکی خوب ہی گت بناتے ہیں ۔ چنانچہ میں ایسی جلدی نہیں بھول سکتا کہ ایکبار میں بھی اس بلا میں پھنس گیا تھا اور ہزار دقت و مشکل اُس بیرحمانہ سلوک سے نجات پائی تھی جسمیں بہت سے سوار پھنس چکے

تھے - مینے یہہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو ایک خوب مقابلہ کیئے بغیر میں اُن سے مار نہیں کھانے کا - پس مینے اپنی تلوار کھینچ لی اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جاندار تھا اور اِس طرح پر اُس قابل ہوگیا کہ تیغ بکف اُن حملہ آوروں کی بھیڑ کو چیر کر نکل گیا اور ایک تیز رَو ندی میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پار اُتر گیا -

حقیقت یہہ ہے کہ تمام فوج میں یہہ بات ایک مَثَل کیطرح مشہور ہے کہ تین موقعوں سے نہایت بچنا اور احتیاط کرنا واجب ہے - اوّل خاصے اور کوتل گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دُولتّیاں اور تیز سنگین بحساب ہیں دویم شکار گاہ میں جا داخل ہونے سے - سویم بیگمات شاہی کی سواری کے قریب جا رہنے سے -! اور ایران میں تو یہہ تیسری صورت سب سے بُری ہے - کیونکہ میں سُنتا ہوں کہ اگر وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے فاصلہ پر بھی نظر پڑ جاے کہ جہاں سے بیگمات تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اُس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہہ ضرور ہے کہ جس شہر اور گانو میں ہوکر بیگمات کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے اپنے مقام و مسکن کو چھوڑ کر بہت فاصلہ پر بھاگ جائیں -

بادشاہ کے شکار کھیلنے کے طریقہ کا ذکر

اَب میں کچھ بادشاہ کے شکار کا بیان کرتا ہوں ! میری سمجھ میں کبھی نہ آتا تھا کہ شہنشاہ مغلیہ ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے ساتھ کسطرح شکار کھیل سکتا ہے - لیکن بلاشک ایک خاص صورت ہی جسکے سبب سے دو لاکھ بلکہ اِس سے بھی زیادہ فوج کے

ساتھ شکار کھیل سکتا ہے - چنانچہ وہ صورت یہہ ہے کہ آگرہ اور دہلی کے
نواح میں دریاے جمنا کے کنارے کوہستان تک اور اُس
شاہراہ کے دونوں جانب جو لاہور کو جاتا ہے زمین کا ایک بڑا حصّہ بنجر پڑا
ہوا ہے جو جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف الاقسام گھاس سے جو
دو دو گز اونچی ہے ڈھکا رہتا ہے - اور اُن سب زمینوں کی بڑی نگرانی
سے محافظت کیجاتی ہے - اور سواے تیتر بٹیر اور خرگوش کے جنکو
ہندوستانی لوگ جال سے پکڑتے ہیں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں ہو
شکارگاہ میں جاکر کسی قسم کے شکار کو جو احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے
بیشمار ہے نہیں چھیڑ سکتا - جب کبھی بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جسکے
ضلع کے قریب ہوکر لشکر شاہی کا گزر ہو حاضر ہوکر میر شکار شاہی کو اپنے
علاقہ کے مختلف القسم شکاروں کے حالات اور اُس جگہہ کے احوال سے
جہاں شکار بافراط موجود ہو مطّلع کرتا ہے اور اُسکے اِطّلاع دینے پر شکارگاہ
کے ناکوں اور خاص خاص موقعوں پر پہرے بٹھادیئے جاتے ہیں
تاکہ وہ قطعے جو منتخب کئے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں - یہہ قطعات
کبھی کبھی دس دس میل کے وسعت میں ہوتے ہیں اور اُس شکارگاہ
سے کہ جہاں بادشاہ شکار کھیلا چاہتا ہے اہل لشکر کوچ کے وقت داہیں
یا باہیں کو اِس طرح پر بچکر چلتے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی دقّت کے
صرف اُس قدر اُمرا اور لوگوں کے ساتھ جنکو اجازت دیگئی ہو شکارگاہ کے
اندر بلا ہرج مرج داخل ہوکر بخوبی واطمینان تمام انواع واقسام کے شکاروں

سے جیسا جیسا کہ موقع اور حالت ہو محظوظ و مسرور ہوتا ہے

چیتے وغیرہ کے شکار کا ذکر

اب میں اوّل یہہ بیان کرتا ہوں کہ سدھاے ہوے چیتوں سے ہرن کا شکار کسطرح کیا جاتا ہے مجھکو یاد ہے کہ مینے کسی اور موقع پر آپکو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سینگ والے ہرن بکثرت ہیں جو ہمارے ملک کے اُس قسم کے ہرن سے جسکو فان[1] کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں اور اِن کی ڈاریں ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ چھ ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے - اور ایک نر ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنی رنگ سے بآسانی پہچانا جاتا ہے -

اب شکار کا طریقہ سُنیے کہ ہرنوں کی ڈار کے نظر پڑتے ہی ایک چیتے کو جو ایک چھوٹی سی گاڑی پر زنجیر سے بندھا رہتا ہے وہ ڈار دکھلا دیتے ہیں اور یہہ سیانا اور مکار جانور فوراً اُسکی طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ ایک بڑی احتیاط سے اُنکے اِرد گرد چھپ چھپ کر اور دبک دبک کر چلتا ہے اور اِس طریق سے بے معلوم ایسا نزدیک جا پہنچتا ہے کہ پانچ ہی چھ جستوں میں جنکی بعید القیاس سُرعت اِس جانور میں مشہور ہے اُن کے پکڑ لینے کا قابو بخوبی حاصل کر لیتا ہے اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب ہوتا ہے تو معاً شکار کے خون اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے - اور اگر وار خالی جاتا ہے (چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے) تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے ! فی الواقع اس امر میں کوشش کرنا کہ سیدھی

[1] فان Fawn

اور دا جبی دوڑ میں چیتا ہرن کو پکڑے بیفائدہ ہے کیونکہ ہرن چیتے سی بہت
تیز رو اور دور دم ہوتا ہے ! چیتے بان کو اُسکے پھر پکڑ کر گاڑی پر بٹھا
دینے میں کچھ دقّت نہیں اٹھانی پڑتی چنانچہ آہستگی سے اُسکے پاس جاکر
چمکارتا اور دو ایک گوشت کے ٹکڑے آگے ڈالکر اور آنکھیں بند کر کے
زنجیر سے باندھ دیتا ہے۔

اسی سفر میں ایک چیتے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور حیرت
افزا تماشا دکھلایا یعنی ایک روز جو ہرنوں کی ایک ڈار فوج کے درمیان
ہو کر نکل بھاگی جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے تو اتفاقاً دو چیتوں کے بہت ہی قریب
ہو کر نکلی جو حسب معمول گاڑیوں پر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور ان میں
سے ایک نے جسکی آنکھیں بند نہ تھیں ایک ایسی تیز جھپٹ کی کہ زنجیر توڑ کر
ہرنوں کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لیکن کسیکو پکڑ نہ سکا لوگوں کی دوت دبک اور
تعاقب سی مجبور ہو کر یہہ ہرنوں کی ڈار جو پھر پیچھے کو ہٹی اور ایک ہرن اُسی
چیتے کے پھر قریب ہو کر نکلا تو اُسنے باوجودیکہ بہت سے گھوڑے اور اونٹ بیچ میں
حائل تھے جھپٹ کر اُسکو پکڑ لیا اور اس سے یہہ عام مقولہ کہ "چیتا اپنے شکار پر جو
اوّل دفعہ کی جھپٹ سی بچ جاے پھر نہیں دوڑتا" غلط ثابت ہو گیا۔

نیل گاے کے شکار کرنیکا طریقہ بہت دلچسپ نہیں ہے۔ ان کو بڑے
بڑے وسیع جالوں میں گھیر کر بتدریج اُن کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے
ہیں اور جسوقت اُسکی وسعت بہت کم رہجاتی ہے تو بادشاہ امرا اور شکاریوں
کو ساتھ لیکر اُسمیں داخل ہوتا ہے اور انکو تیر اور برچھی اور تلوار اور قرابین سے

مار لیتے ہیں اور کبھی کبھی یہہ جانور اسقدر مارے جاتے ہیں کہ بادشاہ اُن کا گوشت تحفہ کے طور پر سب اُمرا کے لئے بھیجتا ہے۔

کونجوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابل دید طریقہ ہے اور اُن کی اُس جرأت کے دیکھنے سے جو وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھاتی ہیں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سست پروازی کی وجہ سے جو پھرتی کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں پھر سکتیں دشمنوں سے جنکی تعداد دمبدم بڑھائی جاتی ہے مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن ان سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بجز خاص اجازت کے جو کسی امیر کو دیجاے بادشاہ اور شہزادوں کے سوا اس شکار میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اِسکے شکار کے لئے سب سے پہلے یہہ ترکیب کیجاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر فلاں جگہہ اکر سوتا ہے تو وہاں ایک گدھا باندھ دیتے ہیں جس بدنصیب کو شیر پھاڑ کھاتا ہے اور چونکہ یہہ اُسکے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اسکے کہ کسی بیل یا بھیڑ بکری یا کسی چرواہے کو ستاے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی پیکر پھر اپنی اسی آرامگاہ پر آجاتا ہے اور اگلی فجر تک پڑا سویا کرتا ہے چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک یہی حکمت اُسکے ایک ہی جگہہ پر مائل رہنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اور گدھا جسکے حلق میں بہت سی افیون ٹھوس دیجاتی ہے

اُسی موقع پر جہاں اسقدر گدھے قربانی ہو چکے تھے باندھ دیتے ہیں اور یہہ آخری دعوت بیشک اِس مُراد سے ہوتی ہے کہ شیر کھا پیکر سُکھ کی نیند سو جاسے - اِس کے بعد یہہ تدبیر کیجاتی ہے کہ قرب وجوار کے گنواروں کو جمع کر کے بڑے بڑے وسیع جال جو خاص اِسی کام کے واسطے بنائے ہوے ہوتے ہیں تنوا دیئے جاتے ہیں اور جیسا کہ نیل گاے کے شکار میں کیا جاتا ہے اُن کو بتدریج کھینچ کھینچکر اُنکی دائرہ کی وسعت کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جب سب سامان اِسطرح تیار ہو جاتا ہے تو بادشاہ ایک ہاتھی پر جسپر فولادی پاکھر پڑی ہوئی ہوتی ہے مع میر شکار اور چند فیل نشین امیروں اور بہت سے گرزبردار سواروں اور پیدل شکاریوں کے جنکے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہوتی ہیں جلدی سے جال کے باہر کی طرف ٹھہر کر شیر پر ایک بڑی بندوق سے فیر کرتا ہے - اب شیر جو اپنی عادت معہودہ کے موافق زخم کھا کر ہاتھی پر جھپٹتا ہے تو جال میں اُلجھ کر رہجاتا ہے اور بادشاہ پیہم گولیاں مار کر اُسکو مار لیتا ہے -

اِسی سفر کے ایک شکار میں ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بپھرا ہوا شیر جال پر سے کُود کر ایک سوار پر جا پڑا اور اُسکے گھوڑے کو مار ڈالا اور اِس طرح پر کُچھ دیر کے لئے جان بچا کر بھاگ گیا مگر شکاریوں نے تلاش اور پیروی کر کے ڈھونڈ ہی لیا اور پھر جال سے جا گھیرا ! شیر کے بھاگ جانیکی اِس واردات سے تمام فوج کو نہایت دقّت اور پریشانی اُٹھانی پڑی یہانتک کہ ہم تین چار روز تک برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگردان رہے جسمیں

پہاڑوں سے ندّیاں اور نالے آکر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس سے جسمیں اُونٹ تک چھپ جائیں ڈھکا ہوا تھا کچھ بازاروں کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی بھی نزدیک نتھی پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی میں کسی طرح کچھ اپنی گُرسنگی رفع کر سکے! کیا اب میں آپکو اس نالایق مقام میں غیر ضروری توقّف کا اصلی سبب بھی بتا دوں؟ لو بتائے دیتا ہوں۔ آپکو خوب جان لینا چاہیئے کہ جب بادشاہ ایک شیر مارتا ہے تو یہاں اسکو بڑی مبارک فال سمجھا جاتا ہے اور اِسکے برعکس اگر شیر بچ جائے تو بیحد و نہایت بدشگونی اور سلطنت کیواسطے بڑی بدفالی خیال کیجاتی ہے اسلئے شیر کے شکار کا انجام حسب دلخواہ ہوتا ہے تو اِس مبارک تقریب میں بڑے اہتمام اور تکلفات عمل میں لائے جاتی ہیں چنانچہ بادشاہ ایک عام دربار کرتا ہے جسمیں سب اُمرا حاضر ہوتے ہیں اور مارا ہوا شیر بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اُسکی لاش بڑی احتیاط سے ناپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے اُسکا امتحان اور ملاحظہ ختم ہو لیتا ہے تو بادشاہی دفتر میں لکھکر رکھا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے فلاں تاریخ ایک شیر اِسقدر لمبا چوڑا اور اِسطرح کے قد و قامت اور جلد و پوست کا جسکے دانت اِسقدر دراز تھے اور جسکے پنجوں کی مقدار ایسی اور ایسی تھی شکار کیا۔

شکار کی اس کیفیت کے ساتھ مجھکو چند لفظ اُس افیون کی بابت

بھی جو گدھے کو کھلائی جاتی ہے اضافہ کرنے واجب ہیں چنانچہ ایک ذی رتبہ میر شکار نے مجھسے کہا کہ یہہ تو صرف حمقا اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے - اصل یہہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو یہہ شکم سیری ہی اُسکی گہری نیند کا باعث ہو جاتی ہے -

پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلوں کا ذکر

مینے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر عموماً پل نہیں ہیں اور ان دریاؤں سے فوج نے بذریعہ دوہرے پلوں کے جو کشتیوں سے کسیقدر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے عبور کیا - ان پلوں کے باہم دو تین سو قدم کا فاصلہ رکھا جاتا ہے اور اُن کے سطح پر مٹی اور بھوس ملا کر ڈالدیا جاتا ہے تاکہ چوپایوں کے پانوں نہ پھسلیں مگر ان دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پیل کا موقع ہوتا ہے نہ صرف اسوجہ سے کہ وہاں ایک سخت بھیڑ بھاڑ اور بڑے ہنگامے اور چقلش کی جگہہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر اس باعث سے کہ اُن کے دونوں سروں کی سلامی اور گزرگاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اِس وجہ سے راستہ ایسا ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے اور اُسمیں اتنے گڑھے پڑے ہوے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لدے ہوے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو اُنہیں گرے پھنسے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گزر کرنا پڑتا ہے اور اگر کُل فوج کو ایک ہی دن میں پار اُترنا پڑتا ہے تو یہہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے - لیکن بادشاہ یہہ تدبیر کرتا ہے کہ

دریا کے وار ایک میل کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے کھڑے کروا کر ایک دو دن وہاں ہی ٹھہرے رہنے کی تکلیف گوارا کرتا ہے اور پھر اسی طرح دریا کے پار جاکر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کر جاتے ہیں۔

بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے بہم پہنچانے کے طریقہ کا ذکر

لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور بہیر سمیت ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ! مگر بہر حال میں بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کے اس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ جانور یعنی گھوڑے خچر اور ہاتھی اور ان کے علاوہ اونٹ بھی پچاس ہزار سے کم نہ ہونگے اور قریباً اسیقدر بیل اور ٹٹو جن پر غریب بازاری لوگ خانہ بدوشوں کیطرح اپنے اہل و عیال اور غلہ وغیرہ اجناس لادے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اب اہل فوج کے نوکر چاکر بھی ضرور ہے کہ بیشمار ہوں کیونکہ بغیر ان کی مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہوسکتی۔ مثلاً میرا درجہ صرف ایک دو اسپے سوار کی مانند ہے اور اسپر بھی تین نوکروں سے کم میں میری گزر نہیں ہوسکتی۔ اکثر لوگوں کی یہہ راے ہے کہ کل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی کے اندر ہوگی۔ بعض کا یہہ قیاس ہے کہ یہہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض لوگ اس تعداد کو مبالغہ سمجھتے ہیں! لیکن حقیقت یہہ ہے کہ صحیح

تعداد بغیر مردم شماری کے معلوم نہیں ہوسکتی۔ البتہ میں اتنا دعویٰ ضرور کرسکتا ہوں کہ فوج کا ہجوم اور انبوہ بے حد اور قیاس سے باہر ہے اور دہلی کی تمام خلقت حقیقتاً لشکر میں جمع ہے۔ کیونکہ اُن کے کام کاج اور گزران بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور اُن کے لئے اِسکے سوا کچھ چارہ نہیں ہے کہ یا لشکر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے مرا کریں! کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اِس کیفیت کو پڑھکر مجھسے یہہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ اسقدر انسانوں اور حیوانوں کے لئے کوچ کی حالت میں خوراک اور چارا کسطرح بہم پہنچتا ہوگا؟ اِس کا مختصر اور سب سے بہتر جواب یہہ ہے کہ ہندوستانیوں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھ ہزار ہی ایسے ہونگے جو گوشت کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کھچڑی ہی پر قانع ہیں۔ جو چاولوں کے ساتھ مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی اُسمیں ڈال لیتے ہیں اور یہہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اونٹ یہانتک سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اُٹھا سکتے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے اور تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ہر کوچ کے بعد جنگل میں چرنے کو چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ اور ہر قسم کا گھاس پھوس اور جھاڑی وغیرہ اُن کے چارے کا کام دیتی ہے۔

یہہ امر بھی بالضرور لحاظ کے لایق ہے کہ وہ اہل بازار جو دہلی میں سب قسم کے اجناس وغیرہ بیچا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی ان اشیا کی بہم رسانی

کے ذمہ وار ہوتے ہیں اور اُنہیں کی دُکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ سفر میں رسد رسانی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں۔ اِن بیچاروں کو گھاس اور چارے کے بہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اور وہ اِس کام کے لئے گانو درگانو پھرتے ہیں مگر جو چیز لاتے ہیں اُسکو فوج میں اچھے داموں بیچنا چاہتے ہیں۔ اِن لوگوں کا عموماً یہہ معمول ہے کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام میدانوں اور جنگلوں میں جابجا موجود ہے زمین میں سے کُھرپے سے کھود لاتے ہیں اور اُسکو جھاڑ کر یا دھوکر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں۔

بادشاہ کے خیمہ گاہ میں داخل ہونیکے متعلق بعض خاص طور کی رسموں کا ذکر

بادشاہ کے حال کے متعلّق ایک عجیب بات ابھی لکھنی باقی ہے۔ جسکا بیان کرنا میں بھول ہی گیا تھا اور وہ یہہ ہے کہ بادشاہ لشکرگاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا ہے۔ یعنی ایک دن تو ایک جانب کے اُمرا کے خیموں کے قریب سے گزرتا ہے اور اگلے دن دوسری طرف کے اُمرا کے ڈیروں کے نزدیک سے۔

آپ یہہ گمان نہ فرمائیں کہ یہہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ وہ اُمرا جنکو بادشاہ اُنکے ڈیروں کے قریب ہو کر گزرنے کا افتخار بخشتا ہے اُنکو ضرور ہے کہ اپنے اپنے خیموں سے اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی جنکی تعداد اُن کے حوصلے اور مشاہرے کے موافق بیس سے پچاس تک ہوتی ہے پیش کش کیواسطے ہاتھوں میں لئے ہوئے

بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں! میں اُن شہروں اور قصبوں کا جو
دہلی اور لاہور کے راستہ میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ
مینے اُن میں سے شاید ہی کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہہ تھا کہ ہمارے
آقا کا ڈیرہ فوج کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں سے شارع عام اکثر
مل سکتا ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اسلیئے ہم لوگوں کا
یہہ معمول تھا کہ رات کو کوچ کیوقت ستاروں کا خیال رکھکر کھیتوں اور پگ
ڈنڈیوں کے راستہ سے چل پڑتے تھے اور اس سبب سے اکثر راہ
بھول جاتے تھے اور پو پھٹنے تک سیدھا راستہ ملنے میں بہت
دشواریاں پیش آتی تھیں اور اسطرح پر بجائے دس بارہ میل کی مسافت
کے جو دونوں پڑاؤنمیں معمولاً ہوتی ہے پندرہ یا اٹھارہ میل کی منزل روز
مرّہ طے کرنی پڑتی تھی۔

تیسرا خط بنام مانشیور دی مرویلس جو اُسوقت لاہور سے لکھا گیا جبکہ بادشاہ نے کشمیر کیطرف کوچ کیا۔

پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا بیان۔

صاحب من! یہہ امر بیوجہ نہیں ہے کہ وہ مُلک
جسکا پایۂ تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ
واقع میں پانچ دریا اُن بڑے پہاڑوں سے جنھوں نے ولایت کشمیر کا

Monsieur de Mervilles. ۵۷

محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اور اس صوبہ کے میدانوں میں بہکر دریائے اباسین میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں خلیج فارس کے دہانیکے قریب سمندر میں جا ملتا ہے۔

میں یہہ امر معین نہیں کرسکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو یونانی لوگ بیوسِ فلا[1] کہتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ الگزینڈر کا نام جسکو اس ملک میں سکندر ابن فیلقوس کہتے ہیں بخوبی معروف و مشہور ہے۔ مگر یہاں کے باشندے اُسکے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے

لاہور کے قریب جو راوی دریا ہے اُس کا ذکر۔

وہ دریا جسکے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے۔ جیسا فرانس میں دریائے لوایر[2] ہے اور ویسے ہی بلند اور سنگین پشتہ کا محتاج ہے جیسا کہ لوایر کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس دریا میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی جگہہ کو اکثر بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر پورا نصف میل لاہور سے دور ہٹ گیا ہی جس سے باشندوں کو کمال بے آرامی اور تکلیف ہوئی ہے

لاہور کی عمارات کا ذکر

لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی اونچی ہیں اور چونکہ بیس برس سے زیادہ ہوئے کہ بادشاہ مع اُمراء دربار آگرہ یا دہلی میں رہتا ہے اس لئے لاہور کے اکثر مکانات حالت ویرانی

[1] بیوس فلا یونانی میں بیل کے سر کو کہتے ہیں اور اس گھوڑے کا یہ نام اس مناسبت سے رکھا تھا کہ اسکے اس شکل کا داغ دیا ہوا تھا اور اسکے مرنے کی جگہہ یادگاری کیواسطے ایک شہر اُسکے نام پر بسایا گیا تھا۔ ۱۲ س م

1. Bucephalu 2. Loir River

میں ہیں بلکہ واقع میں بہت سی عمارتیں بالکل منہدم ہوگئی ہیں اور پچھلے چند برسوں کی شدید بارشوں میں بہت سے باشندے بھی مکانات سے دبکر مر چکے ہیں مگر اب تک بھی چار پانچ بازار بہت بڑے بڑے ہیں جنمیں سے دو تین تو طول میں دو میل سے بھی متجاوز ہیں لیکن انمیں اکثر مکانات بالکل ڈھئے پڑے ہیں۔ اور چونکہ دریا کا رُخ تبدیل ہوتا جاتا ہے اِس لئے بادشاہی محل دریا کے کنارے سے دُور ہو گئے ہیں اور یہہ شاہی مکانات بھی اگرچہ بہت عمدہ اور عالیشان بنے ہوے ہیں لیکن محلات شاہی واقع دہلی اور آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں۔

لاہور سے کشمیر کی جانب کوچ کا ذکر

دو مہینے سے زیادہ ہوے کہ بانتظار اِس امر کے کہ کوہستان کشمیر کی برف پگھل کر رستہ آسانی سے گزر کے لایق ہو جاے ہم لاہور میں مقیم تھے۔ مگر اب کل کو ہمارا کوچ ٹھہر چکا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دو روز ہو چکے ہیں* میں نے کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لایق خیمہ خرید لیا ہے۔ کیونکہ میرے دوستوں نے یہہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے خیمے کو جو بڑا اور بھاری ہے اب آگے نہ لیجانا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے پہاڑوں پر جہاں اُونٹ نہیں جا سکتے ہمارے تمام خیموں کیواسطے جگہہ ملنی بہت مشکل ہو گی اور چونکہ اِس صورت میں مجھکو اپنی باربرداری کیواسطے مزدور اور قلی درکار ہونگے تو اپنے پہلے خیمے کے ساتھ لیجانے کی

* عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ اُنیسویں رمضان سن ایکہزار بہتر ہجری کو لاہور سے کوچ ہوا تھا۔ ۱۲ مترجم

حالت میں بہت خرچ پڑتا- والسلام-

چوتھا خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوے چوتھی منزل پر لکھا گیا

راستہ کی سخت گرمی اور اُسکے سبب کا بیان-

صاحب من! مجھکو یہہ اُمید تھی کہ جیسی گرمی آبناے باب المندب کے قریب بمقام مخا میں اُٹھا چکا ہوں پھر آفتاب کی ایسی سوزاں شعاعیں روے زمین پر کسی جگہہ نہ پاؤنگا- لیکن چار روز ہوے یعنی جب سے کہ فوج نے لاہور سے کوچ کیا ہے وہ میری اُمید بالکل رخصت ہوگئی ہے - ہندوستانی لوگ جو اسی گرم مُلک کے باشندے ہیں جبکہ وہ بھی لاہور سے چلتے وقت یہہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تھے کہ بھمبر تک پہنچنے میں (جو کوہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ بارہ دن کا سفر ہے) بڑی ہی تکلیف اُٹھانی پڑیگی! تو اسکے سُننے سے مجھکو ایک تعجب ہوتا تھا- مگر اب تو فی الواقع یہہ میرا تعجب بالکل رفع ہوگیا ہے اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ گرمی کی شدت سے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی باور نکریگا کہ آج صبح کو جب میں اُٹھا تو مجھے بہت ہی تھوڑی اُمید تھی کہ آج کی دھوپ مجھکو زندہ چھوڑیگی-

یہہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث ہی ہے جو ہمارے راستے سے شمال کیطرف ہونے کی وجہ سے شمالی ٹھنڈی ہو-

فرحت بخش ہوا کے ہم تک پہنچنے کے مانع اور سدراہ ہیں! اور مزید برآں انہیں پہاڑوں کے سبب سے آفتاب کی سوزاں شعاعیں اس قطعہ ملک پر بہ سبیل انعکاس پڑکر تمام زمین کو خشک کر دیتی ہیں جس سے دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن یہہ شدید گرمی جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے اسکی نسبت ایسی فلسفیانہ رائیں لکھنا کیا ضرور ہے۔

پانچواں خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے چھٹی منزل سے لکھا گیا

دریاے چناب اور اسکے پانی کی عمدگی کا ذکر

صاحب من! کل میں ہندوستان کے ایک بڑے دریا سے جسکو "چناب" کہتے ہیں پار اترا اس دریا کے لطیف اور عمدہ پانی سے جسکو بڑے بڑے امرا بجاے گنگا کے پانی کے جو ابتک انکے ساتھ تھا اپنے اپنے خرچ کے لیے بھر رہے ہیں! مجھکو یہہ امید ہوتی ہے کہ اس دریا کا منبع جدھر کو ہم جا رہے ہیں ہمیں تحت الثریٰ کو نہیں لیجائیگا بلکہ فی الواقع کشمیر کیطرف رہبر ہوگا۔ جسکی بابت سب لوگ مجھکو تسلّی دے رہے ہیں کہ وہاں کی برف اور یخ کی سیر و تماشے سے تم خوش ہو جاؤ گے۔

ہر روز روز گذشتہ سے زیادہ ناقابل برداشت پیش آتا ہے اور جتنے ہم آگے بڑھتے ہیں اُتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

اگرچہ یہہ بات درست ہے کہ مینے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں جبکہ سب لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے تھے کشتی کے پل سے عبور کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ڈیرے میں گھسا بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے اپنی تکالیف میں کچھ کمی ہوجانے کی توقع تھی! اور مَیں نے جس مراد سے یہہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہوگیا! یعنی یہہ کہ ہم بلادقت و تشویش پل سے پار ہو گئے۔

جس پریشانی اور دقت سے اس دریا کا عبور کیا اُس کا ذکر۔

جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوے ہیں ایسی پریشانی اور چپقلش مَیں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاید میری ہوشیاری اور دوراندیشی ہی اس امر کا باعث ہوی کہ میں اس دریا پر کسی تہلکہ میں پڑ جانے سے بچ گیا۔ کیونکہ پل کے دونوں سروں کی سلامی چڑھنے اور اُترنیکے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھی جسکا سبب یہہ تھا کہ یہہ سلامی جسپر چڑھنا اور اُترنا امر ضروری ہے نرم مٹی اور ریت سے بنائی گئی تھی جو بیشمار جانوروں کے پانوؤں کے نیچے دریا کے زور کے مارے بہی جاتی تھی اور اسیوجہ سے بڑے بڑے گڈھے پڑ گئے تھے جنمیں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے اور لوگوں کے پانوؤں تلے کچلے جاتے تھے اور اسیطرح یہہ تھا کہ ہر طرف برابر دھکم دھکّا اور گھونسم گھانسا ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عموماً یہہ ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو اُمرا کے ہم رکاب ہوتے ہیں! اپنے آقا اور اُن کے اسباب وغیرہ کے پہنچانے کی

خاطر راستہ میں سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بیباکی سے ڈنڈے بازی کرتے ہیں! اس دریا پر ہمارے نوّاب کا بھی ایک اونٹ مع کوے کے تنور کے جو اسپر لدا ہوا تھا ضایع ہو گیا ہے۔ اور اب مجھکو یہہ فکر ہے کہ ہمیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی۔

چھٹا خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوے آٹھویں منزل سے لکھا گیا

گرمی کی شدت کے مارے جو حالت تھی اُس کا بیان۔

مشفق من! ایک یورپین شخص کا ایسی سخت گرمی کے تحمّل پر آمادہ ہو جانا اور ایسی ہولناک اور پر تعب منازل اور سفر کے مخاطروں میں پڑ جانا خود بخود اس سوال کا باعث ہوتا ہے کہ پھر کونسی چیز ہے کہ جسکے سبب سے کوئی شخص خواہی نخواہی ان مصبتوں کی برداشت کے لئے تیّار ہو جائے؟ افسوس کہ اسکا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے عجائبات کی دید کا شوق جو واجبی حد سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ شوق کیا ہے ایک سخت حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے چنانچہ اس سفر میں میری جان ایک مسلسل اور غیر منقطع خطر کی حالت میں پڑی ہوئی ہے اور کچھ امیّد ہے تو صرف یہہ ہے کہ شاید اس بُرائی میں کوئی بھلائی اور فائدہ بھی نکل آئے۔

جب میں لاہور میں تھا تو رات کو سایہ کے بغیر صحن چبوترے پر سونے کے باعث شبنم اور سردی کے سبب سے ایک سخت زکام اور درد اعضا میں مبتلا ہو گیا تھا (حالانکہ دہلی میں اسطرح پر سونے سے کچھ اندیشہ نہیں ہوتا) اور میری صحت حالت خرابی میں تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے تو آٹھ نو روز سے بشدت پسینہ آنیکے سبب سے تمام فاسد رطوبتیں جسم سے خارج ہو گئی ہیں اور میرا بھنا اور مرجھایا ہوا جسم گویا ایک چھلنی بنگیا ہے اور سیر بھر پانی جو میں ایک ہی دم میں چڑھا جاتا ہوں بدن کے روئیں روئیں بلکہ انگلیوں کے پوروں تک سے فوراً نکل پڑتا ہے چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آج دس گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا۔ مگر ہماری سب آفتوں اور مصیبتوں میں یہہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ جسقدر جی چاہے ہم اُسیقدر پانی بشرطیکہ صاف اور شیریں ہو بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔

ساتواں خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے دسویں منزل سے صبح کیوقت لکھا گیا

> گرمی کی شدت کے مارے اپنی زیست سے نا امید ہو جانا۔

صاحب من! آفتاب ابتک اچھی طرح نکلا بھی نہیں مگر اسپر بھی گرمی کا یہہ عالم ہے کہ اُٹھائی نہیں جاتی بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہہ حالت ہے کہ پتا تک نہیں ہلتا۔ میرے گھوڑے بالکل تھک گئے ہیں۔ کیونکہ جسدن سے لاہور چھوڑا ہے اِن

غریبوں نے ہری گھاس کا تنکا تک نہیں دیکھا ! میرے ہندوستانی نوکروں کو بھی باوجود اپنے کالے اور خشک اور سخت بدن کے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہمارے چہرے اور پانوں اور ہاتھوں کی جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سُرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کیطرح چُبھتے ہیں ! کل ہمارا ایک غریب سوار جسکے پاس ڈیرہ نتھا ایک درخت کے نیچے جسکے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا مُردہ ملا اور مجھے بھی ایسا ہی معلُوم ہوتا ہے کہ گویا آج دن ہی دن میں تمام ہو جاؤنگا ! اور میری ساری اُمیدیں یا تو اُن چار پانچ کاغذی نیبوؤں پر منحصر ہیں جو ابھی باقی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دہی پر جسکو میں پانی اور قند ملا کر ابھی پینے والا ہوں۔

لو اچھا خدا حافظ ! سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہوئی جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔

آٹھواں خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو مقام بھمبر سے جہاں سے کشمیر کے پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہوتی ہے لکھا گیا

بھمبر کیسی جگہ ہے اور وہاں سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور امرا کے نوبت بہ نوبت کوچ کرنے کا ذکر۔

صاحبِ من ! آخر کار ہم بھمبر میں آ پہنچے جو ایک اُونچے اور سیاہ اور جھلسے ہوئے پہاڑ

کے دامن میں ہے اور ہمارا خیمہ ایک خشک پہاڑی ندّی کے بہاؤ میں پتھریوں اور جلتی ہوئی ریت پر جسکو ٹھیک آگ کی بھٹی کہنا چاہیئے لگا ہوا ہے - اور اگر آج اتفاق سے ایک خوب مینہہ کا چھینٹا نہ پڑجاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار سے نیبو - دہی اور مُرغ وغیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اِس بیچارے وقایع نگار کا کیا حال ہو جاتا - لیکن خدا کا شکر ہے کہ بالفعل تو ہوا کسیقدر سرد ہو گئی ہے اور میری بھوک بھی کھل گئی ہے اور طاقت میں ترقی معلوم ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو میں نے اپنی بازیافتہ صحت سے کوئی کام لیا ہے تو وہ اِس خط ہی کا لکھنا ہے ! اب آیندہ آپ نئی نئی منزلوں اور تکلیفوں کے حالات سے ضرور مطلع کئے جا ئینگے -

کل رات کو بادشاہ نے اِس جگہہ کو جہاں دَم گھٹا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے اور اُسکے ہمراہ روشن آرا بیگم اور محل کی اور بیگمیں اور راجہ رگھنا تھ٭ جو وزیر کا کام کرتا ہے - اور فاضل خاں میر سامانِ اعلیٰ گئے ہیں ! اور شب گزشتہ کو بادشاہی میر شکار بھی مع کئی بڑے بڑے عہدہ داروں متعلقہ کارخانجات خاصہ شریفہ اور چند معزز خاتونوں کے روانہ ہو گیا ہے اور آج رات کو ہماری باری ہے - اور ہمارے گردہ میں ہمارے نوّاب دانشمند خاں کے کُنبے کے لوگوں کے سوا محمّد امین خاں خلف مشہور میر جملہ جسکا بہت

٭ اس بالیاقت بوڑھے ہندو وزیر نے اسی سفر میں انتقال کیا اور اسکے بعد جو بھی فاضل خاں وزیر ہوا وہ بھی صرف چند روز زندہ رہکر اسی سفر میں بمقام کشمیر چل بسا - س - ۳ - ح (از عالمگیر نامہ)

کچھ ذکر لکھا جاچکا ہے اور میرا معزز دوست دیانت خاں اور اُسکے دو بیٹے اور بہت سے اَور اُمرا اور راجے اور منصب دار شامل ہیں!

اَور اُمرا بھی جنہیں کشمیر چلنے کا حکم ہے اسیطرح نوبت بہ نوبت روانہ ہونگے تاکہ اس پانچ دن کے مشکل اور کوہستانی راستہ میں جو بھمبر اور کشمیر کے مابین ہے بے آرامی اور ابتری کم ہو جاے۔

بادشاہ کے واپس تشریف لانے تک بہت سے اُمرا کا حفاظت کے لئے بھمبر میں چھوڑے جانے کا ذکر مع تذکرہ بعض اور انتظاموں کے۔

باقی اہل دربار جیسے فدائی خاں۔ میر آتش (افسر اعلیٰ توپخانہ) اور تین چار بڑے بڑے راجے اور بہت سے اُمرا تین چار مہینے تک یعنی جب تک کہ گرمی کا موسم گزر جاے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں محافظت کیواسطے پہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اِسکے قرب وجوار میں مقیم رہینگے۔ جنمیں سے بعض تو اپنے ڈیرے دریاے چناب کے کنارے لگاوینگے اور بعض قریب اور گرد نواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جائینگے۔ اور باقی کو اسی بھمبر کی جلتی ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے پڑے رہنا ہوگا۔

بادشاہ کے ہمرکاب بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جائینگے تاکہ کشمیر کی چھوٹی سی ولایت میں رسد وغیرہ کی طرف سے وقّت عاید نہو بیگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونیں جائیں گی جو روشن آرا بیگم کی ہمدم اور سہیلیاں ہیں۔ یا وہ عورتیں جنکا ساتھ ہونا سرانجام خدمات کے لئے ضروری ہے! اُمرا اور فوج کے لوگ بھی جہانتک

ممکن ہے کم ہی ہونگے اور جن اُمرا کو ہمراہی کی اجازت ملی ہے اُنکے ساتھ اُن کے سواروں میں سے فیصدی پچیس۲۵ سوار سے زیادہ نہونگے لیکن جو ضروری ضروری عہدہ دار اُن کے ذاتی کارخانجات پر مقرر ہیں وہ بہرحال ساتھ جائینگے۔

اِن قاعدوں کی بجاآوری میں کوئی بہانہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ ایک امیر پہاڑ کے درے پر متعین کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی کو شمار کرتا ہے اور بموجب اپنے اختیارات کے منصب داروں کی بھیڑ کو جو کشمیر کی ٹھنڈی اور لطیف ہوا کے مشتاق ہیں اور اُن چھوٹے چھوٹے دُکان داروں اور اہل بازار کو جو صرف کھانے کمانے کی خاطر آتے ہیں درے میں داخل ہونے سے روکتا رہتا ہے۔

چند منتخب ہاتھی بھی زنانی سواریوں اور باربرداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہہ جانور بہت بھاری اور بڑے قد و قامت کے ہیں لیکن نہایت ہی جانچ کر قدم رکھتے ہیں اور راستہ کے مشکل اور خطرناک ہونے کی حالت میں اسطرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی جم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اُٹھاتے۔ بادشاہ کے ہمراہ کچھ خچریں بھی ہیں۔ لیکن اُونٹ جو بہت کارآمد ہیں نیچے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی سخت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے واسطے یہہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں اور اسلئے اُن کے عوض قُلی اور مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جیساکہ میں نے سُنا ہے

اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر میں جو قلی درکار تھے اُنکی تعداد اور اُجرت وغیرہ کا ذکر۔

کہ صرف اکیلے بادشاہ کے واسطے چھ ہزار مزدور مطلوب ہیں تو اس سے آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ کسقدر مزدور درکار ہونگے۔ چنانچہ مجھے اپنی ذات خاص کے واسطے تین مزدور بہم پہنچانے ضروریات سے ہیں باوجودیکہ میں نے اپنا بڑا خیمہ اور بہت سا اسباب لاہور میں چھوڑ دیا ہے اور ہر شخص نے بلکہ بڑے بڑے اُمرا اور خود بادشاہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پھر بھی حساب کیا گیا ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار مزدور بھمبر میں جمع ہو چکے ہیں جو کچھ تو کشمیر کے صوبہ دار اور قرب و جوار کے راجاؤں نے بھیجے ہیں اور کچھ اپنی مرضی سے مزدوری کرنے کو چلے آئے ہیں ! اور بادشاہ کے حکم سے شرح اُجرت یہہ قرار پائی ہے کہ سو امن یعنی پچاس سیر بوجھ کیواسطے پچیس روپے مزدوری دیجائے ! اور شمار کیا گیا ہے کہ کوئی تیس ہزار مزدور ہوقت مطلوب ہیں۔ اور جبکہ خیال کیا جائے کہ بادشاہ اور اُمرا اپنا اپنا اسباب اور سوداگر لوگ اپنی سب قسم کی رسد وغیرہ ایک مہینے پہلے سے برابر بھیجتے رہے ہیں تو مزدوروں کی یہہ تعداد نہایت ہی زیادہ ہے۔

مصنّف کا نواں خط بنام مانشیور دی مرویلیس جو ہندوستان کے بہشت یعنی کشمیر جنّت نظیر سے تین مہینے کے قیام کے بعد لکھا گیا

قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک جھیل ہونے کی روایت کی نسبت مصنف کی رائے

صاحب من ! کشمیر کے قدیم راجاؤں کی تاریخ

میں یوں مندرج ہے کہ یہہ تمام ملک اگلے زمانہ میں ایک بڑی جھیل تھا۔ جسکے پانی کو ایک بڈھے رشی نے جسکا نام کاشب تھا اپنی کرامات سے بارہ مُولا کے پہاڑ کو چیر کر نکال دیا۔

یہہ حال اُس کتاب میں مل سکتا ہے کہ جو جہانگیر کے حکم سے کشمیر کی قدیم تاریخوں کا خلاصہ کرکے فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور جسکا میں آج کل ترجمہ کر رہا ہوں۔ بیشک میرا دل بھی اسبات کے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ یہہ طبقہ کسی وقت پانی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ تھسلی* اور اَور ملکوں کی نسبت بھی ایسی ہی روایتیں چلی آتی ہیں۔ لیکن میں آسانی سے یہہ امر باور نہیں کر سکتا کہ یہہ شگاف کسی انسان کا کام ہے۔ کیونکہ یہہ پہاڑ جسمیں سے پانی کا گذر ہوا ہے بہت ہی لمبا چوڑا اور نہایت بلند ہے۔ بلکہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کسی قدرتی خلا میں جو سرنگ کیطرح پہاڑوں میں اکثر ہوتی ہیں کسی سخت بھونچال کے صدمہ سے جو اس ملک میں بہت ہی آتے رہتے ہیں دھس گیا ہے! اگر ہم اس نواح کے عربوں کے قول کا بھی اعتبار کرلیں تو ماننا پڑیگا کہ باب المندب بھی کسی زمانہ میں اسیطرح بنا تھا کہ تمام شہر اور پہاڑ ایک غار میں دھس کر بڑے بڑے تالاب اور جھیلیں بن گئیں۔

ولایت کشمیر کے عرض و طول کا بیان

بہرحال اب تو کشمیر جھیل نہیں ہے بلکہ ایک خوشنما ملک ہے جسمیں بہت سی متفرق پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں اور جسکا طول قریب

* ملک یونان کے ایک ضلع کا نام ہے۔ (س۔ م۔ ح) تھسلی۔ انگریزی میں Thessaly

تیس[۳] لیگ یعنی نوّے میل انگریزی کے ہے اور عرض وہاں بارہ[۱۲] لیگ

کشمیر کے موقع اور حدود کا بیان

ولایت کشمیر لاہور سے شمال کیطرف مُلک ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اُسکی سرحد پر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہ قاف سے نیچے چھوٹی اور بڑی تبّت کے بادشاہوں اور راجہ گومال کی عملداریوں میں ہیں۔

کشمیر کے پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے مالا مال ہونے کا ذکر

جو پہاڑ کشمیر کے گرداگرد اور بہت ہی نزدیک ہیں اُنکی بلندی اعتدال کے ساتھ ہے اور سرسبز درختوں سے آراستہ اور چراگاہوں سے مالا مال ہیں جن پر گائیں بھیڑیں بکریاں۔ گھوڑے۔ اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں۔

کشمیر میں سب قسم کے مویشی اور سب طرح کے شکار اور شہد کی مہالوں کی افراط کا ذکر

اور سب قسم کے شکار مثلاً تیتر۔ خرگوش اور سینگوں* والے ہرن اور کستورا ہرن بکثرت موجود ہیں اور شہد کی مُہالیں بھی بافراط ہیں۔

کشمیر میں ہر قسم کے موذی جانوروں کے کمیاب ہونیکا ذکر

اور برخلاف ہندوستان کے یہہ ایک عجیب اور نادر بات سمجھی جاسکتی ہے کہ یہاں موذی جانور مثلاً سانپ۔ ریچھ۔ شیر۔ چیتا وغیرہ کمیاب کیا بلکہ معدوم ہیں اور اِن اوصاف کے باعث اِن پہاڑوں کو صرف خوشنما اور بیضرر اور بیخلش ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا اُنمیں دودھ اور شہد کی

---

* فرنگستان میں سینگ والے ہرن کم ہوتے ہیں اسلئے مصنف نے ہرن کے لفظ کے ساتھ سینگوں والے کا لفظ لکھا ہے۔ ۱۲ مں۔ م۔ ح ۔ لا گرم وتّم ال

نہریں افراط کے ساتھ جاری ہیں۔ ان پہاڑوں سے پرلی طرف اور بڑے بڑے عظیم الشان پہاڑوں کی بلندیاں نظر آتی ہیں جنکی برف سے ڈھکی ہوئی سفید سفید چوٹیاں معمولی ابر اور بادلوں سے ہمیشہ زیادہ بلند اونچی اور کوہ اُولیمپس* کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں۔

کشمیر کے چشموں اور دریا کا بیان

ان سب پہاڑوں میں سے بیشمار چشمے اور نالے بڑے زور شور سے جاری ہیں جو بعض عملی ذریعوں سے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر بھی جو اس وادی میں ہیں پہنچا دیجاتی ہیں۔ اور اسطرح سے لوگ اپنے دھانوں کے کھیت بخوبی سینچ سکتے ہیں! اور یہہ سب پانی اس دلچسپ ملک میں ہزاروں چشمے اور آبشاریں بنکر آخر کار خوبصورت اور کشتیوں کے چلنے کے لایق ایک ایسا دریا بن جاتا ہے جیسا ہمارے ملک فرانس میں دریائے سین"

* یہہ پہاڑ یونان کے صوبہ تھسلی اور میسی ڈونیا (مقدونیا) کے مابین سرحدی خط پر واقع ہے اور مقدونیا کے میدان سے جو اسکے شمال میں اور خوشنما وادی ٹمپ سے جو اس کے جنوب میں ہے نو ہزار سات سو چون فٹ اونچا اور آس پاس کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے۔ اور شاہ بلوط اور آخروٹ وغیرہ درختوں کے جنگلوں سے لدا ہوا ہے۔ اسکا چٹان دار جسم کچھ آگے بڑھکر بہت سی چوڑی چوڑی کھوؤں میں منقسم ہوگیا ہے اور اسکی چوڑی چوٹی برف کی سفید اور چمکدار چادر اوڑھے ہوئے گویا آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اولیمپس کے اس عظم و شان کی وجہ سے قدیم یونانیوں نے اسکو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کیا تھا اور انکا یہہ اعتقاد تھا کہ انکا دیوتا جوو جو جوپی ٹر یعنی **مشتری** کا دوسرا نام ہے۔ اور جسکو اہل ہند کے معتقدات کے لحاظ سے اسجگہہ تمثیلاً اندر کہنا چاہیئے اسی پہاڑ پر بیٹھکر آسمان کو گرجنے والے بادلوں سے پُر کرتا اور اپنی تجلّی کے آتشیں تیروں کو اِدھر اُدھر پھینکتا تھا اور وہ اپنے محل میں جسکو **ولکن** نے (جو یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنے زیر زمین کی آگ اور دھاتوں کا دیوتا تھا) اُسکے لئے یہاں بنایا تھا تمام

1 Olympus (۱ اول ے م پ س)(2 Soine (۲ س ی ن)(3 Thessaly)(4 mecidonia
5 Tempe (۵ ٹ ے م پ)(6 Jore (۶ ج وو)(7 Jupiter (۷ ج و پ ی ٹ ر)(8 vilcan

ہے۔ یہہ دریا تدریج اور آہستگی کے ساتھ اِسٹمک کے گرد اگرد پیچ کھاتا اور یہاں کے شہر پایۂ تخت میں سے ہوکر چپ چاپ بارہ مولا کیطرف خم کھاتا ہوا نکل گیا ہے جہاں اُسکو دو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخرج ملتا ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندّیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک بہت سیدھی ڈھال پر گر کر شہر اٹک کے نزدیک دریائے اباسین سے آملتا ہے۔

کشمیر کی سرسبزی اور کھیتیوں اور ترکاریوں اور میووں کا بیان

بیشمار نہریں اور آبشاریں جو پہاڑوں سے جاری ہیں وہ اس وادی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں اور تمام مُلک سرسبز اور سیر حاصل اور ایک پھولا پھلا باغ معلوم ہوتا ہے اور اس خوشنما اور دلکش سرسبزی کے اندر کہیں تو گانو اور مزرعے دکھائی دیتے ہیں۔ اور کہیں ہری بھری چراگاہیں اور انگور دھان گیہوں سن زعفران اور ترکاریوں کے کھیت جنمیں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور کولیں اور کسی جگہہ آبشاریں اور چشمے جو ایک عجیب اور

بقیہ حاشیہ دیوتاؤں کو جمع کرکے بیٹھا اور جگ رچا کرتا تھا اور ایک راستہ سے جو اس آسمانی محل کے دھاتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جسکے دروازہ پر نہایت گاڑھے بادل تختوں کا کام دیتے تھے جب چاہتا تھا اس جہان سے اُس طرف چلا جایا کرتا تھا۔ یونان کے قدیم شاعروں نے اس پہاڑ کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اب بھی اپنے سرسبز اور ہرے بھرے سایہ دار جنگلوں اور اپنی دھاروں اور کھوؤں اور سفید سفید چمکیلی چوٹیوں کے سبب سے ایسا ہی قابل تعریف ہے فقط ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ۱۲ س م ح

دلفریب کیفیت دکھاتے ہیں۔ اور زمین کا تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودھوں سے مینا کار نظر آتا ہے۔ اور ہمارے ملک کے میووں سیب ناشپاتی الوچہ خوبانی اور اخروٹ کے درختوں سے جنمیں بیشمار پھل لگے ہوے ہیں لدا ہوا ہے! خربوزہ تربوز اور اَور ہمارے دیس کی اکثر ترکاریاں مثل چقندر وغیرہ اور ساگ پات اور نباتات جنسے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے عام کھیتوں اور باغچوں میں بکثرت ہیں۔

کشمیر کے میووں کے فرنگستاں کے میووں سے خوبی میں کم ہونے کی وجہ

یہاں کے پھل ہمارے ملک کے میووں سے خوبی میں بلا شک کم ہیں اور نہ اُتنی قسم ہی کے ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہہ یہاں کی زمین کا قصور نہیں ہے بلکہ اِسکا باعث کاشتکاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل فرانس کیطرح فن زراعت اور درختوں کو پیوند وغیرہ کرنیکے ہنر سے ماہر نہیں ہیں۔ بہرحال مینے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میوے بکثرت کھاے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ درختوں کی حالت کو ترقی دیں اور اُنمیں غیر ملکوں کے درختوں کے پیوند لگانے کی نسبت ذرا توجہ کریں تو یہاں کے میوے فرنگستان کے میووں کی خوبی کو پہنچ سکتے ہیں۔

شہر کشمیر اور اسکی جھیل یعنی ڈل کا بیان۔

ملک کشمیر کے پاے تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور اُسکے گرد کوئی شہر پناہ نہیں ہے اِس کا

طول دو میل سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑھ میل! شہر کشمیر ایک میدان میں واقع ہے جسکا فاصلہ پہاڑوں سے قریب چھ میل کے ہے۔ اور یہہ پہاڑ بصورت نصف دائرہ کے نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک شیریں اور خوشگوار پانی کے "ڈل" کے کنارے جسکا محیط بارہ ۱۲ یا پندرہ ۱۵ میل سے کم نہ ہوگا آباد ہے۔ یہہ ڈل اُن چشموں اور نالوں سے بنگیا ہے جو پہاڑوں سے آکر گرتے ہیں! اور اس کا پانی بذریعہ ایک نہر کے جس میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اُس دریا میں جاملتا ہے جو شہر کے بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اس دریا پر لکڑی کے دو پل بنے ہوئے ہیں اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں لیکن خوبصورت اور دو منزلے اور سہ منزلے ہیں۔

عمارات کے لئے اہل کشمیر کے لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب

اگرچہ اس مُلک میں ایک نہایت نفیس ریگ دار* پتھر بافراط موجود ہے اور چند پُرانی عمارتیں اور ہندوؤں کے بہت سے پُرانے مندر جو یہاں کے کھنڈروں میں موجود ہیں پتھر ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ لکڑی کو پتھر پر اسواسطے ترجیح دیتے ہیں کہ ایک تو ارزاں ہے دوسرے یہہ پہاڑوں سے بذریعہ ان بیشمار ندی نالوں کے بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

دریا کے کنارے کے مکانات اور باغچوں کا ذکر

اکثر مکانات میں جو دریا کے دونوں کنارے بنتے چلے گئے ہیں نہایت خوشنما چھوٹے چھوٹے

* اصل کتاب میں لفظ فری سٹون ہے Free Stone ۱۲ س م ح [ریگ دار]

باغیچے ہیں بخصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جبکہ عیش و نشاط کے بہت سے جلسے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت دکھلاتے ہیں۔

تفریحی کشتیوں کا ذکر

اس شہر کے اکثر مکانوں میں بھی باغ اور ایسی نہریں ہیں جنمیں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ اور مالک مکان جب چاہتے ہیں سوار ہو کر ڈل کی سیر کرتے ہیں۔

ہری پربت اور اس کے مکانوں اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی اور خوشنمائی کا ذکر

شہر کے پرلے سرے پر ایک ایسا ٹیلا نظر آتا ہے جو بالکل الگ ہے اور اسکی ڈھالوں پر بھی خوبصورت مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ ایک ایک باغ ہے اور اسکی چوٹی کیطرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جسکے ساتھ عابدوں اور گوشہ نشینوں کے لیئے عمدہ عمدہ حجرے بنے ہوئے ہیں! اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور ان سب چیزوں کا مجموعہ ایک نہایت ہی دلچسپ منظر ہے۔ اور ان سبز درختوں اور باغوں کی وجہ سے اسجگہہ کا نام اس ملک کی زبان میں ہری پربت ہے یعنی سرسبز پہاڑ*۔

* یہ وجہ تسمیہ خلاف محاورہ ہونے کی وجہ سے غلط ہے کیونکہ سرسبز پہاڑ کو ہری پربت نہیں کہہ سکتے بلکہ ہرا پربت کہنا چاہیئے۔ اور وہ وجہ تسمیہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو دیوان [illegible] صاحب آنجہانی دیوان ریاست جموں و کشمیر مولف تاریخ موسوم بہ گلزار کشمیر نے [illegible] مطبوعہ سنہ ۱۸۷۰ء اٹھارہ سو ستر میں لکھی ہے یعنی یہ کہ چونکہ کشمیری زبان میں [illegible] لکھتے ہیں جو ایک معروف جانور ہے پس اس پہاڑ پر شاریکا دیوی کے مندر کے ہونے کی وجہ سے اسکا یہ نام مشہور ہو گیا ہے۔ اور صحیح نام ہاری پربت ہے ۱۲ م م ح

پہاڑ معروف تخت سلیمان کا ذکر

اس پہاڑ کے مقابل ایک اور پہاڑ نظر آتا ہے اور اسپر بھی ایک چھوٹی سی مسجد تا باغ کے بنی ہوئی ہے۔ ! اور ایک اور نہایت ہی قدیم عمارت موجود ہے جو ظاہری علامتوں سے ہندوؤں کا مندر معلوم ہوتی ہے اگرچہ اسکا نام تخت سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانونکا یہہ ادّعا ہے کہ حضرت سلیمان نے بموقع سیر کشمیر اسکو تعمیر کیا تھا لیکن مجھے شبہ ہے کہ اس مشہور بادشاہ* نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس ملک کو مشرف کیا ہو۔ اور میری راے میں یہہ لوگ اس کا کوئی ثبوت نہیں دیسکتے۔

کشمیر کے ڈل کے نہایت سرسبز ٹاپوونکا ذکر

کشمیر کے ڈل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش فضا ٹاپو ہیں جو پانی کے اندر بالکل سرسبز اور نہایت ہی خوبصورت اور میوہ دار درختوں سے لدے ہوے نظر آتے ہیں اور اُن میں نہایت خوش اسلوبی سے بہت سی روشیں بنائی ہوئی ہیں جن پر عموماً دونوں جانب سے سفیدے کے درخت جو دو دو قدم کے فاصلہ سے لگاے ہوے ہیں اور جنکے پتی بڑے بڑے ہوتے ہیں اپنا سایہ ڈالے ہوے ہیں۔ ان درختونکا موٹاپا اگرچہ اسقدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کولی میں آسکتا ہے مگر اُنچائی میں جہاز کے مستول کی برابر ہیں اور اُنکی چوٹی پر کھجور کیطرح ڈالیوں اور پتوں کی چھتری ہے۔

ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں اُنکے منظر کی خوشنمائی اور خوبی آب و ہوا کا ذکر

جو پہاڑ ڈل کے پرلی طرف ہیں اُنکی ڈھلانوں پر

---

* عیسائی اگرچہ حضرت سلیمان کے مُلہَم اور صاحب وحی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کیطرح اُن کو پیغمبر نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی دانا اور عاقل بادشاہ کہتے ہیں۔ ۱۲ س م ح

بیشمار گنجان مکانات اور پھلواڑی کے باغیچے بنے ہوئے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش سمجھی جاتی ہے اور موقع نہایت خوشنما اور دلچسپ ہے اور جا بجا چشمے اور کولیں جاری ہیں! اور یہاں سے ڈل اور اُسکے ٹاپوؤں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔

شالامار باغ کا بیان

ان سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شالامار* ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اسمیں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی وسیع نہر میں کو ہے جسکے دونوں کناروں پر گھاس جمائی ہوئی ہے اور چنار کے درخت برابر دو رویہ نصب ہیں اور جسکا طول پانسو قدم کا ہے

※ ٹیک چند بہار نے اس کا نام شالامار لکھا ہے اور اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شالا اور مار سے مرکب ہے جو بمعنی خانہ اور قوت شہوی کے ہے اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہو گیا ہے اور اسکی سند میں مرزا عبد الغنی قبول کا یہہ شعر لایا ہے ؎ ز باغ زلف و رخ یار داده ہست ز بانم اگر بنبل همیشه کم ز شالامار نباشد۔ لیکن ان معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے کیونکہ شاعر نے اس لفظ کو باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہرا یہہ ترکیب قواعد زبان سنسکرت کے بالکل خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر یہہ لفظ ہندی ہوتا تو مار شالا ہونا چاہیے تھا۔ جیسے دھرم شالا۔ پاٹ شالا۔ گؤ شالا وغیرہ! اصل یہہ ہے کہ یہہ صرف اسیجگہہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرھویں سال جلوس میں شاہجہاں نے باپ کی فرمایش سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیہ کی مناسبت سے اسکا نام شالامار رکھا گیا تھا۔ جسکو شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدل کر فرح بخش نام رکھا چنانچہ تزک جہانگیری اور شاہجہاں نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپا رام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے مشہور مصنف ہوئے ہیں شاہجہاں کا ایک فرمان نقل کیا ہے اُسکے ایک فقرہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ فقرہ یہہ ہے "و باغ فرح بخش کہ واقع ہست در موضع معروف شالامار بدولت و اقبال در ایام شاہزادگی احداث فرمودہ بودیم" ، ص-م-ج

اور اسی میں سے ہوکر ایک ایسے مکان* میں جو بالتخصیص گرمی کے موسم کے
لیے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتی ہیں۔ اس نہر کے
علاوہ ایک اور نہر جو اس سے بھی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دوسرے
مکان میں جو باغ کے دوسرے سرے پر ہے پہنچائی ہے! اس
دوسری نہر میں بڑے بڑے رنگتے قسم کے پتھروں کا فرش ہے اور
اُسکے ڈھلواں کنارے بھی اسی پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ اس نہر کے
وسط میں ایک بڑی قطار فواروں کی ہے جنکے باہم پندرہ پندرہ قدم کا فاصلہ
ہے اور اُن کے علاوہ ادھر اُدھر بڑے بڑے گول حوض ہیں جنمیں
مختلف شکل وصورت کے فوارے چھوٹتے ہیں۔ یہہ مکان چونکہ مذکورہ بالا
نہروں کے وسط میں واقع ہیں اس لیے اُن کے ارد گرد پانی پھرتا رہتا ہے
اور اُن کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے بڑے درختوں
کی لگی ہوئی ہیں! یہہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گرداگرد غلام گردش
ہے اور اُن کے دروازے جو چار چار ہیں انمیں سے ایک ایک دروازہ تو
دونوں طرف نہر پر کھلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے اُن پلوں
کے رُخ کو جن پرسے ہوکر انمیں سے کنارے کی زمین پر پہنچ سکتے ہیں۔
ان میں سے ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا کمرہ اور چاروں کونوں پر چار
چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جنمیں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور منقش
کام بنا ہوا ہے اور سب کمروں کی دیواروں پر کچھ کچھ فقرات وغیرہ نہایت

* اصل کتاب میں لفظ سمر ہوس ہے (سَمَر ہَوْس) Summer House م م ح

خوشخط فارسی قلم میں لکھے ہوئے ہیں! ان کے چاروں دروازے نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے عجیب و نایاب بڑے بڑے قطعات کے بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو اس میں خوشنما ہیں قائم ہے۔ یہہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر کے تھے جسکو شاہجہان نے ڈھا دیا تھا اور اس وجہ سے انکی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میں اس پتھر کی ذات اور قسم کی بابت کچھ بیان نہیں کر سکتا لیکن عقیق اور سب قسم کے سنگ مرمر سے کہیں بڑھکر ہے

کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے

مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا کہ میں کشمیر پر فریفتہ ہو گیا ہوں مگر حقیقت یہہ ہے کہ اسکی سیر سے پہلے اسکی خوبصورتی اور خوشنمائی کی نسبت جسقدر اعلی سے اعلی میرے تخیلات اور تصورات تھے اُن سب سے یہہ سبقت اور فوقیت رکھتا ہے اور غالباً تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جسکا طول و عرض اتنا ہی ہو اسکی خوبیوں کو نہیں پہنچتا! اور حق یہہ ہے کہ ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے کیونکہ اگلے زمانہ میں یہہ انجو بہ روزگار بڑے بڑے اولوالعزم راجاؤنکا تخت گاہ تھا۔ اور تمام گرد نواح کے کوہستان بلکہ تاتار اور کل ہندوستان جزیرہ سراندیب تک اسکی حکومت میں داخل تھا اور یہہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں ہے کہ سلاطین مغلیہ اسکو بہشت ہند (یعنی کشمیر جنت نظیر) کہتے ہیں اور کچھ تعجب نہیں ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اس ملک کی خاطر علی الاتصال ایسا سرگرم رہا کہ اُسنے یہہ ملک وہاں کے فرمانرواؤں کے ہاتھ سے کسی کسی

طرح آخر چھین ہی لیا - اور اُسکا بیٹا جہانگیر تو اِس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لٹو ہوگیا تھا کہ اُسنے کشمیر کو اپنا دل پسند آرام گاہ ہی مقرر کر لیا تھا - اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اِس عظیم الشان سلطنت کا سارا مُلک اگر ہاتھ سے نکل جاوے تو اتنا رنج نہ ہو جتنا کہ کشمیر کا -

ایک مشاعرہ کا ذکر جو کشمیر کی تعریف و توصیف کے باب میں ہوا تھا -

ایک مشاعرہ جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ شعرا کشمیر اور بادشاہی شاعروں کے باہم ہوا تھا مینے بڑے شوق سے اُسے دیکھا تھا یعنی ہمارے کشمیر پہنچتے ہی اورنگ زیب کے حضور میں شعرا مذکور نے کشمیر کی تعریف و توصیف میں قصائد پیش کئے جنکو بادشاہ نے قبول فرماکر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرماے ! اِن قصائد میں حد سے بڑھکر غلو اور مبالغے کئے گئے تھے - اور مجھکو یاد ہے کہ ایک شاعر نے کشمیر کے گرداگرد کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان کیا تھا کہ "اُن کی عجیب بلندی ہی نے اِن آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اِس مقدس شکل کا بنا دیا ہے" ! اور یہہ کہ "خالق کائنات اپنی تمام حکمت اور خوبی ایجاد و صنعت کو اِس مُلک کے پیدا کرنے پر ختم اور خرچ کر چکا اور خالق مُطلق نے پہاڑوں کا یہہ حصار بنا کر اِس مُلک کو دشمن کی فوج کے حملہ سے محفوظ اور مامون فرمایا اور چونکہ ولایت کشمیر تمام روے زمین کے مُلکوں کی ملکہ ہے اِسلئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ اپنی کامل امنیت اور چین چان کی حالت میں بغیر کسی اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کرسکے" شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ "جو پہاڑ ذرا دور اور بہت اونچے ہیں اُنکی چوٹیاں سفید اور چمک دار پوشاک سے

آراستہ کی گئی ہیں - اور جو چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمکدار ہرے بھرے درختوں سے سجائے گئے ہیں اور یہہ اسلئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملکہ کے سر پر ایسا ہی تاج زیبا ہے جسکے کلغی کے ہیروں کی کرنیں زمرد میں نمودار ہوں" ! جب ہمارے نواب صاحب نے اِس شاعر کے اِن نتایج طبع کو میری تفریح خاطر کے لئے مجھے دکھلایا تو مینے کہا کہ "یہہ شاعر اگر اپنے مضمون کو یہانتک اَور بڑھا دیتا کہ کوہستان اور ممالک قرب وجوار کو (جنسے چھوٹی تبت اور ریاست راجہ گوماں اور کاشغر اور سری نگر* مراد ہے) سرحد کشمیر میں داخل کر دیتا (کیونکہ اکثر ادعا کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہہ ملک کشمیر کے باج گزار تھے) اور اِس سے بھی بڑھکر اگر وہ یہہ کہتا کہ دریاے گنگا اور سندہ اور چناب اور جمنا (جو خوبی اور عظمت میں دریاے جیحوں وغیرہ سے جنکا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں ہیں) مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں تو کچھ مضایقہ تھا اور اسی بنیاد پر وہ یہہ بھی کہہ سکتا تھا کہ باغ عدن بھی کشمیر ہی میں لگایا گیا تھا نہ کہ آرمینیا میں جیسا کہ لوگوں کا عقیدہ ہے [۵۱]

کشمیریوں کے ذہن وذکا اور ہنر وفن کا ذکر-

کشمیری لوگ لطافت وظرافت میں مشہور ہیں اور بہ نسبت اور ہندوستانیوں کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں- اور شاعری اور فضائل علمیہ میں بھی ایرانیوں

---

* یہاں وہ سری نگر مراد ہے جہاں سلیمان شکوہ نے پناہ لی تھی- ۱۲ س- م- ح

[۵۱] مترجم کہتا ہے کہ شاعر کا یہہ شعر کہ- اگر فردوس بر روے زمین است * ہمین است و ہمین است و ہمین است * کشمیر کے خوب حسب حال ہے

سے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہہ لوگ محنتی اور چست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور انکی کاریگری خوبصورت اشیا کے بنانے میں جیسے پالکی پلنگ کے پائے صندوق صندوقچے قلمدان چمچے وغیرہ فی الواقع قابل تعریف ہے۔ اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں بکتی جاتی ہیں۔ وہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جما کر ہر ایک قسم کی لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہو بہو نقل اُتارتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی

کشمیری شال کا ذکر

لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہے اور جسنے خاصکر وہاں کی سوداگری کو چمکا اور کشمیر کو دولت سے مالامال کر رکھا ہے وہ شال* ہے جسکو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں۔ اور جسکی کثرت کے باعث اُنکے چھوٹے چھوٹے بچوں تک بھی بے شغل نہیں رہتے ان شالوں کا طول قریب ڈیڑھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اُسکے دونوں پلّوں پر بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اڈّے پر جسکا عرض قریب ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بنائے جاتے ہیں مغل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب ان شالوں کو جاڑوں میں بطور

---

* آجکل کے زمانہ میں انگریزی سادی کپڑوں کے رواج پا جانے کے سبب سے ہندوستان میں عموماً شال کی پوشش بہت کم ہوگئی ہے اور اگرچہ اب سے دس پندرہ برس پیشتر کشمیر کی عمدہ شالیں فرانس کو بکثرت جاتی تھیں۔ لیکن اب وہاں بھی بعض انقلابوں کی وجہ سے اُسکی مانگ بہت کم ہوگئی ہے جس سے کشمیر کے بیچارے شالباف بہت مفلس ہو گئے ہیں ۱۲ س۔ م۔ ح

رضائی کے سر سے اوڑھ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنی جسم پر ڈالے رہتے ہیں! شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری اُون کی جو ملک اسپین کی پشم سے زیادہ نفیس اور ملائم ہوتی ہے دوسری اُس پشم کی جسکو توز کہا جاتا ہے اور جسکی ملائمت اور نفاست کو بیور یعنی سگ آبی کی پوستین بھی نہیں پہنچتی اور بڑی تبت میں ایک قسم کی جنگلی بکریوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے۔

کشمیری اُون کے ریزے سے توز کی شالیں زیادہ تر عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو اُمرا کے واسطے فرمائشی تیار ہوی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آئی تھی اور کشمیری اُون کی شال میں نے کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتی نہیں سُنی[۵۵]

شال کو اگر کئی مرتبہ کھول کر ہوا نہ دیجاے تو بہت جلد کیڑا لگ جاتا ہے ہر چند پٹنہ آگرہ اور لاہور میں ایسی شالیں بنانیکے واسطے بڑی بڑی کوشش

---

[۵۴] ایک کشمیری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ تبت کی طرف سے جو پشم آتی ہے اُسکو تبتی لوگ توسا کہتے ہیں جسکو اصل کتاب کے مصنف یا غالباً مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق حرف زے یعنی زے کے ساتھ لکھدیا ہے۔ ۱۲ س م ح (توز) (ٹ و ز)

[۵۵] ہمارے اس زمانہ میں تین چار سو روپیہ سے کم قیمت کی شال امیرانہ پوشش کے لایق نہیں سمجھی جاتی اور فرمائشی شالیں تو ایکہزار سے لیکر دو ڈھائی ہزار روپیہ کی قیمت کی بھی بن سکتی ہیں مگر نہایت معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے لیکر سات آٹھ سو تک ہی۔ پس اسوقت اور اُسوقت کی قیمت میں جسکا ذکر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہہ ہو کہ اُسوقت ایسا عمدہ اور باریک کام نہ بنتا ہوگا یا یہہ سبب ہو کہ اُسوقت کی نسبت چاندی کی قیمت متناسبہ کم ہوگئی ہے ۱۲۔ س م ح [* س پ ے ن Spain] [† ٹ و س ا] +Bearer

عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی ملائمت اور بافت کی خوبی نصیب ہوئی۔ اور شاید یہہ اُس مُلک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جسکے باعث کشمیری ریزے کو یہہ بے نظیر نفاست حاصل ہے۔ چنانچہ مچھلی پٹن کی چھینٹوں وغیرہ کی اعلیٰ رنگت کو بھی جنکو ہاتھ سے چھاپتے ہیں اور جو ہر شوب میں عمدہ ہی نکلتی آتی ہیں وہاں کے پانی ہی کی خاصیت سے منسوب کرتے ہیں۔

اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان

کشمیری لوگ خوبصورتی اور صباحت کے لیے اہل فرنگ کیطرح ضرب المثل ہیں اور نہ تو تاتاریوں کیطرح اُنکی ناک چپٹی ہوتی ہو اور نہ سُور کی سی بدنما چھوٹی آنکھیں! جو اہل کاشغر اور اکثر بڑی تبت کے رہنے والوں کی علامت ہے۔ خصوصاً عورتیں بہت ہی حسین ہوتی ہیں اور قریباً ہر شخص جو اوّل ہی اوّل سلطنت مُغلیہ میں آکر اُمراء دربار کی ذیل میں داخل ہوتا ہے اسی مُلک سے اپنے لیئے بیوی یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اُسکی اولاد بہ نسبت ہندوستانیوں کے زیادہ گوری ہو اور اصل مغلوں میں محسوب ہو سکے۔ اور جبکہ بازاریں اور دُکانوں پر ادنے اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے قیاس کی رو سے اونچے گھرانوں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ بھی شک نہیں ہے

مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک کر سے حسین مستورات کو دیکھنا

قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کی خاطر میں بھی اُسی طور کا ذرا سا مکر عمل میں لایا تھا جیسے کہ مُغل لوگ اکثر تاک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ

بہ نسبت تمام ہندوستان کے اُس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ اور فی الواقع نزاکت اور لطافتِ اندام میں انکی شہرت بجا ہے۔ چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہولیا خصوصاً ایک ایسی ہاتھی کے پیچھے جس پر جھول اور سامان ازبس مکلّف پڑا ہوا تھا اور اِس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ جس نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہوجائیگا کیونکہ وہاں کی مستورات اُن نقرئی گھنٹوں کی آواز سُنتے ہی جو ہاتھی کے دونوں طرف لٹکائے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر باہر نکال کر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

پھر ایک اور مکر اختیار کرنا

پہلے پہل کشمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلاتا رہا مگر آخر کار جب اِس سے بھی زیادہ ایک اور عمدہ طریق ان کے دیکھنے کا اُس شہر کے ایک مشہور بڈھے مُلّا نے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا کرتا تھا مجھے سکھلایا تو مینے اپنے مدعا کے حصول کے لئے اُسپر عمل کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کر میں اُسکے ساتھ پندرہ سولہ گھروں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جاسکتا تھا پھر گیا۔ ان سب گھروں میں مجھے اُسنے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابھی ایران سے آیا ہے اور بڑا متمول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے اور جونہی ہم کسی گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً لڑکے بالوں کو شیرینی تقسیم کرنے لگ جاتا تھا اور اس حکمت سے اُس گھر کی سب عورتیں کیا بیاہی کیا کنواری کیا بڈھی کیا جوان نہ صرف مٹھائی لینے کی خاطر بلکہ اس مُراد سے بھی کہ میں اُنکو دیکھ لوں میرے

گرد جمع ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ اِس شوق کے پورا کرنے میں میرا بہت سا روپیہ خرچ ہوا مگر اس تدبیر سے مجھے کچھ شک باقی نہ رہا کہ حقیقتاً کشمیر میں ویسا ہی حسن ہے جیسا کہ تمام فرنگستان میں۔

بھمبر سے کشمیر تک کوہستانی راستے اور عجائبات قدرت کا بیان۔

اب مجھکو صرف اُس سفر کی کیفیت لکھنی رکھی ہے جو بھمبر سے کشمیر تک کوہستان کے اندر مجھے کرنا پڑا اور بے مجھے اپنے اِس خط کے شروع ہی میں لکھنا چاہیے تھا۔ اِس کیفیت میں کچھ حقایق تو ایسے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب وجوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع تحقیق کرکے بہم پہنچائے ہیں! بس اب بھمبر سے راستہ کا حال سُنئے کہ جو نہیں ہم اُس ہولناک دیوار عالم کی دوسری جانب پہنچے جس سے میری مُراد بھمبر کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سے خالی سیاہ پہاڑ ہے تو ہمکو ایک صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ملی اور میں پہلی ہی رات کو اپنے تئیں منطقۂ حارّہ سے منطقۂ معتدلہ میں پاکر متعجب ہوا اور ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان سے فرنگستان میں پہنچ گیا ہوں جن پہاڑوں میں سے ہوکر ہمارا گُزر ہوا وہ ہر قسم کے فرنگستانی درختوں اور جھاڑیوں سے سبز ہو رہے تھے مگر اُن میں زوفا زیرہ اور ضَیمُران* اور روز میری قسم کا گلاب نہ تھا۔ اور گویا میں اپنے تئیں آورن# کے

* ضَیمُران ایک قسم ناز بو کی ہے۔ س۔م۔ح

فرانس کے ایک ضلع کا نام ہے۔ س۔م۔ح

† Rosemary

Auvergne

پہاڑوں میں پایا تھا جنمیں صنوبر۔ بلوط وغیرہ کے درخت کثرت سے ہیں اور اس سیرگاہ اور ہندوستان کے جلتے بلتے میدانوں میں جنکو ہم ابھی چھوڑ کر آئے تھے اور جہاں کوئی شے بھی اس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی ایک نہایت بیّن فرق معلوم ہوتا تھا۔ اور میری توجّہ خصوصاً اُس پہاڑ کیطرف تھی جو کوہ بھمبر سے دو دن کی مسافت پر تھا اور جسکی دونوں طرفیں مختلف طور کے درختوں سے لدی ہوی تھیں یعنی جو طرف جنوب رویہ اور ہندوستان کی جانب ہے اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں قسم کے اشجار کھڑے ہیں اور دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف فرنگستانی درختوں اور نباتات سے بھری ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف پر تو ہندوستان اور فرنگستان دونوں کی ہوا اور طبیعت برابر ملی جلی ہے اور دوسری جانب (باعتبار زیادہ اعتدال کے) صرف فرنگستان کی سی آب وہوا ہے۔ ! راستہ میں مَیں اسحال کو دیکھکر بھی نہایت متعجّب ہوا کہ ادھر تو بیشمار درخت کھوہوں اور غاروں میں جہاں انسان کو کبھی جانے کی بھی جراٴت نہیں ہوتی نیچے اوپر پڑے ہوی سڑگل کر خاک ہورہے ہیں اور اُدھر اسیطرح بیحد درخت اور نئے نئے پودے اُنکی قائم مقامی اختیار کرنیکے لئے بڑی خوشنمائی سے سرسبزی اور شادابی کی حالت میں لہلہا رہے ہیں ! میں نے بعض جگہہ جلے ہوی درخت بھی دیکھے مگر میں یہہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن پر بجلی گری تھی یا ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنے سے جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز وتند ہوا کے چلنے سے

درختوں میں یہ حالت اکثر واقع ہو جاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق خشک اور پرانے ہو کر اُن میں خود بخود آگ لگ اُٹھتی تھی

ایک عجیب آبشار جسکے قریب جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک عالیشان عمارت ہے

خوشنما آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے مابین اکثر بڑے زور و شور سے گرتی ہیں خوبی اور لُطف سیر کو نہایت ہی بڑھا دیا ہے۔ خصوصاً ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے ہمنے اسکو ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر کچھ فاصلہ سے دیکھا کہ پانی کا ایک سیلاب ایک لمبے اور تاریک راستہ سے جو برابر درختوں سے ڈھکا ہوا ہے آکر بڑی تیزی کے ساتھ دفعتاً ایک بڑی سیدھی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ کان سُن ہو جاتے ہیں بادشاہ جہانگیر نے اس آبشار کے متصل ایک پہاڑ کو ہموار کرا کر اُسپر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرا دی ہے تاکہ اہل دربار اس حیرت افزا صنع قدرت کے تماشا کو وہاں سے بآرام بیٹھکر ملاحظہ کر سکیں۔ اس آبشار اور اُن درختوں سے جنکا ذکر اوپر ہوا قدامت اور کُہنگی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آفرینش عالم کے ہم سن کہنا شاید بیجا نہیں ہے۔

پیر پنجال کی چڑھائی میں بیگمات کی سواری کے ہاتھیوں کا گر جانا اور کئی عورتوں کی جان کا تلف ہونا۔

اس جگہہ ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے ہمارے سیر و تماشے کا لطف بالکل منغص ہو گیا بادشاہ اسوقت پیر پنجال پہاڑ کی چڑھائی پر تھا جو سب پہاڑوں سے اونچا ہے اور جہاں سے ملک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگتا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار چلی آتی ہے جن پر عماریوں اور میگھڈمبروں میں بیگمیں سوار تھیں اس قطار میں کا سب سے اگلا ہاتھی لوگوں کی دانست میں راستہ

کی بلندی اور درازی سے خوف کھاکر پیچھے کو ہٹا اور اُس ہاتھی پر آن گرا جو اُس کے پیچھے آتا تھا اور اسیطرح پندرہ ہاتھیوں کے ایک دوسرے پر گر پڑنے کی نوبت پہنچگئی۔ اور اب نہ تو وہ گھوم ہی سکتے تھے اور نہ دائیں بائیں حرکت کر سکتے تھے کہ اُس تنگ اور ڈھلواں راستے سے اپنے تئیں نکال لیں اور آخر بیخود ہو ہو کر نیچے جا گرے۔ مگر جس مقام پر یہہ ہاتھی گرے تھے خوش قسمتی سے وہ جگہہ چنداں بلند نہ تھی اسلئے صرف تین یا چار ہی عورتوں کی جان تلف ہوئی۔ لیکن ہاتھیوں میں سے کسی ایک کے بچانے کی بھی کوئی صورت نہ نکلی۔ یہہ جانور جب کبھی بھاری بوجھ سے جو اکثر اُسپر لادتے ہیں دبکر بیٹھ جاتا ہے تو پھر اچھے راستہ پر بھی نہیں اُٹھ سکتا بس ایسی خراب جگہہ میں کسطرح اُٹھتے۔ چنانچہ جب ہم دو روز بعد پھر اُسی راستہ سے گزرے تو ہمنے دیکھا کہ بیچارے کئی ہاتھی ابتک پڑے ہوئے اپنی سونڈیں ہلا رہے تھے۔ اُس فوج کو جو چار دن سے قطار باندھ کر ان پہاڑوں میں کوچ کر رہی تھی اِس حادثے کے باعث سخت تکلیف اُٹھانی پڑی کیونکہ اُس روز کا باقی ماندہ دن اور تمام اگلی رات بیگمات کی جان بچانے اور اسباب سنبھالنے میں گزرے اور اتنی دیر تک سپاہ کو بمجبوری اُسی جگہہ ٹھہرنا پڑا اور اس سبب سے ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہہ گویا بندھا کھڑا رہا۔ کیونکہ بہت سے مقامات ایسے تھے کہ وہاں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ناممکن تھا اور قلی لوگ جنکے پاس خیمے اور رسد تھی وہ پہنچ نہیں سکتے تھے۔ مگر میری معمولی خوش قسمتی میرے ساتھ تھی۔ میں راستہ سے الگ نکل کر ایک ایسی جگہہ جا چڑھا کہ جہاں میںنے

اور میرے گھوڑے نے بآرام وقت بسر کیا اور تھوڑی سی روٹی جو میرے نوکر کے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ کھائی۔

ایک بچھو کاٹنے کی عجیب حکایت

مجھکو یاد ہے کہ اسی جگہہ پر پتھروں کے ہلانے جلانے سے ہمکو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جسکو ایک نوجوان مغل نے جو میرے جان پہچان والوں میں سے تھا اُسے اُٹھا کر اپنی مٹھی میں دبالیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اس نوجوان سوار نے اسکا باعث یہہ بیان کیا کہ مینے اسپر قرآن کی ایک آیت پڑھکر پھونک دی ہے۔ اور اکثر بچھوؤں پر میں اسیطرح پڑھکر پھونک دیتا ہوں۔ مگر مجھے اس آیت کے سکھلا نیسے انکار کرنے کی اُسنے یہہ وجہ بیان کی کہ اُسکی تاثیر اُس سے منتقل ہوکر میرے میں آجائیگی جیساکہ بقول اُسکے! اُسکے اُستاد کا حال ہوا تھا۔ یعنی جب اُسنے اُس نوجوان کو یہہ عمل سکھلایا تو فوراً اُسکی تاثیر اُستاد کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

پیر پنجال پر مصنف کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا

جب ہم پیر پنجال پر سے جارہے تھے مینے اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ملاحظہ کیا۔

(۱) گرمی و سردی کی دو متضاد کیفیتیں

ایک تو یہہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور سردی کی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوئیں یعنی چڑھائی کے وقت تو دھوپ بہت سخت معلوم ہوتی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوے جاتے تھے لیکن چوٹی پر پہنچتے ہی ہمنے اپنے تئیں جمی ہوئی برف کے اندر پایا جسکو کاٹ کر لشکر کے گزر کیواسطے راستہ بنایا گیا تھا جہاں خفیف برفانی بارش بھی ہو رہی تھی

اور ٹھنڈی ہوا ایسی تندی کے ساتھ چل رہی تھی کہ بیچارے ہندوستانی لوگ جنمیں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں اُٹھائی تھی پہلے ہی پہل اُس برف کو دیکھکر بڑی تکلیف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گھبرا کر بھاگ بھی گئے۔

(۲) صرف دو سو قدم کے فاصلہ میں دو مخالف سمتوں سے ہوا کا چلنا

دوسری یہہ کہ صرف دو ہی سو قدم کی مسافت کے اندر دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی۔ یعنی چڑھائی کیوقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی تھی اور اُترائی کے شروع ہوتے ہی ہماری پشت یعنی جنوب کیطرف سے چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اسکا سبب یہہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بخارات اُٹھکر جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہوکر اُس ہوا کی پیدایش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے۔ اور اُترائی کی دونوں مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب ہلکی اور لطیف ہوجاتی ہے تو اوپر کی ثقیل ہوا اُسکی جگہہ لینے کو نیچے اُترآتی ہے اور یہہ اُتار چڑھاؤ ہوا کی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

(۳) ایک عمر رسیدہ درویش کا یہہ بتانا کہ پیر پنجال پر شور و غل مچانے سے طوفان آجاتا ہے

تیسری یہہ کہ اُس پہاڑ کی چوٹی پر ایک عمر رسیدہ درویش دیکھا جو جہانگیر کے وقت سے یہاں رہتا ہے اُسکے مذہب سے تو کسیکو کچھ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہہ بیان کرتے تھے کہ اُس سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں

عجیب عجیب طرح کی گرج ۔ طوفان ۔ برف ۔ اولے ۔ اور مینہ پیدا ہوجاتا ہے
اُسکی سفید اور الجھی ہوئی داڑھی بہت گھن دار اور لمبی تھی اور چہرے پر
کچھ وحشت اور بدمزاجی کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکھڑپن سے
مانگتا تھا اور لوگوں کو ان مٹی کے پیالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا
جو ایک بڑے سے پتھر پر اُسنے بطور قطار کے چُنے ہوے تھے اور ہاتھ
سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نکرو جلد اُتر جاؤ اور جو لوگ کچھ غل مچاتے
تھے اُن سے سخت ناراض ہوتا تھا ۔ مگر جب میں اُس غار میں کہ جہاں وہ بیٹھا تھا
پہنچا اور مودب طور پر اُسکے ہاتھ پر ایک اٹھنّی رکھکر اُسکا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُسنے مجھے
کہا کہ یہاں شور و غل مچانے سے ہوا اور مینہ کا ایسا سخت طوفان پیدا ہوجاتا ہے
جو انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا ۔ اور کہا یہہ اورنگ زیب کی دانائی
ہے جو اُسنے ہماری نصیحت مان کر سپاہ و لشکر کو چُپ چاپ اور تعجیل کے ساتھ
اُتر جانے کا حکم دیدیا ہے اور اسکا باپ شاہجہاں بھی ایسے ہی حزم و احتیاط
کے ساتھ عمل کیا کرتا تھا ۔ مگر جہانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو ہنسی میں
اُڑا کر باوجود ہماری تاکیدی ممانعت کے نقّارے اور نفیریاں بجانیکا
حکم دیدیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھرا کہ ہلاک ہوتے ہوتے بچ گیا ۔

کشمیر کے بعض چشموں وغیرہ کا دلچسپ بیان

اب میں آپکی خدمت میں اُس سیر و سیاحت کا حال بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میں نے اِس مُلک کے
مختلف حصّوں میں کی ہے ۔ شہر کشمیر میں پہنچتے ہی ہمارے نواب دانشمند خاں
نے مجھکو اس مُلک کی پرلی حد تک بھیجا جو دار الحکومت سے ہلکی سی تین منزل

ہے تاکہ میں اُن عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک اُبلتے چشمے سے منسوب کئے جاتے ہیں میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کیواسطے نواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

چشمہ سوندہ براری کی وجہ تسمیہ اور اُسکے جاری و بند ہونیکے تعجب انگیز اوقات اور اُسکے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

عجائبات یہہ ہیں کہ ماہ مئی میں جسوقت برف پگھلنے لگتی ہے پندرہ روز تک یہہ چشمہ فوارہ کیطرح برابر جاری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند ہو جاتا ہے۔ اکثر یون گھنٹہ تک اُس سے متواتر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع حوض سکے بھر دینے کو جو دس بارہ فرانسیسی فٹ عمق اور اسیقدر طول و عرض رکھتا ہے مکتفی سے بھی زیادہ ہے اور جب پندرہ روز گزر جاتے ہیں تو پانی کی آمد بیقدر کم ہو کر اُس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آجاتا ہے اور ایک مہینا گزرنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور متواتر بارشوں میں مثل اور چشموں کے بلا انقطاع اور بلا اندازہ جاری رہتا ہے۔ اس حوض کے کنارے پر ہندؤں کا ایک مندر ہے جو براری دیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے لوگ اُس کو سوندہ براری یعنی آب برار کہتے ہیں۔ چنانچہ جاتری لوگ دور دور سے آکر اس مندر پر جمع ہوتے ہیں تاکہ اس معجزنما اور پوتر پانی سے اشنان کریں۔ اس چشمہ کی اصلیت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی

وجہ سے انکا بیان چنداں دلچسپ نہ ہوگا - پانچ چھ روز جو مجھکو یہاں ٹھہرنیکا
اتفاق ہوا تو میں اس عجوبگی کا سبب دریافت کرنے میں کوشش کرتا رہا
چنانچہ مینے اُس پہاڑ کو جسکے دامن میں یہہ عجیب چشمہ نکلتا ہے بغور ملاحظہ
کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اُسکی چوٹی پر پہنچکر قدم قدم پر تلاش کرنے
اور دیکھنے میں کوئی حصّہ اُسکا دریافت سے باقی نہ چھوڑا - اُسکا طول شمال سے
جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اور پہاڑوں کے بہت قریب ہی مگر تاہم
سب سے بالکل جُدا ہے - اُسکی ہیئت گدھے کی پیٹھ کے مشابہ ہے اور اگرچہ
چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر عرض غایت درجہ سو قدم بھی مشکل سے ہوگا -
اسکی ایک طرف شمال رویہ ہے جسپر سبز گھاس کے سوا اور کچھ نہیں ہے مگر
صبح کے آٹھ بجے تک مقابل کے پہاڑوں کے حائل ہوجانے کی وجہ سے
اُسپر دھوپ نہیں آتی - اور غربی جانب درختوں اور نباتات سے پُر ہے -
پس یہہ حالات دیکھکر مینے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید حرارت آفتاب اسکی
موقع کی خصوصیت اور اندرونی کیفیتوں سے ملکر اس عجوبگی کو پیدا کرتی ہے
اور اس بنا پر مینے اپنی یہہ راے قایم کی کہ جاڑے کے موسم میں جبکہ تمام
زمین برف سے ڈھک جاتی ہے کچھ پانی اس پہاڑ کے اندرونی حصّوں میں
رِس کر اور منجمد ہوکر اُسیطرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب صبح کے وقت سامنے
کی دھُوپ سے پہاڑ کا وہ حصّہ گرم ہوجاتا ہے جسپر سب سے پہلے دھوپ
آتی ہے تو وہ پانی پگھل کر پہاڑ کی دراڑوں میں سے دوپہر کیوقت چشمہ کی
جگہہ پھوٹ نکلتا ہے اور جسوقت وہ مقام جو صبح کی دھُوپ سے گرم ہوا تھا

آفتاب کے بلند ہوجانیکے باعث سرد ہوجاتا ہے تو اُس جگہہ سے پانی کا آنا بند ہوجاتا ہے۔ اور پھر جب دوپہر کیوقت آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُسکے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کے دوسرے حصّہ کا پانی پگھلنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج دوسرے راستوں سے اُنہیں پہلے راستوں میں آجاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بہنے لگتا ہے۔ پھر جب آفتاب کی دھوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی تاثیر اُس طرف کے منجمد پانی پر ہوتی ہے جو صبح کیوقت پانی نکلنے کا باعث ہے۔ مگر اس دفعہ جو پانی چشمہ سے آہستگی کے ساتھ نکلتا ہے اُسکا باعث یہہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ کے مونہہ سے کسیقدر فاصلہ رکھتا ہے اور یہہ بھی سبب ہے کہ کثرت اشجار کی وجہ سے تمازت آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف کم اثر پذیر ہوتی ہے یا فقط رات کی سردی اُسکا سبب ہے کہ جسکے باعث پانی کا جریان کسیقدر سست ہوجاتا ہے۔

میرے ان دلایل کو اس بات پر غور کرنے سے تائید پہنچتی ہے کہ پہلے دنوں میں پانی کثرت سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج گھٹکر بالکل بند ہوجاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی پہاڑ کی دڑاڑوں میں جما ہوا پڑا تھا ابتدا میں زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا۔ علاوہ بریں یہہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ ابتدائی موسم ہی میں کیوں نہ ہو بالکل غیر معین طور کی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو رات یا صبح کی نسبت زیادہ ہوجاتی ہے اور کبھی صبح کو بہ نسبت دوپہر

سے کثیر المقدار ہوتا ہے جسکا سبب ظاہر ہے یعنی یہہ کہ کسی دن گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کسی دن کم اور بعض اوقات ابر کے سبب دھوپ کی حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہو جانا پانی کے بہاو میں کمی اور زیادتی کا باعث ہوتا ہے -

اچھہ بل میں ایک جوشندہ چشمے اور وہاں کے باغ کا ذکر

سوندہ براری سے واپسی کے وقت میں شاہراہ سے تھوڑا سا چکر کھا کر آیا تھا تاکہ اچھہ بل کی بھی سیر کرتا چلوں ! یہہ جگہہ کشمیر کے توابع میں ایک بادشاہی باغ ہے جو سابق میں راجگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہان مغلیہ کی سیرگاہ ہے جو چیز کہ بالتخصیص اس جگہہ کی حسن و خوبی کا باعث ہے وہ ایک جوشندہ چشمہ ہے جسکا پانی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہروں میں منقسم ہو کر اس مکان کے گرد اور کل باغ میں پھرتا ہے اور خالی از لطف نہیں - اس چشمہ سے پانی اس شدّت سے اُچھلتا ہے کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ اُسکو دریا کہنا چاہیئے نہ کہ چشمہ - اور نہایت لطیف اور برف کی مانند سرد ہے - یہہ باغ بہت خوبصورت ہے اُسکی روشیں نہایت اسلوب سے بنی ہوئی ہیں - اور میوہ دار درختوں - مثل سیب - ناشپاتی - آلوچہ اور زرد آلو سے بھرا ہوا ہے - فوّارے مختلف وضع اور شکل کے اور مچھلیوں کے رکھنے کے لئے حوض کثرت سے بنے ہوئے ہیں - اس جگہہ ایک آبشار ایسی بلند ہے کہ گرتے وقت تیس یا چالیس قدم کے طول میں ایک سفید اور خوبصورت چادر کی شکل بنجاتی ہے - اور ایک ایسی عجیب کیفیّت

پیدا کرتی ہے جو قیاس سے باہر ہے۔ خصوصاً رات کیوقت جب اس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صدہا چراغ روشن کردیئے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

ایک اور بادشاہی باغ و وہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر

اچھہ بل سے چلکر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا جو وہ بھی ایسا ہی آراستہ ہے اور اس باغ کے حوض کی مچھلیاں آدمیوں سے ایسی مانوس ہیں کہ بلانے یا روٹی کا ٹکڑا ڈالنے سے نزدیک آجاتی ہیں۔ اور بڑی بڑی مچھلیوں کے جھڑوں میں سونے کے بالے پڑے ہوئے ہیں جنپر کچھ لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہہ بالے نور محل (نورجہاں بیگم) نے جو اورنگ زیب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہنائے تھے۔

بارہ مولا میں پیر کے ایک مقبرہ پر بیماروں کے شفا پانے کی غلط شہرت اور ایک ایسے ہی اور بیہودہ اعتقاد کا ذکر

جب میں نے واپس آکر سوندہ براری کے حالات دانشمند خاں سے بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ انکو سنکر خوش ہوئے۔ پھر اُنہوں نے مجھے ایک اور طرف جانے کی فرمایش کی تاکہ میں بھی اُس عجیب امر کی تصدیق کروں جسکو اور لوگوں کی طرح وہ بھی فی الحقیقت کرامت سمجھتے تھے اور ان کے گمان میں وہ ایسی کرامت تھی کہ میں اُسے دیکھکر مسلمان ہوجاؤنگا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ "آپ ذرا بارہ مولا تک ہو آیئے جسکا فاصلہ سوندہ براری سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہاں ایک مقبرہ ہے جسمیں ایک مشہور پیر کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں مگر اُن کی کرامت سے ابتک بیمار اور ناتوان

لوگوں کو شفا ہوتی ہے - اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ
نہ مانیں مگر اُس بزرگ کی کرامت سے ایک اور کرشمہ ظہور میں آتا ہے -
جسکو دیکھکر ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مدور
سل پڑی ہے جسکو نہایت طاقت ور آدمی بھی زمین سے نہیں اُٹھا سکتا
لیکن گیارہ آدمی اُس ولی کے حقمیں کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھکر اپنی اُنگلیوں کے سرے
سے ایسی آسانی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اُٹھا لیا"
مینے اس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کرلیا اور اپنے دونوں
پہلے رفیقوں کے ساتھ چلدیا -

بارہ مولا کو مینے ایک فرحت بخش جگہہ پایا - اور اگرچہ مقبرہ تو کچھ بہت
بڑی لاگت کا مکان نہ تھا مگر اُس پیر کی قبر البتہ تکلّف سے آراستہ تھی - اور
اُسکے چاروں طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار
ہیں - اُس مقبرہ کے متصل ایک باورچیخانہ ہے جہاں مجھکو بڑی بڑی دیگیں
گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے مینے فوراً تاڑ لیا کہ
بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانیکے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور
یہی اُنکی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں - مقبرہ کے دوسری جانب
ایک باغ اور مجاور لوگوں کے حجرے ہیں جنہوں نے اپنے پیر کی مقدس
کرامتوں کے اظہار کو اپنی گزران کے لئے ایک بجلش حیلہ بنا رکھا ہے اور
اُسکی کرامتیں اور محامد اور مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے
ہیں - لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بدقسمت ہوں پس جبتک

میں بارہ مولا میں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں
ڈالا اور میں اُسکے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔
اب اُس بھاری سل کا حال سُنیئے جو مجھے مسلمان بتاتی تھی میں نے
دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُسکے گرد حلقہ باندھ لیا مگر
اُنکی نیچی نیچی قباؤں اور مشق کی ہوئی بلا فصل حلقہ بندی کی وجہ سے
مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اٹھاتے تھے
بڑی دقت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے اُنکی سب مکاری اور ہیرا پھیری
معلوم ہو گئی اور اگرچہ یہہ لوگ بڑی شد و مد سے ادّعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے
اپنی اُنگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا
رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ سارا زور لگائے
بدون وہ زمین سے نہیں اٹھایا گیا۔ اور مجھے یہہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجاوروں
نے اُس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی اُنگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے
انگوٹھے بھی لگائے تھے۔ مگر باینہمہ میں بھی اُن کے اور اُن کے طرفداروں
کے ساتھ جو "لفظ کرامت کرامت" پکار رہے تھے ہم آواز اور ہم آہنگ
ہو گیا۔ پھر میں نے اُنکو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدت مندانہ صورت
بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایکدفعہ اس مقدس پتھر کے اٹھانے والوں
کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کروں۔ یہہ لوگ پہلے تو متامل
ہوئے مگر جب میں نے ایک روپیہ اور نذر کیا اور کرامت کی سچائی کی نسبت
اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہہ دیدی۔ کیونکہ

انکو غالباً یہہ امید تھی کہ دس آدمی کچھ زیادہ زور لگا کر اُس پتھر کو اُٹھا لینگے خواہ میں اپنی اُنگلی کی صرف ایک پور لگا دینگے سوا اُسکے اُٹھا دینے میں کچھ زیادہ مدد نہ دوں۔ اور اُنکو یہہ بھی توقع تھی کہ ایسی چالاکی کے ساتھ اُسکے اُٹھا لینے کا انتظام کرینگے کہ مجھکو اُنکا فریب معلوم نہ ہو سکیگا۔ مگر جب اُنکو یہہ معلوم ہوا کہ پتھر جسکو میں بجز اپنی اُنگلی کی پور کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا برابر میری طرف جھکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت نادم ہوے اور بالآخر میں نے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی اُنگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بزور تھامنا مناسب سمجھا اور ہم سب اسکو بڑی مشکل کے ساتھ اُسکی معمولی بلندی تک لے آئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بُری نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے مثلاً یہہ کہ یہہ شخص پتھر کے اُٹھانے کے مخاطرہ میں پڑنیکے باعث خود پتھر بن جانے کی سزا کے لایق ہے تو مینے مناسب جانکر پھر " لفظ کرامت کرامت " پکارنے میں اُنکا شریک ہو جانا پسند کیا اور ایک تیسرا روپیہ اُنکی طرف اُور ڈالکر اُس ازدحام سے جھٹ پٹ آنکھ بچا کر نکل آیا۔ اور اگرچہ صبح سے مینے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا مگر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیر صاحب اور اُنکی کرامت کو ابدالآباد تک وہیں چھوڑ آیا۔ اسجگہہ کی آمد و رفت سے یہہ فائدہ البتہ ہوا کہ اُن مشہور چٹانوں کو دیکھ لیا جنکے بیچ میں سے گر کر تمام ولایت کشمیر کی نہروں اور چشموں کا پانی ایک دریا بنکر نکلتا ہے۔ اور جسکا اشارہ میں اِس خط کے شروع میں کر چکا ہوں۔

ایک جھیل کے نزدیک فقیر کے مکان کی نسبت لوگوں کے اس بیہودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے -

میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہوکر ایک بڑی جھیل کیطرف چلا گیا جو عموماً شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر تھی - اس جھیل میں مچھلیوں اور خصوصاً مارماہی کی بڑی کثرت ہے اور مرغابیاں اور راج ہنس اور اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں اسجگہہ شکار کھیلنے اکثر آتا ہے اور اُسوقت پرندوں کی اس جگہہ نہایت کثرت ہوتی ہے اس جھیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک باغیچہ اور حجرہ ہے جسکو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے اور جو فقیر یہاں رہتا ہے مدت العمر اسیمیں بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا - اُن ہزاروں مہمل اور بیہودہ حکایات سے جو اس حجرہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک معتبر روایت کے کہ کشمیر کے راجگان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند بڑے کار اور مضبوط شہتیروں کو باہم جوڑکر اُن پر ایک حجرہ تعمیر کروا دیا تھا میں اپنے اس خط کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا ! وہ دریا جو بارہ مولا کو جاتا ہے اس جھیل کے وسط میں ہوکر گزرتا ہے -

ایک چشمہ کا ذکر جو دم لے لیکر اُبلتا ہے اور اسکے اس طرح اُبلنے کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

اس جھیل سے چلکر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جسکو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے - یہہ چشمہ بلبلے کی شکل میں آہستگی کے ساتھہ اُبلتا اور کسیقدر زور سے تھوڑا سا بلند ہوجاتا ہے ۔ اسکے پانی میں کسیقدر صاف اور شفاف ریگ ملی ہوی نظر آتی ہے جو کچھہ زور سے پانی کے اوپر کو چڑھکر پھر

نیچے چلی جاتی ہے - اور اسکے بعد دو ایک لمحہ تک پانی کا جوش کھانا اور
ریگ کا اوپر کو چڑھنا تھم جاتا ہے اور پھر بدستور سابق پانی زور کرتا ہے اور
ریگ اوپر کو چڑھکر نیچے بیٹھ جاتی ہے - اور اس چشمہ کا یہہ حرکت اور سکون
اسیطرح کے غیر معین نظام میں جاری رہتا ہے ! سب سے زیادہ عجیب امر
جو اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شور خواہ
بولنے سے ہو خواہ زمین پر پأنون مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے
اور جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا اُسکے اُبلنے اور بہنے کا باعث ہو جاتا ہے گر
مینے دریافت کرلیا کہ اسمین نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پانوں مارنے
سے بلکہ اُسکی حرکت اور سکون کا حال خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سا رہتا ہے
! اور چونکہ مینے اسکے اصل باعث کی نسبت بخوبی غور نہیں کی اسلیئے آپکی
خدمت میں کوئی قابل اطمینان تشریح نہیں لکھ سکتا مگر شاید یہہ سبب ہو کہ ریت اپنے
ثقل طبعی کے باعث اُس کم زور چشمہ کے تنگ مجرا میں عود کرکے پانی کے
اُچھلنے میں روک پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ
جمع ہو جاتا ہے تو ریت کے ہٹانے اور راستہ کے کھولنے کے لیئے
پھر زور کرتا ہے - یا بظن غالب شاید یہہ ہو کہ جو ہوا اسکے مجرا میں بھری
ہوئی ہوتی ہے وہ لمحہ بلمحہ اوپر کو چڑھتی ہے جیسے کہ عموماً فواروں
میں یہہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے

ایک جھیل کا ذکر جسمیں برف کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے رہتے ہیں

جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھ چکے تو ایک اور
وسیع جھیل کے دیکھنے کو پہاڑ پر چڑھے جسمیں

گرمی کے موسم میں بھی برف موجود رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے برف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بحر منجمد کیطرح کبھی مجتمع اور کبھی منتشر ہوتے رہتے ہیں

مقام معروف سنگ سفید کے قدرتی پھولوں کی بہار اور اس روایت کا ذکر کہ شور و غل کرنے سے واں سخت بارش ہونے لگتی ہے —

اس کے بعد ہم اس مقام سے ہو کر گذرے جسکو سنگ سفید بولتے ہیں - یہہ جگہہ دو باتوں کے لئے مشہور ہے

(۱) ایک یہہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے ویسے ہی پھول پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے عمدہ باغ میں -

(۲) دوسرے یہہ کہ یہاں قدیم سے ایک یہہ روایت چلی آتی ہے کہ جب آدمیوں کا زیادہ ازدحام ہوتا ہے اور وہ شور و غل مچا کر ہوا میں حرکت پیدا کرتے ہیں تو ضرور شدت سے بارش ہونے لگتی ہے - ایسا اتفاق خواہ عموماً ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ چند سال گزرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اسنے غیر ضروری شور و غل کی ممانعت کیواسطے احکام بھی جاری کر دئے تھے مگر پھر بھی غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اسکے تمام ہمراہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئے تھے اس بیان کو سنکر آپ اس بڈھے فقیر کی گفتگو یاد فرمائینگے جو کوہ پیر پنجال پر مجھسے ہوئی تھی -

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک غار کو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے دو دن کی راہ پر تھا اور اسمیں عجیب عجیب طور کی منجمد چیزیں قابل مشاہدہ تھیں - مگر اتنے میں میرے پاس خبر پہنچی کہ ہمارے نواب صاحب میرکا

بہت دنوں کی غیر حاضری سے فکرمند او متردد میں اسلئے مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

کشمیر کے قرب و جوار کے پہاڑی ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب اور سادہ لوحی کا بیان ——

جب سے میں یہاں آیا ہوں ہرچند میرے خیالات اسی مضمون کی طرف مائل رہتے ہیں مگر مجھے کوئی ہم شوق اور ہم خیال شخص بہم نہیں پہنچا اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جسکو کاوش اور تلاش ہو اور ان امور سے واقفیت رکھتا ہو جنکو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسلئے مجھے افسوس ہے کہ کشمیر کے قرب و جوار کے کوہستان وغیرہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دیسکتا ہوں۔ مگر بہر حال جو کچھ مینے دریافت کیا ہے آپکو لکھتا ہوں۔ وہ تاجر لوگ جو شال بنانے کی عمدہ پشم کے جمع کرنیکے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ ان پہاڑوں کے اندر جو اب بھی کشمیر کے توابع میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور ان میں سے ایک علاقہ تو ایسا ہے کہ جسکے سالانہ خراج میں صرف اون اور چمڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں حسن و جمال اور پاکدامنی اور دستکاری میں ضرب المثل ہیں اور اس سے آگے بڑھکر ایک اور علاقہ جسکے وادی بہت خوشنما اور میدان سیر حاصل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا غلہ اور سیب اور ناشپاتی اور زرد آلو اور نفیس خربوزہ اور انگور (جس سے عمدہ شراب بنتی ہے) کثرت سے ہوتا ہے اور اسکا خراج بھی چمڑے اور اون ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوجاتا ہے کہ اسکے باشندے اپنے ملک کی دشوار گزاری

کے بھروسہ پر اداے خراج سے انکار کرتے ہیں لیکن سرکاری فوج وہاں جاکر پھر مطیع کر لیتی ہے۔ سوداگروں سے میں یہہ بھی سنتا ہوں کہ دور دور کے پہاڑوں میں جواب کشمیر کے باج گزار نہیں رہے اور بھی اچھے اچھے خوشنما علاقے ہیں جہاں کے لوگ سرخ و سفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا اُنس رکھتے ہیں کہ کبھی شاذ و نادر ہی باہر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ اور جہانتک تحقیق ہوسکتا ہے کچھ مذہب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو ناپاک سمجھکر کھانیسے پرہیز کرتے ہیں۔

اب میں وہ حال بیان کرتا ہوں جو چند روز ہوے مجھسے ایک بڈھے نیک مرد نے کہ جسنے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیان کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگان کشمیر کے خاندان کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا یہہ بڈھا بچکر اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کوہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں مگر پھرتے پھرتے آخرکار وہ ایک خوشنما چھوٹے سے ضلع میں جانکلا جہاں اُسکے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اس خوش نصیب شخص کے روبرو پیش کش اور نذرانوں کے انبار لگادیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اس التجا سے لیکر حاضر ہوے کہ آپ ان میں سے کسیکو پسند فرمالیں تاکہ اس مُلک کو آپ کی نسل سے فخر حاصل ہو۔

پھر یہہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا گیا اور وہاں بھی اُسکی ویسی ہی آو بھگت ہوئی لیکن شام کیوقت کی تواضع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہمسایوں کو بیوقوف سمجھکر اور یہہ آل اندیشی کرکرکہ لڑکیاں توآخرکار اپنے خاوندوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائیں گی اپنی جوروئیں پیش کیں

چھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش لیکر کشمیر میں حاضر ہونے اور اُسکی زبانی ملک تبت کے جو حالات معلوم ہوے اُن کا ذکر

چھوٹی تبت جو کشمیر کی سرحد پر ہے اُسکے فرمان روا خاندان کے لوگوں میں چند سال سے بڑی بڑی تنازع ہو رہے تھے جنمیں سے آخرکار ایک شخص* نے جو حکومت و ریاست کا دعوی دار تھا پوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہاں کے حضور سے حکم ہوگیا کہ جو مدد درکار ہو دیجاے چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض دعویدار تو قتل ہوے اور بعض بھاگ گئے اور اسکو اس شرط کے ساتھ مسند پر بٹھادیا گیا کہ سال بسال کسیقدر بلور مُشک اور شال بنانے کی اُون بطور خراج دیا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہہ چیزیں بطور پیشکش لیکر بذات خود اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا مگر ایسے حقیر سامان کے ساتھ آیا ہے کہ میں تو کبھی اُسکو عالی رتبہ شخص خیال نہیں کرسکتا! ہمارے نوّاب نے اس غرض سے اُسکی دعوت کی کہ اُس سے اُسکے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کرسکیں۔ چنانچہ اُسنے ہم سے بیان کیا کہ بڑی

* عالمگیر نامہ میں اس شخص کا نام "مُراد خاں" لکھا ہے۔ س م ح

تبّت میری ریاست کی حد شرقی ہے اور اُسکا عرض قریب نوّے[۹۰] یا ایکسو بیس[۱۲۰] میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلور مشک اور پشم یہہ اشیا بہم پہنچتی ہیں۔ مگر میں چنداں متموّل نہیں ہوں اور لوگوں کا یہہ عام گمان کہ میرے قبضہ میں سونے کی کانیں ہیں بالکل غلط ہے۔ اُسنے یہہ بھی بیان کیا کہ اُسکے ملک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتی ہیں خصوصاً خربوزہ جو کسی قسم کا ہوتا ہے۔ مگر کثرت برف کے باعث جاڑا بڑی شدت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بت پرست تھے مگر اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ ہوں۔ اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ ''سترہ اٹھارہ برس گزرے کہ شاہجہاں نے بڑی تبّت کو جسپر راجگان کشمیر کی اکثر تاخت رہتی تھی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور سپاہ نے بعد سولہ[۱۶] دن کے ایک مشکل سفر کے جو کوہستان میں سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے بھی لیا تھا اور وہاں کے لوگوں میں ایسی ہلچل ڈال دی تھی کہ بیشک تمام ملک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ شاہی ایک مشہور اور تیز رو دریا سے جو راستہ میں آتا ہے اوتر کر اُسیوقت جرأت کر کے ریاست گاہ کو جا لیتی۔ مگر چونکہ موسم مخالف آن پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر جو اِس فوج کا حاکم تھا اِس اندیشہ سے واپس آگیا کہ کہیں برف نہ آن دبا لے اور اِس مفتوحہ قلعہ میں کسیقدر سپاہیوں کو اسلئے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے شروع میں پھر یورش کرونگا۔ مگر فوج متعینہ قلعہ نے عجیب حرکت کی کہ قلعہ کو یا تو دشمن کے خوف سے یا قلّت رسد کی وجہ سے ناگہاں اور

خلاف توقع خالی کر دیا۔ اور اس طرح سے بڑی تبت کا ملک جسکی تسخیر آیندہ فصل بہار پر ملتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچ رہا چونکہ اس ملک کو اورنگ زیب کی فوج کشی کا خوف تھا وہاں کے رئیس نے بادشاہ کی کشمیر میں تشریف آوری سنکر اپنے ایک

بڑی تبت کے سفیر کے اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اور جو تحائف وہ لایا تھا اُن کا اور اُسکی ذلیل حیثیت کا ذکر۔

سفیر کو اپنے ملک کے تحائف بلور مشک سنگ یشب اور سُرہ گائے کی سفید اور عمدہ دُمیں وغیرہ جو بالتخصیص اسی ملک میں ہوتی ہیں اور زیبائش کی خاطر ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکا دیتے ہیں بھیجا سنگ یشب جو اس دفعہ پیشکش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اسی جہت سے بیش قیمت ہے ۔ دربار مغلیہ میں یہہ پتھر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں۔ ان کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اُسمیں سفید سفید دھاریاں ہوتی ہیں اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے بُرادہ کے ساتھ تراشا جاتا ہے۔ پیالے اور پھولدان اسی پتھر کے بنتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس بھی اس پتھر کی چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں جنمیں سُنہری تار اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔

اِن جناب ایلچی صاحب کی جلو میں تین چار تو سوار تھے اور دس بارہ لمبے لمبے قد والے دُبلے اور سوکھے ہوئے سڑیل پیادے۔ جنکے مونہہ پر چینیوں کیطرح داڑھی کا کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرح کی غریبانی ٹوپیاں سُرخ رنگ کی پہنے ہوئے تھے۔ جیسے

کہ ہمارے فرانس کے ملاح پہنتے ہیں اور اُن کے باقی لباس کی شان وشوکت بھی ان ٹوپیوں ہی سے خیال فرمالیجئے اور مجھے یاد ہے کہ ان میں سے صرف چار پانچ بزرگ وار تو البتہ تلوار باندھے ہوئے تھے باقی کے پاس لاٹھی تک نہ تھی اور بالکل خالی ہاتھ ایلچی جی کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

سفیر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے ادائے خراج اور تعمیر مسجد وغیرہ کے عہد و پیمان کرنا۔

الغرض اس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دار الریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائیگی جہاں اہل اسلام کے طور پر نماز ہوا کریگی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا۔ اور ایک رقم سالانہ خراج کی بھیجی جایا کریگی۔ مگر اس میں کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے کشمیر سے مراجعت کرتے ہی اس عہد و پیمان پر کچھ بھی عمل کیا جائیگا اور رئیس تبت شرایط عہد و پیمان کو اس سے زیادہ بجا نہ لائیگا جیسے کہ اُس عہد کے شرایط کو بجا لایا تھا جو شاہجہاں اور اس رئیس کے باہم ہوئے تھے۔ [1]

---

[1] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے واپس آکر سیف خاں صوبہ دار کشمیر کے پاس دلدن مُجَل بڑی تبت کے "زمیندار" یعنی راجا کے نام کا ایک فرمان اس مضمون کا لکھکر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کرکے اپنے ملک میں ہمارا سکہ اور خطبہ جاری کردو اور مسجد بنوا کر شعائر اسلام کو رواج دو تو بہتر۔ تمہارا ملک وہاں بحال رہیگا ورنہ فوج کشی کیجائیگی چنانچہ یہ فرمان ہدایت شاہی کے موافق محمد شفیع نامی ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے اُسکے پاس بھیجا گیا جسکا دلدن مجل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان

سفیر تبت کے ایک ہمراہی طبیب سے مصنف کی ملاقات اور لاما گروہ اور لاسا تاریخ کا ذکر

اس ایلچی کے ہمراہیوں میں ایک طبیب تھا جسکو کہتے تھے کہ لاسا کا رہنے والا ہے اور فرقہ لاما میں سے ہے - لاما[۲] - لاسا میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں مقتدا اور رہنما سمجھے جاتے ہیں مگر برہمنوں کے طریقے کے برخلاف ان میں ایک گرو بھی ہوتا ہے جسکی تعظیم و تکریم صرف ملک لاسا ہی میں نہیں بلکہ کل تاتار میں ہوتی ہے اور اسکا ایسا اعزاز و احترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا - اس طبیب کے پاس نسخوں کی ایک کتاب تھی اور مینے ہر چند چاہا کہ وہ اسکو بیچڈالے مگر اسنے نہ دی - اُس کتاب کا خط دور سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھلائی دیتا تھا - ہم نے اُس سے اس خط کی

بقیہ نمبر۱ کو اپنے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی اور اُس سے دوسرے روز جو جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع عام میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا چاندی لٹایا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی نیو رکھی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا اور اسکے بعد ایک عریضہ جس میں بہت سے عجز و نیاز اور وفاے عہد کے وعدے تھے مع ایک طلائی گنجی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی ولایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جسپر بادشاہ کا سکہ لگایا تھا مع اور اپنے ملک کے تحائف کے حوالہ کر کے محمد شفیع کو رخصت کیا اور لکھا ہے کہ اس کارروائی کے بامراد سرانجام پانے میں چھوٹی تبت کے راجہ مراد خاں نے بہت کچھ کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی تبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی - اسی کتاب میں اُس ملک کی حدود کا حال اس طرح پر درج ہے کہ اسکا طول چھ مہینے کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینے کا اور بعض جگہہ ایک مہینے کا راستہ ہے - اسکے مغرب میں

نمبر۲ بودھ مذہب والے اپنے گرو اور پیشواے مذہب کو لاما کہتے ہیں اور سب سے بڑا لاما شہر لاسا دار الحکومت ملک تبت میں رہتا ہے اور تبت اور چین کے وہ لوگ جو بودھ مذہب رکھتے ہیں لاسا کے بڑے لاما کو مجسم بودھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے

ابجد لکھوائی مگر اُسنے بڑی مشکل سے اور ایسی بدخطی سے لکھی کہ جسکے باعث ہمنے اُسکو بے علم اور جاہل جان لیا۔

مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا جسکی نسبت اُسنے عجیب و غریب حکایتیں سُنائیں جنمیں سے اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ ایک بار جب بڑا لاما بہت بڈّھا ہوگیا اور اُسکی موت کا وقت آن پہنچا تو اُسنے مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نوزاد بچے کے قالب میں حلول کرےگی چنانچہ اُس بچے کو جسکی نسبت اُسنے یہہ خبر دی تھی بڑی غور اور پرداخت سے پالا گیا اور جب وہ چھ سات برس کا ہوگیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحاناً اُسکے روبرو رکھی گئیں اور اُسنے ازراہ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کردیا۔ یہہ حکایت اُس طبیب کے لئے مسئلہ تناسخ اور نقل ارواح پر اعتقاد کرنیکو ایک نہایت قاطع دلیل تھی۔ پہلے تو ہمکو یہہ گمان ہوا کہ یہہ شخص ہنسی کے

بقیہ نمبر ۱ کشتہ کمایوں۔ سری نگر۔ بہار اور بنگالہ اور مشرق میں مُلک آرزنگ و رخطا اور شمال رود تبت خورد اور کاشغر اور تمام ہندوستان اور جنوب رود دشت قبچاق ہے اور یہاں کے راجہ کی فوج بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادے ہیں اور سپاہ میں اکثر فرقہ قلماق قوم کے لوگ ہوتے ہیں۔ س م ح

بقیہ نمبر ۲۔ اور جب کبرسن کے باعث اُسکا جسم بوسیدہ ہوجاتا ہے تب نئے قالب میں چلا جاتا ہے۔ لیکن یورپین سیاح اسکی نسبت یہہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاما مرجاتا ہے تو اُسکے کارپرداز مخفی طور سے کسی قرت کے پیدا ہوے لڑکے کو لاکر لاما کی مسند پر بٹھادیتے ہیں۔ اور اُسکو ایسے طور پر پالتے پوستے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاماؤں کے وقت کی بتلانے لگتا ہے اور اُسکے ناواقف اور جاہل پیرو اسکو لاما کے کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھکر یقین کرلیتے ہیں۔ کپتان ٹرنر صاحب جو ۱۷۸۳ع میں سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کیطرف سے تبت کے راجہ کے پاس جو لاما کا نائب ہوتا ہے بطور سفارت لاسا کو گئے تھے لکھتے ہیں کہ اُسوقت جو لاما تھا اگرچہ اسکی عمر

طور پر اس قسم کا بیان کر رہا ہے لیکن پھر معلوم ہوگیا کہ نہیں فی الواقع اُسکو اس روایت کی صحت پر پکّا اعتقاد ہے۔

ایک روز میں اُس ایلچی کے مکان پر اس طبیب کی مُلاقات کو گیا اور ایک کشمیری سوداگر کو ترجمانی کے لیئے اپنے ساتھ لیگیا۔ یہہ تو میرا صرف بہانہ ہی تھا کہ مجھے کچھ پشمینہ جو اُسکے پاس تھا خریدنا ہے بلکہ اصل مطلب یہہ تھا کہ اُس سے اُن ممالک کے حالات دریافت کروں جنکی کیفیّت مجھے مکمّل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اکثر وہ یہی کہتا رہا کہ بڑی تبّت ہمارے مُلک کے ساتھ ہمسری نہیں کرسکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ مہینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی۔ اور اکثر تاتاریوں سے ہماری ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ مگر وہ یہہ نہیں بتا سکا کہ تاتاریوں سے اُسکی مراد کونسے تاتاری تھے۔ آخرکار مجھے معلوم ہوگیا کہ جو وقت اُسکی مُلاقات میں صرف ہوا ناحق ضایع ہوا کیونکہ مینے اُسکو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی

بقیہ نمبر ۲- صرف ڈیڑھ برس کی تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کے وقت وہ بڑی شان و شوکت اور تحمّل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا اور برابر اُنکی طرف متوجہ رہا۔ صاحب موصوف جب کوئی بات کہتے تو جواب میں اس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھکر اشارہ کریے۔ جب صاحب موصوف کا چاے کا پیالہ خالی ہوتا تو لاما ناک بھوں چڑھا سر کو ہلاکر چیختا اور اپنے نوکروں کو اور چاے دینے کا اشارہ کرتا بلکہ ایک دفعہ تو ایک سونے کی طشتری میں سے کچھ مٹھائی اُٹھاکر اپنے ہاتھ سے اُن کو دی۔ لاما جب قالب تبدیل کرتا ہے تو اُس کے مردہ جسم کو سکھاکر اور چاندی سے منڈھ کر مندر میں پرستش کے لئے رکھدیتے ہیں۔

(ماخوذ از جام جہاں نما) س م ح

قادر نہ پایا۔

کشمیر سے تبت ہوکر چین کے رستوں اور اشیار تجارت وغیرہ کا بیان

بیس ۲۰ برس سے پہلے کشمیر سے چین کو ہر سال کاروان جایا کرتے تھے اور اُن کا راستہ بڑی تبت کے کوہستان اور ملک تاتار میں سے تھا اور تقریباً تین مہینے کے عرصہ میں چین میں پہنچ جاتے تھے۔ یہہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ایسے تیز رو دریا اترنے پڑتے ہیں کہ جن پر سے گزرنا صرف ایسے لمبے لمبے رسّوں کے ذریعہ سے ممکن ہے جو دریا کے وار پار بڑے بڑے پتھروں سے بندھے رہتے ہیں * یہہ قافلے چین سے مشک۔ چوب چینی۔ ریوند۔ اور ماميران۔ جوامراض چشم کے معالجہ کے باب میں ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑ ہے لاتے تھے۔ جب یہہ لوگ واپسی کے وقت بڑی تبت میں ہوکر گزرتے تھے تو اس ملک کے تحائف بھی مثل مشک۔ بلور۔ سنگ یشب۔ اور خاص کر بھیڑوں اور جنگلی بکریوں کی پشم کے (جسکو اس اطراف میں توز کہتے ہیں اور جو حسب بیان سابق ملائمت میں ہنوز کے مشابہ ہے) بھر لاتے تھے۔ مگر جب سے شاہجہاں نے بڑی تبت پر حملہ کیا ہے

* جہاں دریا پہاڑوں کے اندر بہت زور سے بہتے ہیں اور پتھروں کے سبب سے کشتی کو خوف ہوتا ہے وہاں لوگ جھولے یا چھینکے کے ذریعہ سے پار اُترتے ہیں۔ جھولا اسکو کہتے ہیں کہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوط رسّے برابر برابر باندھ کر تختوں سے پاٹ دیتے ہیں جنکی چوڑان اکثر ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہیں ہوتی اور سہارے کیواسطے دونوں جانب برابر رسیاں باندھ دیتے ہیں۔ لیکن چھینکا اس سے بھی بدتر ہے وہ صرف ایک

وہاں کے راجہ نے نہ صرف کاروانوں کا آنا جانا بند کر دیا ہے بلکہ یہانتک ممانعت کر دی ہے کہ کوئی کشمیر کا رہنے والا بھی ہماری قلمرو میں قدم نہ رکھنے پاوے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر پٹنہ سے جو گنگا کے کنارے بستا ہے چل کر سیدھے ملک لاسا میں جا پہنچتے ہیں اور بڑی تبّت کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

ملک کاشغر کا بیان

اس ملک کی نسبت جو یہاں (یعنی ہندوستان میں) بنام کاشغر مشہور ہے اور بظن غالب وہ وہی ہے جسکو ہمارے جغرافیہ کے نقشوں میں کاسکر لکھتے ہیں میں وہ سب حالات بیان کرونگا جو مجھکو اس ملک کے رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ یہہ لوگ یہہ سنکر کہ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو آیا چاہتا ہے بہت سے کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لائے ہیں انکا بیان ہے کہ کاشغر تھوڑا سا شمال کو جھکتا ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور ان دونوں ملکوں میں سیدھا اور نزدیک کا راستہ بڑی تبّت میں کو ہے مگر اس سبب سے کہ وہ اب بند ہے ہم ضرورتاً چھوٹی تبّت ہو کر آئے ہیں۔ پہلا شہر جو ہمکو مراجعت کیوقت راستہ میں آتا ہے اسکا نام گورچی ہے جو توابع کشمیر میں سے عین سرحد پر واقع ہے اور کشمیر سے چار دن کا راستہ ہے

رہتا ہوتا ہے اس کنارے سے اس کنارے تک بندھا ہوا جسمیں لوہے کے قلابے کے ساتھ ایک جھینکا لٹکا دیتے ہیں اور اسمیں مسافر کو بٹھاتے ہیں۔ اس جھینکے میں دو رسیاں بندھی ہوئی ہوتی ہیں ایک رسی کا سرا اس کنارے والے کے ہاتھ میں اور دوسری رسی کا سرا دوسرے کنارے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس طرف کے مسافر کو اس کنارے والا اور اس طرف کے مسافر کو اس کنارے والا اپنی رسی سے کھینچ لیتا ہے۔ م-م-ح

گورچی سے جاکر ہم آٹھ روز میں اِسکرڈو میں پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دارالریاست ہے۔ اور وہاں سے دو دن میں قصبہ چیکر* میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اس ندی کے کنارے آباد ہے جسکا پانی بمنزلہ دوا کے مشہور ہے۔ اور یہاں سے پندرہ روز کے عرصہ میں ایک بڑے بن میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پر ہے پہنچتے ہیں۔ اور پھر پندرہ روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جو اگلے زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا گو بالفعل کاشغر کا رئیس جو رسنده میں رہتا ہے جو ذرا زیادہ شمال کیطرف کاشغر سے دس منزل کے فاصلہ پر ہے

کاشغر سے چین کو کاروانوں کے آنے جانے اور وہاں کے راستوں کا بیان۔

ان سوداگروں نے یہہ بھی بیان کیا کہ شہر کاشغر سے چین تک دو مہینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کاروان چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ جنسیں لیکر جنکا ذکر اوپر ہوچکا ہے ملک اُزبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں اور بعض کاروان ایسے بھی ہوتے ہیں جو چین ہوکر ہند میں آنے کے لئے پٹنہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان تاجروں نے مجھسے یہہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اَور راستہ بھی ہے

---

* یہہ مقام مع اپنے متعلقہ علاقہ کے بالفعل مہاراجہ صاحب والی جموں و کشمیر کی عملداری میں ہے اور گورچی اور چیکر غیر معروف مقام ہیں گر چیکر کا صحیح نام ایک تبت کے رہنے والے نے ہمکو شگر بتایا تھا اور فی التحقیق ایک مستند انگریزی نقشہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہوا ہے مگر گورچی کی بابت کچھ معلوم نہیں ہوسکی علی ہذا القیاس جو رسنده وغیرہ ناموں کا بھی پتہ نہیں لگ سکا ۔ م ح

(اِسکرڈو ۔ اِس ک ر ڈو) (چیکر ۔ چ ے ک ر) (شگر ۔ ش گ ر) (م ح ذ ر)

جو ایک ایسے قصبہ میں ہو کر گزرتا ہے جو ختن سے بجانب ملک کاشغر کی سرحد پر سب سے اخیر شہر ہے آٹھ منزل ہے۔ انھوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منجملہ اور مشکلات کے ایک جگہہ ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدھے میل تک برابر برف ہی برف پر جانا پڑتا ہے۔

ان اطلاعوں کے ناکمل ہونیکی بابت مصنف کا عذر۔

مشفق من۔ یہہ کل واقعات ہیں جنکو میں ایسے لوگوں سے حاصل کر سکا ہوں جنکی نادانی اور جہل رحم کے قابل ہے پس جو حالات اور کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں بلاشک قلیل اور بے ترتیب ہی ہونگے جیسے کہ یہہ ہیں! علاوہ بریں مجھے ایسے مترجموں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جنکو خود میرے سوالات کے سمجھنے اور پھر بیان کرنے اور اُن کا جواب شافی دینے میں دقتیں اور مشکلیں واقع ہوتی تھیں۔

مستر تھیونوٹ صاحب کے پانچ سوال اور اُنکے جواب †

اس موقع پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اِس خط کو جسے ایک کتاب کہنا چاہیئے ختم کر دوں اور دہلی واپس پہنچنے تک آپسے بالکل رخصت ہولوں لیکن میرا شوقِ تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ

† THEVENOT

فرصت بھی ہے اسلئے میں مسٹر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی محقق اور جانکاہی کرنے والے شخص ہیں اور بہ نسبت اُن لوگوں کے جو ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرتے ہیں کتابوں کے مطالعہ ہی سے بڑے بڑے نئے انکشافات اور اہم معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔

پہلا سوال یہودیوں کے کشمیر میں ہونے کی بابت

اُنکا پہلا سوال یہہ ہے کہ آیا یہہ سچ ہے کہ یہودی ایک بہت لمبے عرصہ سے کشمیر میں بود و باش رکھتے ہیں اور آیا اُنکے پاس کتاب مقدس موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اُنکی اور ہماری کتاب عہد عتیق میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں

دوسرا سوال ہندوستان کے موسم برسات کی بابت

دوسرا یہہ کہ جو جو تجربے ہندوستان کے موسم برسات کی نسبت مجھے حاصل ہوے ہیں ! میں اُنکی خدمت میں لکھ بھیجوں۔

تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی موسمی ہوا اور پانی کے بہاؤ کی بابت میں

تیسرا یہہ کہ مشرقی سمندروں میں جو ایک خاص طور کے انضباط اور نظام معینہ کے موافق ہواؤں کا اہتزاز اور پانی کی دھاروں کا بہاؤ رہتا ہے اُنکی نسبت میں اپنی راے اور خیالات ظاہر کروں۔

چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور دولتمندی اور خوشنمائی کے باب میں

چوتھا یہہ کہ کیا ملک بنگالہ واقع میں ایسا ہی زرخیز اور دولتمند اور خوشنما ہے جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے۔

پانچواں سوال دریاے نیل کی طغیانی کی بابت

پانچواں یہہ کہ دریاے نیل کی طغیانی اور چڑھاؤ کے اسباب کی نسبت زمانہ قدیم سے جو ردوقدح چلی آتی ہے میں اسکی نسبت ایک قطعی راے پیش کروں۔

جواب تھیوونٹ صاحب کے پہلے سوال کا۔

اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو مجھکو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیونٹ صاحب کو! میری مراد اُن یہودیوں سے ہے جنکے بارے جانیکی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں یعنی وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سے ہوں جنکو شال*مینیسر نے جلاوطن کیا تھا لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلاے کہ گو بظن غالب بعض وجوہ سے پایا جاتا ہے کہ اُن میں سے

* توریت میں اس شخص کا نام سلمانصار[1] آیا ہے۔ مگر انگریزی مورخ "شال مینے سر[2]" یا "شال مینیزر" لکھتے ہیں یہہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور مشہور شہر بابل اس کا پایہ تخت تھا اسنے سات سو انیس برس قبل از سنہ عیسوی ملک یہودا کے بادشاہ ہوشاع[2] پر جو بنی اسرائیل میں سے تھا مگر بت پرست ہوگیا تھا چڑھائی کی اور اُسکو اپنا باج گزار بنالیا۔ لیکن پھر یہہ سنکر کہ وہ فرعون مصر کے ساتھ سازش رکھتا ہے دوبارہ اُسکے شہر شومرون[3] کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ کے بعد اُسکو فتح کرلیا اور ہوشاع اور اُسکی تمام قوم کے لوگوں کو قید کرکے بابل میں لے آیا اور اُن کی جگہہ بابل کے لوگ آباد کئے۔ اور تیرہ برس سلطنت کرکے آخر وہ بھی اس دنیا سے چل بسا۔ (ماخوذ از ناسخ التواریخ وانسائکلوپیڈیا برطانیکا) س۔م۔ح

(شَ اَلْ مَ نے نِ نے سَ رْ) (SHALMANESER)

---

[1] (سَ لْ مَ اَ نَ غ سَ اَ رْ) سلمانصار
[2] (ہُ وْ شِ شَ اَ ع) ہوشاع
[3] (شُ وْ مْ رُ وْ نْ) شومرون

بعض لوگ پہلے اس مُلک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے کُل باشندے ہندو ہیں یا مسلمان۔ البتہ چین میں غالباً اُس قوم کے لوگ موجود ہیں۔ کیونکہ مینے اپنے پادری صاحب مقتداے فرقہ جیسوئٹ* کے پاس جو دہلی میں رہتے ہیں اِس فرقہ کے ایک پادری صاحب باشندہ جرمنی مقیم شہر پیکن دارالسلطنت چین کے خطوط دیکھے ہیں جنمیں وہ لکھتے ہیں کہ "میری اِس شہر یعنی پیکن میں یہودیوں سے گفتگو ہوئی ہے جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور توریت وغیرہ کتب عہد عتیق اُن کے پاس موجود ہیں۔ اُن کو حضرت عیسیٰ کی وفات کا حال مطلق معلوم نہیں اور اُنھوں نے یہہ خواہش ظاہر کی کہ فرقہ جیسوئٹ کے پادری صاحب کو ہم اپنا کاکان* مقرر کرلیں گے بشرطیکہ پادری صاحب سُور کے گوشت کھانے سے پرہیز کریں" بہرحال کشمیر میں یہودیّت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیر پنجال سے گزر کر جب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہودیوں کی سی دیکھکر مجھے حیرت ہوئی۔ اُنکی صورتیں اور اُن کے طور وطریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کرسکتا ہے سب یہودیوں کی پُرانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی

* اس لفظ کی تحقیق نہیں ہو سکی مگر شاید خاقان ہو جس سے اس جگہ پیشوا اور امام مراد ہو۔ مترجم

* JESUIT

ہی تصور نفرمائی گا۔ ان دیہاتیوں کے یہودی نما ہونے کی
نسبت ہمارے پادری صاحب اور اَور بہت سے فرنگستانیوں
نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے*
دوسری علامت یہہ ہے کہ اِس شہر کے باشندے باوجودیکہ
تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔

تیسرے یہاں یہہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اِس ملک
میں آئے تھے اور بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر انھوں ہی نے پانی
کا راستہ کھول دیا تھا۔

چوتھے یہاں لوگوں کو یہہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر
کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور اُن کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے

پانچویں یہہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا
یہہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پُرانا
مکان نظر آتا ہے اُسکو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے
اُسکو آجتک تخت سلیمان کہتے ہیں۔ ‡

مشفق من! وجوہ مذکورہ کے باعث سے آپ دیکھو گے کہ میں اس بات سے

* کرنل جارج فاسٹر صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے ۱۷۸۳ء میں لکھی تھی! لکھا ہے کہ "جب پہلی بار میں نے کشمیریوں کو کشمیر میں دیکھا تو اُن کے لباس اور چہرے کی ساخت سے جو لمبا اور سنجیدہ طور کا ہے اور اُن کی داڑھی کی وضع سے یہہ خیال کیا کہ گویا میں یہودیوں کے مُلک میں آگیا ہوں" مترجم انگریزی

‡ تعجب ہے کہ ایسی بے سروپا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اُسکو معلوم نہ ہوگا کہ مسلمان اکثر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور اَور پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے نام رکھتے چلے آئے ہیں۔ س۔ م۔ ح

انکار کرتا ہے میں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر نہ بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو اُن کے مذہبی مسائل زمانہ پاکر بگڑ گئے ہوں گے اور آخرکار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بُت پرست بن گئے ہونگے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے بُت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہونگے!

اور یہہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں بمقامات لار اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوآ اور کوچین* کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سنتا ہوں کہ اتھوپیا[۲] میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اتھوپیا کیطرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس ہوے وہاں ایک یہودی الیسا زبردست ہو گیا تھا کہ اُسنے ایک دشوار گزار پہوڑے سے کوہستانی ضلع میں خود مختار ریاست قایم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

جواب تھیونٹ صاحب کے دوسرے سوال کا

ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ مہینے تک گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جلکر بالکل ناقابل زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالی نے

---

* مدراس پریزیڈنسی کے متعلق ساحل مالابار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر بندرگاہ کوچین خاص گورنمنٹ انگریزی کی عملداری ضلع مالابار میں ہے۔ س - م - ح۔

۲ ملک نوبیا یا نوبہ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س - م - ح

(ETHIOPIA اِتھ ی اُو پ ی آ) (NUBIA نُ و ب ی آ)

اپنے فضل و کرم سے اُسکی اصلاح کیواسطے یہہ معقول انتظام کردیا ہے
کہ جولائی میں جب گرمی نہایت ہی شدت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا
شروع ہوجاتا ہے اور متواتر تین مہینے تک برستا رہتا ہے اور اسطرح پر
ہوا میں اسقدر اعتدال آجاتا ہے کہ برداشت کے لایق ہوجاتی ہے اور
زمین بھی ناقابل زراعت نہیں رہتی - مگر یہہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں
ہوتیں کہ ضرور اسی دن یا اُسی ہفتہ میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصاً
دلی میں جہاں میں دیر تک رہا ہوں مینے دیکھا ہے کہ ایک سال کی
بارش دوسرے سال سے کبھی مطابق اور یکساں حالت پر نہیں ہوتی -
چنانچہ بعض اوقات بارشیں دو دو تین تین ہفتے آگے پیچھے شروع
اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں -
مینے ایک مرتبہ یہہ بھی دیکھا ہے کہ دو برس کامل ایسا امساک رہا کہ ایک
بوند بھی نہیں پڑی اور اس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہہ ہوا کہ جدھر دیکھیے
بیماری اور قحط کی مصیبت نظر آرہی تھی - اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے
کہ اس مُلک کے مختلف حصّوں میں برسات اُسیقدر آگے یا پیچھے اور
کمی یا زیادتی سے ہوتی ہے جسقدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب
یا بعید ہیں - مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارومنڈل سے لیکر جزیرہ سرانددیپ
تک ساحل مالابار کی نسبت برسات ایک مہینا پہلے شروع اور ختم ہوجاتی
ہے اور بنگالہ میں چار مہینے تک شدت سے بارش رہتی ہے اور اس
عرصہ میں کبھی کبھی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے

اور تھوڑی دیر کے لئے بھی بارش بند نہیں ہوتی - مگر دہلی اور آگرہ
میں نہ تو اسقدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اُسقدر مدت تک رہتی ہے،
اور اکثر یہہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روز یوہیں خالی گزر جاتے ہیں یا
یہہ کہ صبح کو دن نکلنے کے بعد کوئی نو دس بجے تک اکثر خفیف سی بارش
ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی - میں خصوصاً
اس بات کو دیکھکر بہت متعجب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف
سے مینہہ آتا ہے - مثلاً دہلی اور اُسکے نواح میں مشرق یعنی بنگالہ
کی طرف سے بارش آتی ہے - اور بنگالہ اور ساحل کارومنڈل پر
جنوب کی جانب سے اور ساحل مالابار پر قریباً ہمیشہ مغرب کیطرف
سے - مینے ایک اور بات بھی دیکھی جسکی نسبت تمام ہندوستان میں بلا
اختلاف ایک ہی راے ہے یعنی یہہ کہ جسقدر گرمی کی تپش پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے
اور تھوڑے دنوں یا دیر تک قائم رہتی ہے اُسیقدر برسات بھی پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی اور اُسی نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت
عرصہ تک جاری رہتی ہے اور بلحاظ ان امور کے مجھے یقین ہے
کہ زمین کی گرمی اور اُسکے سبب سے ہوا میں جو خفت آجاتی ہے
وہی ہندوستان میں بارش کا سبب ہے - اور یہی دونوں چیزیں
بارش کو اِس مُلک میں کھینچ کر لاتی ہیں - یعنی آس پاس کی سمندروں
کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف ہوتی ہے اُن بخارات کو اپنے

میں جذب کرکے پُر ہوجاتی ہے جو گرمی کی شدت سے پانی میں سے اُٹھتے ہیں اور قرب وجوار کی ہوائیں جب اُسکو دھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں ہوکر اپنے تئیں طبعاً اُس زمین پر جہاں کی ہوا اُسکی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہوتی ہے اُن بخارات سے خالی کر دیتی ہے اور اُسکا اپنے کو اِن بخارات سے خالی کرنا اُسیقدر کم یا زیادہ قلت و کثرت سے ہوتا ہے جسقدر کہ گرمی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے پڑتی ہے۔ اِس تقریر میں جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں اُن میں اس بات کا خیال کرنا بھی مناسب ہے کہ ساحل مالابار کی نسبت ساحل کارومنڈل پر برسات پہلے شروع ہونے کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے۔ اور اِسکے علاوہ اور باعث ہوں گے جنکا تحقیق کرنا غالباً اُس مُلک کے دیکھنے کی حالت میں شائد مشکل نہ ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصوں میں بلحاظ سمندروں یا پہاڑوں کے اور بہ مناسبت اُنکی ریگستانی یا پہاڑی درختوں اور جنگل سے پُر ہونیکے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش سختی سے پڑتی ہے۔ اور یہہ بات بھی کچھ تعجّب کی نہیں ہے کہ بارش مختلف اطراف سے آتی ہے۔ مثلاً ساحل کارومنڈل پر جنوب کی طرف سے اور ساحل مالابار پر مغرب کی جانب سے کیونکہ یہہ بات ظاہر ہے کہ جو سمندر پاس ہوگا اُسی سے مینہہ آئیگا۔ چنانچہ ساحل کارومنڈل کے پاس جو سمندر ہے وہ اِس سے جنوب کی طرف ہے۔ اور وہ سمندر جو

ساحل مالابار کو سیراب کرتا ہے مغرب کیطرف باب المندب اور عرب اور خلیج فارس کی سمت کو پھیلا ہوا ہے۔ مینے خوب غور کیا کہ اگرچہ بظاہر دہلی میں بادل مشرق کیطرف سے آتے ہیں مگر اُنکی اصل انہیں سمندر سے ہوگی جو جنوب کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے جنکی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاحم ہے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور ایسے ملک میں جا برستے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ ہلکی اور کم مزاحم ہو۔ میں ایک اَور بات بیان کرنی بھول گیا جسکا مجھکو دہلی میں تجربہ ہوا یعنی یہہ کہ کبھی اچھی بارش نہیں ہوتی تا وقتیکہ کئی دن تک بہت سے بادل مغرب کیطرف نہ جالیں۔ گویا یہہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے پچھم میں ہوا کا طبقہ اوّل بادلوں سے بھر جاوے۔ اور پھر ان بادلوں کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو کم گرم اور کم لطیف اور زیادہ بھاری اور قابل مزاحمت ہو روکے یا اَور بادل اور مخالف ہوائیں مقابل ہوکر اُنکو ایسا کثیف اور وزنی کردیں کہ پھوٹ کر برسنے لگیں جس طرح پر کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔

جواب ہیومی نٹ صاحب کے تیسرے سوال کا

جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہوجاتا ہے تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور ٹھنڈی شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ مہینے تک برابر ایک ہی حالت پر بلا طوفان وغیرہ ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس عرصہ میں

کبھی ایک آدہ روز اپنا رُخ بدلتی یا ٹھہرجاتی ہے۔ اور اسکے بعد کوئی دو مہینے تک بیقاعدہ ہوائیں چلتی ہیں جسکو ہم لوگ وسطی موسم اور ڈچ لوگ غیر معین اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور جب یہہ دو مہینے ختم ہوجاتے ہیں تو سمندر پھر اپنا رُخ جنوب سے شمال کو کرلیتا ہے اور جنوبی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے۔ اور چار پانچ مہینے تک اسی طرف سے چلتی رہتی ہے اور سمندر کا بہاؤ بھی اس تمام عرصہ میں بدستور شمال ہی کو رہتا ہے۔ اور اسکے بعد پھر دو مہینے تک وہی وسطی موسم رہتا ہے اور ان وسطی موسموں میں جہازرانی کرنا نہایت مشکل اور خطرناک ہوتا ہے۔ لیکن اُن دونوں معمولی موسموں میں بجز جنوبی ہوا کے موسم کے اخیر حصہ کی جہازرانی کرنا بہت آسان اور خوش آیند اور بلااندیشہ ہوتا ہے پس آپکو اس بات سے متعجب ہونا نہیں چاہیئے کہ ہندوستانی جو بہت ڈرپوک اور فن جہازرانی سے محض ناآشنا ہیں کیسے لمبے اور مفید بحری سفر اختیار کرلیتے ہیں۔ مثلاً بنگالہ سے تناسرم (دھناسری) آچین۔ ملاکا۔ سیام اور میڈی گاسکر۔ کویا مچھلی پٹن۔ سراندیپ۔ جزائر مالدیپ۔ بندر مخا۔ اور بندر عباسی کو اپنے جہاز لیجاتے ہیں۔ اور بڑی احتیاط کے ساتھ جانے اور آنے کے موسم کی عمدگی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر اسپر بھی ایسا ہوتا ہے کہ مناسب وقت سے زیادہ کہیں اٹکے رہنے کی حالت میں باد مخالف سے مغلوب ہوکر تباہ ہوجاتے ہیں۔ البتہ یہہ صورت بعض وقت

فرنگستانیوں کو بھی پیش آجاتی ہے جو بہت دل چلے اور زیادہ تجربہ کار اور واقف ہیں اور جنکے جہازوں کی حالت اور سازوسامان بہت بڑھکر ہیں۔ دونوں وسطی موسموں میں سے وہ موسم جو جنوبی ہوا کے بعد آتا ہے۔ چونکہ اسمیں طوفان اور ناگہانی جھوکے اکثر آتے ہیں ایسا خطرناک ہے کہ اَور کوئی موسم ایسا نہیں ہے۔ اور یہہ جنوبی ہوا اپنے عین موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت زیادہ تُند اور غیر مساوی ہوتی ہے مجھے اس موقع پر یہہ بات بھی بیان کردینی چاہیئے کہ جنوبی ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں گو سمندر میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کناروں پر پچاس ساٹھ میل کے فاصلہ تک ہوا نہایت طوفانی ہوتی ہے۔ پس فرنگستانی اور غیر فرنگستانی جہازوں کی کپتانوں اور ناخداؤں کو اس امر کی بڑی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ ہندوستان کے کسی بندر مثلاً سورت یا مچھلی پٹن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جانکلیں ورنہ اُن کے جہازوں کو زمین سے ٹکرائے جانے کے مخاطرہ میں پڑنا ہوگا۔ پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح پر ہے۔

شمالی اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونے کے اسباب کا بیان

کاش مجھکو ہر ایک نتیجے کے اصلی باعث کر معلوم کرلینے کی قدرت ہوتی! مگر پروردگار عالم کے تمام بھیدوں کا دریافت کرلینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اپنی غور و فکر سے جو راے مینے قائم

کی ہے اُسکی بنیاد چند خیالات پر ہے - چنانچہ خیال اوّل تو یہہ ہے
کہ جو ہوا ہمارے کُرہ کو گھیرے ہوے ہے سمندر اور دریاؤں کے
پانی کیطرح اُسکو بھی ہمارے کُرہ کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہہ دونوں
چیزیں اسکی طرف جھکتی اور ایک ہی مرکز کی طرف میل کرتی ہیں -
جس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہہ چیزیں ہمارے کُرہ سے علیحدہ
نہیں ہیں اور پھر اس سے یہہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ یہہ کُرہ ہوا پانی
اور مٹّی تین چیزوں سے بنا ہوا ہے ! اسکے بعد دوسرا خیال یہہ ہے
کہ ہمارا یہہ کُرہ ایک ایسے خلا میں لٹکا ہوا اور تُلا ہوا ہے کہ جسمیں خالق نے
اپنی مرضی سے اسکو ایسے طور سے رکھدیا ہے کہ اگر یہہ کسی اُور نامعلوم
جسم سے ٹکرا جاے تو اپنی جگہہ سے بآسانی سرک سکتا ہے ! پھر تیسرا
خیال اِس طرح پر ہے کہ جب آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب مثلاً
قطب شمالی کی طرف حرکت کرتا اور اپنی شعاعیں اُسطرف ڈالتا ہے تو
قطب شمالی کو کسیقدر دبانیکے لئے کافی اثر پیدا کرتا ہے اور قطب شمالی
اُسیقدر دبتا جاتا ہے جسقدر کہ سورج اُسکی طرف بڑھتا جاتا ہے - اسی
طرح جسقدر کہ سورج خط استوا کی طرف واپس آتا ہے اُسیقدر قطب شمالی
بتدریج اوبھرنے لگتا ہے - یہاں تک کہ آفتاب کی کرنوں کی طاقت
سے وہی اثر قطب جنوبی کی طرف پیدا ہو جاتا ہے - اب اگر اِن خیالات
کو صحیح فرض کرلیا جاے اور اسکے ساتھ زمین کی روزانہ حرکت پر غور
کیا جاے تو ہندوستانیوں کا یہہ قول بیوجہ نہیں ہے کہ سورج اپنی

ساتھ سمندر اور ہوا کو کھینچتا اور چلاتا ہے کیونکہ اگر یہہ بات سچ ہے کہ
آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب کی طرف جاتے ہوئے زمین
کے محور کی تبدیل حرکت اور اُس قطب کے نیچے کو دب جانے کا باعث
ہوتا ہے تو اسکا یہہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے کہ دوسرا قطب اونچا ہو جاوے
اور سمندر اور ہوا جو دو سیال اور وزن دار جسم ہیں نچان کیطرف بہنے
لگیں! پس میرے نزدیک اِس بات کا کہنا درست ہے کہ سورج
کسی قطب کی طرف جاکر اُسطرف کو سمندر اور ہوا کے بڑے اور باقاعدہ
بہاؤ کا باعث ہوتا ہے اور ہوا کے اِس بہاؤ سے موسمی ہوا پیدا
ہوتی ہے۔ یعنی سورج کے کسی قطب کی طرف جانے اور واپس آنے
کے وقت سمندر اور ہوا میں دو مختلف رفتاریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور
میں خیال کرتا ہوں کہ اِس قیاس کی بنا پر یہہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قطب
شمالی اور جنوبی سے سمندر کے دو بڑے بالعکس بہاؤ ہیں۔ اور
اگر ایک قطب سے دوسرے قطب تک ایک ایسا سمندر ہوتا جو
فرنگستان میں ہو کر گزرتا تو ہم وہاں بھی ہر حالت میں سمندر کی ایسی ہی
دو باقاعدہ رفتاریں پاتے جیسے کہ ہندوستان میں ہیں۔ اور اِس قاعدہ
کے عام نہ ہونے کی یہہ وجہ ہے کہ قطعات زمین کے حائل ہو جانیکے
سبب سے سمندر کا بہاؤ رک کر دوسری جانب کو ہو جاتا ہے جیسے
کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ معمولی جذر و مد اُن سمندروں میں جو بحیرہ
شام کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں رُک جاتا ہے

اور اس خیال کے اعتبار سے میری رائے میں یہ بات بھی کہہ سکتی ہیں کہ ہوا کی یہی دو بڑی اور بالعکس رفتاریں ہیں - اور اگر زمین پورے اور عام طور پر صاف اور برابر اور ایک ہی سی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی رفتاریں بھی عموماً اسی قاعدہ پر ہوا کرتیں -

جواب تھےوی نٹ صاحب کے چوتھے سوال کا -

ہر زمانے میں ملک مصر کو دنیا میں سب سے عمدہ اور زرخیز بیان کیا گیا ہے - بلکہ حال کے مؤرخ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اور ملک میں ایسی خصوصیت کے ساتھ قدرتی سامان موجود نہیں ہیں -

مصنف کا بنگالہ کو مصر پر ترجیح دینا -

لیکن بنگالے میں دو مرتبہ جانے سے جو واقفیت مجھکو اس ملک کی نسبت حاصل ہوئی ہے اس سے مجھکو یقین ہے کہ جو فضیلت ملک مصر سے منسوب کی گئی ہے وہ زیادہ تر بنگالہ کا حق ہے

بنگالہ کے چاول اور اسکے نکاس کا بیان -

بنگالے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ صرف آس پاس کے بلکہ دور دور کے ملکوں کو جاتا ہے - چنانچہ گنگا کے راستہ پٹنہ کو اور سمندر کی راہ سے مچھلی پٹن وغیرہ بنادر ساحل کارومنڈل اور خصوصاً جزیرہ سراندیب اور جزائر مالدیپ کو بھیجا جاتا ہے -

بنگالہ کی کھانڈ اور اسکے نکاس کا ذکر -

اسیطرح کھانڈ وغیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گولکنڈا اور تمام کرناٹک کو جہاں یہ بہت

کم پیدا ہوتی ہے اور مخا اور بصرہ کو ہو کر عرب اور عراق کو اور بندر عباس کے راستہ سے ایران کو جاتی ہے۔

> بنگالہ میں جو مربے بناتے ہیں ان کا ذکر۔

بنگالے کے مربے بھی مشہور ہیں خصوصاً ان مقامات کے جہاں پرتگیز لوگ آباد ہیں اور جو بہت عمدہ مربے بناتے ہیں اور ایک بڑی تجارت کی چیز سمجھے جاتے ہیں چنانچہ وہ میووں میں سے ویسے ہی بڑے بڑے چکوتروں کا جیسے کہ فرنگستان میں ہوتے ہیں اور ایک خاص قسم کی روئید گی کی جڑ کا جو عشبہ کی جڑ کی مانند ہوتی ہے اور آم کا اور اناناس کا جو ہندوستان کے دو عام میوے ہیں۔ اور آملہ اور لیموں اور ادرک کا مربا بناتے ہیں۔

> مصر کی نسبت بنگالہ میں گیہوں کے کم پیدا ہونیکا ذکر

یہہ سچ ہے کہ بنگالے میں مصر کی برابر گیہوں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہہ یہاں کے باشندوں کا قصور ہے جو مصر والوں کی نسبت چاولوں پر زیادہ گزران کرتے ہیں اور روٹی کبھی ہی کھاتے ہیں مگر پھر بھی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے گیہوں کچھ کم نہیں بویا جاتا۔ چنانچہ فرنگستانی اہل جہاز مثلاً ڈچ انگریز اور پرتگیز وغیرہ سستے داموں گیہوں خریدتے اور سمندر کے سفر کے واسطے بسکٹ بناتے ہیں۔

> ترکاری اناج اور کھانیکے جانوروں کے بنگالہ میں کثرت سے ہونیکا ذکر

اس ملک کے لوگوں کی غذا زیادہ تر تین چار قسم کی ترکاری اور چاول اور گھی ہے جو بہت

ہی تھوڑی سی قیمت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایک روپیہ میں بیس ۲۰ سے زیادہ عمدہ مرغ مل سکتے ہیں اور بطخیں اور مرغابیاں بھی اسیقدر ارزاں ہیں۔ بھیڑ بکریوں کی بھی افراط ہے اور سوئر تو اتنے سنتے ہیں کہ جو پرتگیز یہاں آباد ہیں وہ قریباً تمام سوئر ہی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور سنتا جاتا کہ انگریز اور ڈچ بھی اپنے جہازوں کے واسطے نمک لگا کر رکھ لیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تازہ اور نمک سود مچھلی بھی اسی افراط سے ملتی ہے۔

ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ کے بنگالہ میں آبسنے کا ذکر

غرضکہ بنگالے میں معیشت کی ہر ایک چیز افراط سے ہے۔ اور اس افراط ہی کا طفیل ہے کہ بہت سے پرتگیز اور دوسرے یورپین اور اور عیسائیوں نے جنکو ڈچ لوگوں نے اُن کی مختلف نوآبادیوں میں سے نکال دیا ہے اِس زرخیز ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ چنانچہ فرقہ جیسوئٹ اور اگسٹین* کے لوگوں نے جنکی بڑی بڑی مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آزادانہ اور بلا دقت عمل میں لا سکتے ہیں مجھے اِس بات کا یقین دلایا کہ صرف ہوگلی میں آٹھ ہزار سے نو ہزار تک عیسائی بستے ہیں اور اِس ملک کے اور حصوں میں تو اُنکی تعداد پچیس ۲۵ ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اور اِس ملک کی زرخیزی اور عورتوں کے حُسن اور سلیم الطبعی نے پرتگیز۔ ڈچ اور انگریز لوگوں میں یہہ بات زبان زد کر دی ہے کہ "بنگالے میں داخل ہونیکے واسطے تو سو دروازے ہیں مگر نکلنے کے لیئے ایک بھی نہیں"۔

بنگالہ میں روئی - ریشم اور سوتی - اور ریشمی کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر

بلحاظ ایسی عمدہ عمدہ لائق تجارت چیزوں کے جنکے باعث سے غیر ملکوں کے سوداگر کسی ملک کی طرف متوجہ ہوا کرتے ہیں میرے خیال میں بنگالہ کے برابر کوئی ملک نہیں ہے - اور علاوہ اُس قند و شکر کے جسکا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے - اور جسکو قیمتی لائق تجارت اجناس کی فہرست میں درج کرنا چاہیئے اِس ملک میں روئی اور ریشم بھی اسقدر ہوتا ہے کہ اِس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ آس پاس کے ملکوں اور نیز یورپ کا گودام گھر کہنا زیبا ہے - میں بعض اوقات روئی کے ہر قسم کے باریک اور موٹے اور سفید اور رنگدار کپڑوں کی افراط کو دیکھکر حیران ہوتا تھا - جنکو خصوصیت کے ساتھ ڈچ لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجتے ہیں اور انگریز اور پرتگیز اور خاص یہاں کے سوداگر بھی اِن چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں - اور یہی کیفیت ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑوں کی ہے - جسقدر روئی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیہ میں لاہور اور کابل تک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اُسکی مقدار معلوم کرنا ناممکن ہے -

مصنف کا ایران اور شام کے ریشم کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا ---

حقیقت میں یہاں کا ریشم ایسا عمدہ نہیں ہوتا جیسے کہ ایران - شام - صیدا - اور بیروت* کا لیکن یہہ سستا بہت ہے اور میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عمدہ

* ملک فلسطین اور شام کی دو بندرگاہوں کا نام ہے (س - م - ح) ص نے دا - ب تے ر و ث

چھانٹ لیا جاوے اور احتیاط سے صاف کیا جاوے تو اس سے نہایت ہی عمدہ کپڑا بن سکتا ہے۔

بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں کا ہونا

ڈچ لوگوں کے قاسم بازار کے ریشم کے کارخانہ میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں۔ اور اسیقدر انگریزوں اور اور سوداگروں کے کارخانوں میں۔

بنگالہ کے شورہ کا ذکر

بنگالہ شورے کی بھی بڑی منڈی ہے اور گنگا کے راستہ سے بہت سا شورہ پٹنہ سے دساور کو جاتا ہے اور ڈچ اور انگریز شورے کی بہت سی کھیپیں ہندوستان کے مختلف مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں۔

بنگالہ کے گوند افیوں موم وغیرہ دواؤں اور گھی کا ذکر

اس زرخیز ملک سے گوند افیون موم مشابلاکی لکھ پیپل اور اور بہت سی دوائیں حاصل ہوتی ہیں اور گھی جو آپکو ایک ناچیز جنس معلوم ہوگی یہاں اس افراط سے ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر ملکوں کو بھیجے جانیکے واسطے ایک بڑی جسامت کی چیز ہے مگر پھر بھی سمندر کی راہ سے بیشمار باہر کو جاتا ہے

اہل یورپ کو بنگالہ کی آب ہوا کے موافق نہ آنے اور اُس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر

لیکن یہہ بات واجبی ہے کہ یہاں کی ہوا خصوصاً سمندر کے پاس کی اجنبی لوگوں کو شاذ ہی موافق ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈچ اور انگریز لوگوں میں جبکہ پہلے پہل یہاں آکر رہے موت کثرت سے ہوئی اور بندرگاہ بلاسور میں میں نے دو خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو ڈچ

لوگوں کے ساتھ لڑائی ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھہرے رہے تھے دیکھا کہ بہت سے ملّاحوں کے مرجانے کی وجہ سے اس قابل نتھے کہ کہیں کو جاسکیں! لیکن اب یہہ دونوں قومیں بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور موت کم ہوگئی ہے - جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ اُن کے آدمی شراب کو پنچ* بناکر نہ پئیں (جو قندی شراب اور نیبو کے عرق اور پانی اور جایپھل کو ملا کر بناتے تھے اور جسکا ذائقہ گو بہت اچھّا تھا مگر نتیجے مُہلک تھے) اور ہندوستانی عورتوں کے نزدیک نہ جائیں اور شراب اور تمباکو بیچنے والوں سے نہ ملیں - لیکن عمدہ قسم کی انگوری شراب اور شیرازی خام شرابیں - انکو اگر اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب وہوا کے اثر سے بچنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں -

بنگالہ میں راج محل سے لیکر دریا کے کنارے سمندر تک جو ملک ہے اسکی خوشنمائی اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لئے توت کے درختوں کی کثرت کا ذکر

اس مُلک کی خوشنمائی کو بیان کرتے ہوئے اس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہیئے کہ اس مُلک میں جو دریاے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بے شمار نہریں ہیں جو دریاے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اسلیے کاٹی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لیجانے میں آسانی ہو اور گنگا کا پانی جسکو ہندوستانی تمام پانیوں سے اعلیٰ گنتے ہیں

* شراب کے ہر قسم کے مرکب کو جو بغرض تفریح تیار کیا جاتا ہے انگریزی میں پنچ کہتے ہیں PUNCH م م

مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ اِن نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گانوؐں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور اکھ اور غلہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے واسطے کوئی دو تین فرانسیسی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہتوت کے درخت ہیں۔

گنگا کے بیشمار ٹاپوؤں اور اُنکی خوبصورتی وغیرہ کا ذکر

لیکن بنگالے کو اُن بیشمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوؤں کے دریار گنگا میں ہیں اور جنکی وسعت بعض جگہہ چھ سات منزل کی مسافت کی ہے عجیب خوبصورت بنا رکھا ہے۔ اِن ٹاپوؤں کی وسعت کم وبیش ہے۔ لیکن سب نہایت زرخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور میوہ دار درختوں اور اناناس سے پُر اور سبزے سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ ہزاروں نہریں اتنی دُور تک کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی اِن میں جاری ہیں اور ایسی معلُوم ہوتی ہیں کہ گویا لمبی لمبی روشیں درختوں کی محرابوں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

بنگالہ کے سمندر کے قریب کے غیر آباد جزیروں کا ذکر۔

سمندر کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر آراکان کے قزاق لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جنکا ذکر اوپر کسی مقام پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل اُجاڑ پڑے ہیں جہاں بجز ہرنوں اور جنگلی سوروں اور پرندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے

پھر کر دوسرے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جاندار مخلوق نظر نہیں آتی - چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر دریاے گنگا کو عبور کرتے ہوئے (جو ان جزیروں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے) اکثر مقامات میں خشکی پر اُتر پڑنا پُر خطر ہے - اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ رات کو جو کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جاے تو کنارے سے کچھ فاصلہ پر رکھنا چاہیے کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہہ خونخوار جانور جب لوگ سوے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور بقول اس مُلک کے ملّاحوں کے (بشرطیکہ سچ ہو) کسی ایسے آدمی کو پہچان کر اُٹھا لیجاتے ہیں جو سب سے موٹا تازہ ہو -

ہیپلی سے ہوگلی تک دریا میں مصنف کے ایک سفر کرنے کا ذکر

مجھے وہ نو۹ دن کا دریائی سفر یاد ہے جو میں نے ہیپلی سے ہوگلی تک ان جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا - کیونکہ اُس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ پیش نہ آیا ہو - ان جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈانڈ والی کشتی دریاے ہیپلی سے نکلکر دس پندرہ۱۵ میل سمندر میں بڑھ گئی تو ہمنے سمندر کو مچھلیوں سے جو ظاہرا بڑی کارپ کی قسم کی معلوم ہوتی تھیں

کارپ اور ڈالفن مچھلیوں کا ذکر

اور جنکے پیچھے تعاقب کے طور پر کثرت سے ڈالفن*

* صاحب فرہنگ رشیدی نے اِسکا تلفظ دُلفین لکھا ہے اور اُسکی عادت جو ظاہرا ایک افسانہ ہے یہہ

مچھلیاں لگی چلی آتی تھیں بھرا ہوا دیکھا میننے اپنے آدمیوں سے کہا
کہ کشتی کو ان کی طرف لے چلیں اور میننے دیکھا کہ بہت سی مچھلیاں پہلو
کے بل اس طرح پڑی ہوئی ہیں جیسے مُردہ اور بعض کچھ کچھ حرکت کرتی
تھیں اور بعض نزع کی حالت میں بیہوش پڑی لوٹتی تھیں چنانچہ ہم
لوگوں نے جو بیس مچھلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑلیں اور دیکھا کہ ہر ایک
کے مونہہ سے ایک پھکنا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کارپ[٢] مچھلی کے ہوتا
ہے اور اسمیں ہوا بھری ہوئی ہے اور اُسکا ایک سرا سرخی نما رنگ کا
ہے۔ میننے آسانی سے معلوم کرلیا کہ یہی پھکنا مچھلیوں کو ڈوبنے نہیں
دیتا۔ مگر یہہ بات بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کو کیوں لٹک رہا
تھا۔ لیکن شاید یہہ سبب ہو کہ ڈالفن[†] مچھلیوں نے دیر تک اِنکا سخت
تعاقب کیا تو ان بیچاریوں نے اپنے بچاو کی خاطر یہاں تک اپنا
لہو پانی ایک کیا کہ اِن کا پھکنا پھول کر سُرخ ہو گیا اور مونہہ سے باہر

حاشیہ: یہہ لکھی ہے کہ ڈوبے ہوے آدمی کو دریا سے نکال کر کنارے پر ڈال دیتی ہے چنانچہ اسکی
اسی عادت کے اعتبار سے شیخ ابراہیم ذوق نے بھی اپنی ایک مثنوی میں محبوب کے بازوں
کی تعریف میں لکھا ہے " مچھلی بازو کی ماہی دلفین + غرقہ کشش بحر خوں سے مردم عین "
اور کتاب مخزن الادویہ میں اسکی نسبت یہہ عبارت لکھی ہے کہ " اسم یونانی است وبعضی
گفتہ اند بلغت رومی (یعنی لیٹن) اسم نوعی از سمک است کہ بعربی خنزیر البحر ولبنا سی
خوک ماہی بینی دراز و بہ دیلمی گجہ ماہی و بہندی سُنوس نامند" اور انگریزی کتابوں
میں یہہ ہے کہ یہہ لفظ لیٹن زبان کا ہے اور انہوں نے اسکو ایک قسم وھیل[§] مچھلی کی
لکھا ہے اور وہ یہہ بھی لکھتے ہیں کہ جب طوفان آنے کو ہوتا ہے تو یہہ مچھلی اُچھلنے کودنے لگتی

٢ CARP † DOLPHIN § WHALE

نکل پڑا - مینے اس امر کا ذکر سیکڑوں جہاز رانوں سے کیا مگر کسی نے یقین نہیں کیا - البتہ ایک ڈچ ملاح نے مجھسے کہا کہ چین کے کنارے پر جبکہ میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو مینے بھی ایک ایسی ہی ہوا دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی مچھلیوں کو پکڑ لیا تھا۔

مصنف کا ایک رات کو قمری قوس قزح دیکھنا

اگلے دن ہم کچھ دیر کرکے ان جزیروں میں پہنچے اور ایک ایسی جگہہ پسند کرکے جہاں شیر کا خوف نہ تھا خشکی پر اتر پڑے اور آگ روشن کرکے اور مینے اپنے نوکروں کو کہکر دو مرغ اور کچھ مچھلیاں تیار کرائیں اور خوب مزے سے کھانا کھایا - اور مچھلیاں فی الواقع لذیذ تھیں مینے پھر کوچ کیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہونے تک برابر چلے چلیں کیونکہ ان نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ بھول جانے کا خوف تھا - اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کرکے ہم بڑی نہر میں سے اسمیں چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے معقول فاصلہ پر ایک درخت کے موٹے مُنڈھے سے باندھ کر رات بسر کی - اور جبکہ میں نگہبانی کے لئے جاگ رہا تھا تو مینے آسمان میں ایک عجیب صورت دیکھی جیسے کہ دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا یعنی ایک قمری قوس* قزح دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھکر بہت

بقیہ حاشیہ ہے جس سے ملاح ہوشیار ہو جاتے ہیں اور [illegible] اسے [illegible] کہتے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ [illegible] قریب [illegible] [illegible]

* قمری قوس قزح کو بعض [illegible] لوگوں نے بھی [illegible] ہے چنانچہ کتاب [illegible]

متعجب ہوئے خصوصاً دو پرتگیز جو کشتیوں اور جہازوں کے معلم یعنی رہنما تھے اور جنکو میں نے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ چڑھا لیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمنے ایسی قوس نہ کبھی دیکھی نہ سنی! تیسرے دن ہم ان نہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہمکو بعض پرتگیز جو ایک جزیرے میں نمک بنا رہے تھے نہ ملتے تو میں نہیں جانتا کہ ہمکو سیدھا راستہ کیونکر معلوم ہوتا۔ اس رات کو جبکہ ہماری کشتی ایک چھوٹی سی محفوظ کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے پرتگیز رفیقوں نے جو شب گزشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال میں اپنی نظر ہر وقت آسمان کی طرف لگائے ہوئے تھے مجھکو نیند سے جگایا اور ویسی ہی قوس قزح پھر دکھائی جیسی کہ ہمنے کل رات دیکھی تھی۔ یہ اگکو خیال نہ کرنا چاہیے کہ میں غلطی سے چاند کے ہالہ کو قوس سمجھتا ہوں! نہیں میں ہالے کو خوب جانتا ہوں کیونکہ بمقام دہلی برسات میں کوئی ایسا مہینا نہیں ہوتا جسمیں اکثر

میں (جسکو علما و فضلا کی ایک کمیٹی نے بحکم ناصرالدین شاہ بادشاہ حال ایران مشہور و معروف اہل علم کے تذکرے کے طور پر تالیف کیا ہے اور خوش قسمتی سے مطبع شاہی طہران کی چھپی ہوئی ہمارے کتبخانہ میں موجود ہے) ابن بطلان طبیب کے تذکرے کی ذیل میں لکھا ہے کہ شاہزادہ علی قلی میرزا وزیر علوم (ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ایران) نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ سن بارہ سو اٹہتر ۱۲۶۶ ہجری میں جبکہ ہم وبا کے خوف سے بادشاہ کے ساتھ موضع آہامہ میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے ایک رات کو جو شب ماہ تھی اور خفیف سا ترشح ہو رہا تھا آدھی رات کے وقت جو میں ایک کام کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاند افق کے قریب ہے اور اسکے مقابل مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے۔ چونکہ دیکھنا تو کیا چاند سے قوس کا پڑنا کبھی سنا بھی نہ تھا مجھکو نہایت حیرت ہوئی اور میں نے امیرزادہ محسن میرزا اور ملا علی محمد اصفہانی اور حکیم قاآنی اور شمس الشعرا سروش اور جناب نصیرالدولہ میرزا عبدالوہاب خان وزیر تجارت کو جو میرے

چاند کے گرد ہالہ نظر نہ آئے - لیکن ہالہ اُسی وقت نظر آتا ہے جبکہ چاند اُفق سے بہت بلند ہو چنانچہ میں تین چار رات تک متواتر دیکھتا رہا ہوں اور بعض اوقات دوہرا ہالہ بھی دیکھا ہے مگر جس قوس کا میں ذکر کرتا ہوں وہ چاند کے گرد کوئی ہالہ نہ تھا بلکہ وہ چاند کے مقابل اُسی طرح جیسے آفتاب کی قوس ہوتی ہے تھی - چنانچہ جب کبھی میں نے قمری قوس کو دیکھا تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو شرق میں - اور چاند قریباً پورا تھا - کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اُسکی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی یہ قوس ہالے کی طرح سفید نہ تھی اور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طرح طرح کے رنگ بھی اُس میں نمودار تھے - پس آپ دیکھتے ہیں کہ ہم متقدمین کی نسبت زیادہ خوش نصیب ہوں جنہوں نے ارسطو کے قول کے بموجب اُس کے زمانے سے پہلے قمری قوس قزح کا ہونا بیان نہیں کیا -

تتمہ حاشیہ - سے تھے جگا کر دکھایا اور وہ بھی متعجب ہوئے اور پھر میںنے اس کا ذکر جو اکثر اہل کمال سے کیا تو میں دیکھتا تھا کہ وہ بظاہر ہاں ہاں تو کرتے تھے مگر دل سے اسکا اُنکو یقین نہ تھا - اسکے بعد میں نے کتاب تاریخ الحکما میں قمری قوس کا ہونا پڑھا جس سے مجھکو نہایت تقویت ہوئی اور ہمیشہ میں اپنے قول کی صداقت کی خاطر اس کتاب کا حوالہ دیتا تھا - مگر چونکہ مجھکو ہمیشہ اسکی تحقیق کا خیال تھا میں نے علم طبیعیات کی کئی کتابوں میں دیکھا کہ حکماء فرنگستان میں سے کئی شخصوں نے قمری قوس کو دیکھا ہے - چنانچہ کتاب فزیک کانو کا مصنف لکھتا ہے کہ سورج کی طرح چاند سے بھی قوس پڑتی ہے مگر قمری قوس کے رنگ بہت ہلکے ہوتے ہیں اور کتاب فزیک راکن میں جو چار جلدوں میں ہے لکھا ہے کہ قمری قوس کے رنگ بہ نسبت آفتاب کے چاند کی روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کم متمیز ہوتے ہیں اور ایک اور کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ ماہ ستمبر ۱۸۴۸ء میں شہر شوٹزر میں جو ملک فرانس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی - ۱۲ س م خ

رفزیک کانو - فزیکل ٹریٹائز - فزیک راکن - ... ... شوٹزر - ...

مصنف کا اثنائے سفر میں رات کو عجیب غریب روشنیوں کا دیکھنا

چوتھے روز کی شام کو معمول کے موافق ہم بڑی نہر میں سے ایک محفوظ جگہہ میں چلے آئے اور وہاں ہمنے ایسی رات کاٹی جو معمولی طور کی نتھی! ہوا نام کو بھی نتھی! اور گرمی اور اُمس کا یہہ عالم تھا کہ دم لینا مشکل تھا۔ اور آس پاس کی جھاڑیوں میں جگنو اس کثرت سے چمکتے تھے گویا آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور ہر لمحہ شعلوں کی طرح آگ نکل نکل کر ہمارے ملّاحوں کو ڈراتی تھی جنکو یقین تھا کہ یہہ سب جن بھوت ہیں۔! ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتیں بہت عجیب و غریب تھیں یعنی ایک تو بڑا آتشیں گولا جو اُسقدر عرصہ سے جو دعای پیٹر ناسٹر* کے پڑھنے میں گزرتا ہے زیادہ دیر تک قائم رہا! دوسرا ایک چھوٹا سا درخت جو پاؤ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک رہا

پانچویں رات کا سخت طوفان اور بارش میں بسر ہونا۔

پانچویں دن کی رات بڑے ہی خوف و خطر میں گزری! ایسی سخت ہوا آئی کہ گو ہم اپنے خیال کے موافق درختوں کے نیچے بڑی محفوظ جگہہ میں تھے اور کشتی بھی احتیاط سے بندھی ہوئی تھی مگر لنگر کا رسّا ٹوٹ گیا۔ اور اگر میں اور میرے وہ دونوں پرتگیز ساتھی دفعتاً اپنے بازو درختوں کے ٹہنوں میں ڈالکر اُنکو دو گھنٹے تک یعنی جب تک کہ وہ طوفانی ہوا برابر شدت سے چلتی رہی بڑے زور سے نہ پکڑے رہتے تو بالضرور ہم بڑی نہر میں جا گرتے اور آخر کار وہیں مرجاتے۔ کیونکہ ہندوستانی ملّاحوں سے جن پر بالکل خوف چھا رہا تھا کسی طرح کی اُمید نہ تھی۔ اِسوقت ہماری حالت بڑی

Pater noster

* عیسائیوں کے رومن کیتھلک فرقہ کی ایک دعا کا نام ہے ۔ س ح م ح

بڑی دردناک تھی! مینہ اِس شدّت سے پڑ رہا تھا کہ کشتی میں گویا ڈول کے ڈول پانی کے گر رہے ہیں۔ اور بجلی کی چمک اور کڑک ہمارے سروں کے آس پاس اور اسقدر تھی کہ ہم اُس ہولناک رات کو اپنی جانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ اگر ہمارا باقی سفر ایسی عمدگی سے گزرا کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہو نویں روز ہم ہوگلی میں پہنچے اور اِس خوشنما مُلک کو دیکھ دیکھکر جس میں سے ہمارا گزر ہوا میری آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔ مگر میرا صندوق اور تمام پہننے کے کپڑے بھیگ گئے تھے اور مرغیاں مرگئیں۔ اور مچھلیاں تلف ہو چکی تھیں اور تمام بسکٹ مینہ سے تر ہو گئے تھے۔

جواب تھیوڈر نٹ صاحب کے پانچویں سوال کا

میں نہیں جانتا کہ میرے اِس پانچویں سوال کا حل قابل اطمینان ہوگا یا نہیں۔ لیکن جو رائیں میں پیش کرونگا وہ باعتبار اسکے ہیں کہ میں نے دریاے نیل* کی طغیانی کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور اپنی تمام غور و فکر اس مضمون پر صرف کی ہے اور ہندوستان

---

* اس غرض سے کہ دریاے نیل کے منبع وغیرہ کی بابت مصنف کے بعد کے زمانے میں جو تحقیقاتیں عمل میں آئی ہیں اس مضمون کے ساتھ ناظرین اُنکو بھی پڑھیں ہم تاریخ مصر کی جو سائنٹفک سوسائٹی علیگڈہ نے ڈاکٹر رولن صاحب کی تاریخ اقوام قدیم میں سے انتخاب کرکے باضافہ بعض تحقیقات جدید اور حاشیوں کے سنہ ۱۸۶۴ء میں چھاپا تھا عبارات ذیل نقل کرتے ہیں۔ س م ش

دریاے نیل کی طغیانی کا بیان

مصر میں دریاے نیل بھی ایک عجیب چیز ہے۔ اس ملک میں مینہ بہت ہی کم برستا ہے۔ مگر اسکی طغیانی سے تمام ملک سیراب ہو جاتا ہے۔ اور مینہ برسنے کی کمی سے جو نقصان ہوتا ہے اسکا بدلہ یہ دریا دیتا ہے۔ کیونکہ اور ملکوں کی بارش کو بطور محصول کے جمع کر کر مصر میں پہنچا دیتا ہے چنانچہ ایک شاعر نے مصر کے کھیتوں کے حق میں خوب کہا ہے شعر عجیب طور کی [illegible]

نیں بھی بعض ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے
کچھ آسانی ملی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی بالضرور اُس مشہور و معروف

کرتے ہیں قسطنطین بادشاہ کی وہاں نہ تھی پیدا ہوا - اس فیض رسان دریا سے زیادہ فائدہ اُٹھانیکے لیے
مصریوں نے میدانوں کے اندر دو پاروں مناسب مناسب موقعوں پر بیشمار نہریں نہایت مناسب
حیثیت و طول کی بنائی تھیں اور نہروں کے ذریعے سے دریاے نیل اپنی فیاض دھاروں سے ہر جگہ
کو فیض پہنچاتا تھا اور وہاں کی راہ سے لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پر چلنے اور خشکی کے سفر کی مصیبت جانتے
رہتے تھے گویا اس دریا نے شہروں کو پاس پاس کر دیا تھا - اور دریاے قلزم کو بحیرہ روم
سے ملا دیا تھا اور اس سبب سے ملک کی اندرونی و بیرونی تجارت بہت رونق پر تھی اور دشمنوں
سے بھی ملک محفوظ تھا ان سب باتوں کے سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہہ دریا مصر کا مربی
اور اسکا بہت بڑا محافظ ہے - مصر والے کھیتوں میں دریا کے پانی کو جانے سے نہ روکتے
تھے مگر شہروں میں جو بڑی محنت سے بنے تھے اور چو طرف پانی بھر جانے سے جزیرہ نیل
کی طرح دکھائی دیتے تھے پانی نہیں جا سکتا تھا وہاں کے رہنے والے اُن میدانوں کو جو دریاے
نیل کے پانی سے بھر جاتے تھے اپنے اپنے مکانوں پر چڑھکر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے -

نہریں

دریاے نیل کے مخرج کا بیان

متقدمین خیال کرتے تھے کہ دریاے نیل کا مخرج اُن پہاڑوں میں ہے جو کوہ قمر کے نام سے
مشہور ہیں اور جو خط استوا سے دس درجہ عرض جنوبی میں واقع ہیں - تقویم البلدان میں
بو علی سینا کا یہہ قول لکھا ہے کہ دریاے نیل تمام دُنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے مگر یہہ
پُرانے زمانہ کی بات ہے یورپ کے سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے جو نئی نئی تحقیقاتیں
کی ہیں اُن سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریاے نیل سے بڑے اور
لمبے ہیں سب سے بڑا دریا دنیا میں آمریکہ کے ملک میں امیزان ہے اور دریاے نیل کی لمبان
سے دوگنے سے بھی زیادہ لمبا ہے - دریاے نیل کا مخرج اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں
ہوا تھا عربی جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل ویرانہ ہے اور
اس سبب سے وہاں کا حال دریافت نہیں ہو سکتا اور جو کچھہ یونانیوں نے لکھا ہے اُس سے زیادہ
کچھہ معلوم نہیں ہوا - رولن صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے سیاحوں نے یہہ تحقیق کیا ہے
کہ خط استوا سے بارہ درجے عرض شمال میں اسکا منبع ہے اور اس سبب سے متقدمین کی

شخص[†] کو حاصل نہ ہوئی ہوگی جس نے بغیر اس کے کہ ملک مصر میں سیاحت
کی ہو صرف اپنی ذہانت اور سیر کتب او مطالعہ کی رو سے اس تجیب

حاشیہ

تحقیقات کی بہ نسبت اس دریا کی لمبان کو قریب بارہ یا پندرہ سو میل کے کم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دریاے نیل نکلتا ہے ایک بڑے پہاڑ کی جڑ میں سے جسکا نام کوہ قمر ہے۔ مملکت ابی سینیا میں واقع ہے مگر زمانہ حال میں انگلستان کے شاہی جغرافیہ کی سوسائٹی نے اس دریا کے مخرج دریافت کرنے کو بہت سی کوششیں کیں۔ اور کپتان اسپیک صاحب تین دفعہ اس کا مخرج دریافت کرنے کو افریقہ میں گئے۔ اخیر سفر ان کا سنہ ۱۸۵۸ء میں تھا انہوں نے اپنے سفروں میں عین خط استوا کے نیچے ایک بہت بڑی جھیل پائی۔ وکٹوریا نینزا اسکا نام رکھا۔ انکے نزدیک وہی جھیل درحقیقت دریاے نیل کا مخرج ہے جنوبی سرا اس جھیل کا قریب تیسرے درجہ عرض جنوبی کے واقع ہے۔ جو گویا سرا دریاے نیل کا ہے۔ اس حساب سے دریاے نیل چونتیس ۳۴ درجوں کی لمبان میں یعنی دو ہزار تین سو میل کے طول میں بہتا ہے اس جھیل کے جنوبی سرے سے مغرب کیطرف آو تو کٹنگول نامے ایک دریا ملتا ہے جو اس جھیل میں پڑتا ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کہتے ہیں کہ اس دریا سے اور دریاے نیل سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر جھیل کے اسی جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے۔ کیونکہ عرب کے سیاحوں سے انہوں نے تحقیق کیا کہ کوہ کلی مانجارہ کے مغرب کی طرف نمک کی جھیلیں اور نمک کے میدان ہیں اور پہاڑی ملک ہے پانی کی بہت قلت ہے کبھی کبھی کوئی چھوٹی ندی بہ آتی ہے۔ اس جھیل کے شمالی کنارے سے دریاے نیل نکلتا ہے اس جھیل کے شمال مشرق کو ایک اور جھیل ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کا وہاں تک جانا نہیں ہوا۔ مشہور ہے کہ وہاں ایک آبنا ہے جو ان دونوں جھیلوں کو ملا دیتی ہے۔ اس پچھلی جھیل سے بھی ایک دریا نکلتا ہے جسکا نام آسو ہے اور تخمیناً سوا تین درجہ عرض شمالی تک بہکر دریاے نیل میں مل جاتا ہے۔ وکٹوریا نینزا جھیل کے شمالی کنارے میں سے تین دھاریں نکلتی ہیں اور تھوڑی دور بہکر سب آپسمیں مل جاتی ہیں اور ایک دریا یعنی دریاے نیل ہو جاتا ہے۔ انمیں سے مشرقی دھار اس طرح پر نکلی ہے کہ جھیل میں سے ایک حصہ پانی کا شمال کیطرف نکلا ہے اسپیک صاحب نے اسکا نام نپولین جینل فرانس کے بادشاہ کے نام پر رکھا ہے،

† مسٹر تھیوسوفسٹ سے مراد ہے۔ س۔ م۔ س

مسافت میں ایک عمدہ اور عالمانہ تحریر کی ہے۔

مصنف کو دہلی میں شاہ حبشیا کے سفیروں سے حبشیا کے حالات کا دریافت کرنا

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب حبشیا کے دو سفیر دہلی میں آئے تھے تو میرے آقا دانشمند خاں جنکو معلومات حاصل

[illegible] جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی نے [illegible] تحقیق [illegible] کے [illegible] انکو سونے کا تمغہ [illegible] جسکا عرض چار [illegible] پانی کی نہایت زور سے [illegible] ایک بڑی جھیل [illegible] اور وہ بھی بیالی [illegible] ہے۔ کپتان سپیک صاحب نے اس پر [illegible] کا نام [illegible] کیونکہ جب [illegible] دریائے نیل کے مخرج کی تحقیقات کر رہے تھے تو انکو اسکے [illegible] جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی کے [illegible] تھے۔ کپتان اسپیک صاحب کے نزدیک [illegible] ضروری امر متعلق جغرافیہ درباب تحقیق [illegible] ہو چکے ہیں۔ [illegible] محققین کے نزدیک ابھی [illegible] زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

دریائے نیل کی آبشاروں کا بیان

جن مقاموں میں کہ دریائے نیل سخت پتھروں میں ہوکر درست نیچے گرتا ہے انکو آبشار کہتے ہیں۔ ملک مصر میں آنے سے پہلے یہہ دریا حبشیا کے جنگل میں آہستہ آہستہ بہکر آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت زور و شور سے بہتا ہے اور رفتہ رفتہ ان کاوٹوں سے نکل کر اور چند پہاڑوں سے گذر کر اسقدر زور شور سے بہتا ہے کہ اسکی آواز دور دور سے سنائی دیتی ہے۔ اس ملک کے رہنے والے جنکو اس دریا میں آنے جانے کی عادت ہوگئی ہے ان لوگوں کو جو یہاں سیر کرنے کو آتے ہیں ایک عجیب تماشا دکھاتے ہیں جنمیں بہ نسبت دل لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک چھوٹی سی ڈونگی میں دو آدمی بیٹھکر دریا میں جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ڈونگی کھیتا ہے۔ اور دوسرا ڈونگی میں سے پانی الیچتا جاتا ہے۔ بہت دیر تک وہ ڈونگی لہروں کی تیزی سے ٹکراتی ہے مگر وہ لوگ ہر طرح کا صدمہ اٹھاکر اور ڈونگی کو ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے قابو میں لاکر تیز دھارے میں لیجاکر بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں اور تیر کی طرح اسمیں سے نکل جاتے ہیں۔ خوف زدہ تماشائی والے یہہ گمان کرتے ہیں کہ جس بلندی سے ان لوگوں نے اپنی ڈونگی کو چھوڑا ہے

کرنے کا ہمیشہ شوق رہتا ہے اُنکو اکثر دعوت کی تقریب سے اپنے ہاں
بُلا لیتے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مجلس ہوتا تھا- اور اس سے

نیچے جاکر وہ لوگ ڈوب گئے لیکن وہ لوگ جب اصلی دھار پر جا پڑتے ہیں تو بہت دور تک بہ جاتے ہیں اور جہاں پانی دھیما ہوجاتا ہے وہاں سے نکل آتے ہیں اس عجیب تماشے کا بیان سینکا صاحب نے کیا ہے اور حال کے زمانہ کے سیاح بھی اسکی تصدیق کرتے ہیں-

دریاے نیل کی طغیانی کے سببوں کا بیان

اگلے زمانہ کے لوگوں نے مثل ہیروڈوٹس اور ڈایوڈورس اور سیکوٹس اور سنیکا صاحب کے دریاے نیل کی طغیانی کے باریک باریک سبب بیان کئے ہیں- لیکن وہ پُرانی باتیں اور صرف ناتحقیق خیالات تھے حال کے زمانہ میں کچھ زیادہ التفات کے لائق نہیں رہے- اس زمانہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اتھیوپیا میں جہاں سے یہہ دریا آتا ہے نہایت کثرت سے بارش ہونے کے سبب دریاے نیل کو اسقدر طغیانی ہوتی ہے کہ اوّل اتھیوپیا کو اور اُسکے بعد مصر کو غرق کر دیتا ہے اور یہہ ہی دریا اس بارش کے سبب سمندر بنکر تمام مُلک میں پھیل جاتا ہے- سٹرے بو صاحب کہتے ہیں کہ متقدمین کا صرف یہہ قیاس تھا کہ نیل کی طغیانی اتھیوپیا میں کثرت سے بارش ہونیکے سبب سے ہوتی ہے- لیکن اس قیاس پر وہ یہہ بات زیادہ کرتے ہیں کہ بہت سے سیاحوں نے اُسکو اپنی آنکھہ سے دیکھا ہے- چنانچہ توبھی فلیڈلفس یعنی بطلیموس ثانی بادشاہ مصر نے جو علوم اور فنون کی تحقیقات میں نہایت شوق رکھتا تھا اس امر کی تحقیقات کے لئے نہایت قابل قابل شخصوں کو وہاں بھیجکر اس امر کو تحقیق کیا تھا-

دریاے نیل کی طغیانی کے موسم کا بیان

ہیروڈوٹس صاحب اور اسی طرح ڈایوڈورس اور سیکوٹس صاحب اور بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریاے نیل گرمی کے موسم میں یعنی ماہ جون کے اخیر میں بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے اخیر تک روز بروز بڑھتا جاتا ہے- اور اکتوبر اور نومبر میں رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آجاتا ہے- اس زمانہ کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصلی سبب اس دریا کی طغیانی کا ہے اُسی پر اُسکی بنیاد ہے اور وہ سبب وہی اتھیوپیا کی بارش ہے- جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے مہینے میں وہاں بارش شروع ہوتی ہے- اور پانچ مہینے تک یعنی اگست کے نصف اخیر یا ستمبر کے نصف اوّل تک برابر بارش

نواب صاحب کی اصل غرض یہہ ہوتی تھی کہ اُن کے مُلک کی حالت اور حکومت کی وضع سے واقفیّت حاصل کریں۔

رہتی ہے۔ اسلیے مصر میں دریاے نیل کا چڑھاؤ تین ہفتے یا ایک مہینے بعد ابی سینیا میں بارش شروع ہونے سے ہوتا ہے۔ سیاحوں کا قول ہے کہ دریاے نیل مئی کے مہینے سے بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ مگر اوّل نہایت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور اپنے کناروں سے باہر نہیں نکلتا اور جون کے ختم ہونیکے قریب تک بھی اسمیں طغیانی نہیں ہوتی۔ ہیرو ڈوٹس صاحب کہتے ہیں کہ اسکے بعد جو تین مہینے آتے ہیں اُنہیں تین مہینوں میں اس دریا میں طغیانی ہوتی ہے۔ اگلے مصنفوں کی اصل کتابوں میں ایک اختلاف ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں ہیروڈوٹس اور ڈایوڈورس ایک طرف ہیں اور سٹرے بو صاحب اور پلے نی صاحب اور سولینس صاحب دوسری طرف ہیں۔ یہہ تینوں صاحب دریاے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ تین مہینے یا سو دن میں کنارے کے باہر کی زمینوں میں سے لوٹ جاتا ہے اور زیادہ تر تعجب یہہ ہے کہ پلے نی صاحب اپنی راے کی بنیاد ہیروڈوٹس کی گواہی پر قایم کرتے ہیں۔

دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی کا بیان

پلے نی صاحب بیان کرتے ہیں کہ طغیانی کے دنوں میں دریاے نیل ٹھیک چوبیس فٹ اونچا چڑھ جاتا ہے۔ جبکہ اُسکا چڑھاؤ اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فٹ اونچا آتا ہے تو مُلک میں قحط سالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جبکہ چوبیس فٹ اونچا چڑھاؤ آتا ہے تو غرق کا اندیشہ ہوتا ہے۔ شہنشاہ جولین نے ایک چِٹھی موسومہ ایکڈیشیس مورخہ بیسویں ستمبر ۳۶۲ء میں دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی بائیس فٹ لکھی ہے۔ دریاے نیل کے چڑھاؤ کی بلندی میں باہم متقدمین کے اور نیز زمانہ حال کے مورخوں میں اتفاق نہیں ہے۔ مگر بہت سا تفاوت بھی اُن میں نہیں ہے۔ اور اُسکے سبب یہہ ہوں گے! اوّل یہہ کہ اگلے زمانہ کے اور زمانہ حال کے پیمانوں میں شاید کچھ تفاوت ہو جسکا دریافت کرنا مشکل ہے۔ دوسرے متقدمین مورخوں نے بے پروائی سے اپنے بیانوں کو لکھا ہو۔ تیسرے یہہ کہ خود نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ وہ دریا جسقدر سمندر کے پاس آتا جاتا ہے اُسکے چڑھاؤ کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے جو کہ مصر کے مُلک کی زرخیزی دریاے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی اسلیے مصریوں نے اُس کے

دریائے نیل کے منبع کی بابت تھیوسوفیا کے سفیروں کا بیان-

چنانچہ علاوہ اور باتوں کے ہمنے اُن سے دریائے نیل کے منبع کی نسبت جسکو وہ اباباٹیل کہتے ہیں بہت گفتگو کی اُنہوں نے کہا کہ اسکے منبع کا حال تو کسی کو نہیں

چڑھاؤ کے تمام حالات کو اور اُسکے مختلف درجوں کو بخوبی غور کیا تھا اور ایک مدت تک باقاعدہ امتحانوں سے جو بہت سے برسوں میں ہوئے تھے خود دریائے نیل کے چڑھاؤ سے یہہ بات معلوم ہونے لگی تھی کہ اس سال میں چڑھاؤ سے کیسی فصل پیدا ہوگی۔ مصر کے بادشاہوں نے شہر ممفس میں ایک پیمانہ لگایا تھا اور اُسپر دریائے نیل کے چڑھاؤ کے مختلف درجے لکھے تھے- اور اُن درجوں پر حساب کرکر تمام مُلک مصر میں اطلاع دیجاتی تھی کہ اگلی فصل میں کیا نقصان آویگا یا کیا فائدہ ہوگا- سٹریبو صاحب کہتے ہیں کہ اسی مطلب کے لئے شہر سیین کے قریب دریائے نیل کے کنارے پر بھی ایک کنواں بنا ہوا ہے - آجتک یہہ رسم شہر قاہرہ میں جاری ہے کہ ایک مسجد کے صحن میں ایک مینار ہے اور اُسپر دریائے نیل کے چڑھاؤ کے درجوں کے نشان بنے ہوئے ہیں- شہر کے ہر گلی کوچہ میں ہر روز منادی ہوتی ہے کہ دریائے نیل میں اسقدر چڑھاؤ ہوا ! زمین کا خراج جو بادشاہ کو دیا جاتا ہے اُسکا تصفیہ نیل کے چڑھاؤ پر منحصر ہے جس دن دریائے نیل کا چڑھاؤ ایک معیّن بلندی پر پہنچ جاتا ہے اُس دن بہت خوشی ہوتی ہے اور عیش و عشرت کیجاتی ہے - اور آتشبازی چھوٹتی ہے - اور آپسمیں دعوتیں ہوتی ہیں- اور جو جو باتیں ہر طرح کی خوشی میں ہوتی ہیں وہ سب کیجاتی ہیں- قدیم زمانہ میں بھی دریائے نیل کی طغیانی ہونے سے تمام مصر میں عام خوشی کیجاتی تھی - اس لیئے اُس مُلک کی خوشی اور آسودگی کی بنیاد یہہ ہی دریا ہے- اگلے زمانہ میں مصر کے لوگ جو بُت پرست تھے دریا کی طغیانی کو اپنے دیوتا سراپس کا سبب جانتے تھے اور جس مینار پر اُسکے چڑھاؤ کے درجوں کے نشان لگے ہوئے ہیں اُسکو اُس مندر میں مقدس سمجھکر رکھا تھا شہنشاہ قسطنطین نے اس مینار کو وہاں سے اُٹھاکر سکندریہ کے گرجا میں بھیجنے کا حکم دیا- اسپر مصریوں نے یہہ مشہور کیا کہ سراپس دیوتا کی خفگی کے سبب دریائے نیل میں کبھی چڑھاؤ نہیں آنیکا- دوسرے سال دریائے نیل میں معمولی قاعدہ پر چڑھاؤ آیا شہنشاہ جولین نے جو بُت پرستی کا مربی تھا اس مینار کو اُسی مندر میں بھجوادیا مگر شہنشاہ تھیوڈوسیس نے پھر اُسکو وہاں سے اُٹھوا منگایا-

خوب معلوم ہے اور اسکی نسبت کسیکو کچھ شک نہیں ہے - بلکہ ان سفیروں میں سے ایک نے مع ایک مغل کے جو انہیں کے ساتھ ہندوستان

نیل کی نہروں اور پانی کے کھینچنے کی کلوں کا بیان

اگرچہ خدا تعالے نے مصر کے ملک کو ایسا فیض رسان دریا دیا تھا مگر پھر بھی یہ نہیں چاہا کہ وہاں کے بسنے والے سست اور کاہل ہو جائیں اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اُٹھائیں - یہ بات از خود معلوم ہو سکتی ہے کہ دریاے نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کر سکتا اسلیے بہت سی محنت اور مشقت زمین کے پانی دینے میں کیجاتی تھی اور بہت سی نہریں ہر جگہ پانی پہنچانے کے لیئے کاٹی گئی تھیں جو دیہات دریاے نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھے - اُن میں نہریں بنائی تھیں - اور مناسب وقت پر بہت سے دیہات میں پانی پہنچانے کے لیئے کھولی جاتی تھیں جو دیہات کہ بہت دور دور از فاصلہ پر ملک کی سرحد پر تھے اُن میں بھی پانی پہنچانے کے لیئے نہریں بنی ہوئی تھیں - اور اِس طرح سے نہایت دور دور کے مقاموں میں بھی نہر سے پانی پہنچتا تھا جب تک کہ دریاے نیل ایک معیّن حد تک چڑھ جاتا تھا - اُسوقت تک لوگوں کو پانی لینے اور نالیاں کاٹنے اور دہانوں کے کھولنے کی اجازت نہ ہوتی تھی - کیونکہ اگر اُس سے پہلے پانی لینا شروع ہو جاتا تو بعض زمینوں کو بہت سا پہنچ جاتا اور بعض کھیتوں کو کم پہنچنے کا احتمال ہوتا - بموجب اُن قاعدوں کے جو ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور جبمیں سب طرح کے اندازے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کھولنا شروع ہوتا تھا اسطرح پر پانی کی ایسی احتیاط سے تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو بخوبی پہنچ جاتا تھا - جن ضلعوں میں کہ دریاے نیل کا پانی از خود پھیلتا تھا وہ اسقدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے ہیں اور اُن میں اسقدر نہریں بنی ہوئی ہیں کہ جسقدر پانی جون اور جولائی اور اگست میں مصر میں پھیلتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اُسکا دسواں حصہ بھی سمندر تک نہیں جاتا تھا - مگر باوجود اسقدر نہروں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک نہ پہنچتا تھا اسلیے پیچدار کلوں سے اُن زمینوں میں پانی پہنچا دیتے تھے اُن کلوں کو بیل پھراتے تھے اور پانی نلوں میں جاکر اُن اونچی زمینوں میں پہنچتا تھا - ڈایوڈورس صاحب کہتے ہیں کہ جب آرکی میڈیز صاحب بطریق سیر کے مصر میں گئے تو اُنہوں نے لوگوں

کو واپس آیا تھا اُسکو دیکھا بھی تھا اُنہوں نے کہا کہ دریائے نیل کا منبع اگوس کے ملک میں ہے اور وہ دو بڑے جوشندہ چشمے ہیں جو

کے پیٹے یہ کل ایجاد کی تھی۔

مصر کی زرخیزی کا بیان جو دریائے نیل کے سبب سے ہوتی ہے

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جسکی زمین مصر کی زمین سے زیادہ زرخیز ہو اور وہ صرف دریائے نیل کا باعث ہے اور دریاؤں کا یہ دستور ہے کہ جب اُنکی رو زمین پر پھیر جاتی ہے تو وہ ریت وبچھاتی ہے یعنی زمین کی مٹی جسکے سبب زمین نم رہتی ہے بہ جاتی ہے مگر برخلاف اسکے دریائے نیل اپنی رَو میں اوپر سے چکنوٹ مٹی بہالاتا ہے اور وہاں چھوڑ جاتا ہے اور زمینوں کو زرخیز کر دیتا ہے اور اس سبب سے اگلی فصل ہونے سے زمین جسقدر کمزور ہو جاتی ہے پھر اُتنی ہی زور آور ہو جاتی ہے کاشتکار کو مُلک میں ہل چلانے اور زمین توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی۔ جب دریائے نیل ہٹ جاتا ہے تو بجز اسکے کہ زمین کے اوپر جو چکنوٹ مٹی رہگئی ہے اُسکو اُلٹ پلٹ کر نیچے کی ریتلی مٹی سے ملاکر اُسکے مزاج کو معتدل اور اُسکی قوت کو کمزور کیا جائے اور کچھ کام کرنا نہیں پڑتا۔ اسکے بعد نہایت آرام سے اُسمیں بیج ڈالدیا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے کھیتی کرنے میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ دو مہینے میں سب زمینیں پھول پھل کر سبز ہو جاتی ہیں اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور اُن میں کثرت سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ مصر والے اکثر نومبر اور اکتوبر میں جبکہ دریائے نیل کا پانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی بوتے ہیں اور مارچ و اپریل میں فصل تیار ہو جاتی ہے۔ ! مصر کی زمینیں تین فصلی اور چو فصلی ہیں۔ یعنی ایک زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف چیزیں بوئی جاتی ہیں پہلی دفعہ کھیرا ککڑی بو کر کاٹ لیتے ہیں اُسکے بعد اناج بوتے ہیں اور جب اناج کی فصل تیار ہو کر کٹ لیتی ہے تو مختلف قسموں کی ترکاریاں جو خاص کر مصر میں ہوتی ہیں بوتے ہیں اور چونکہ مصر میں آفتاب بہت تیزی سے نکلتا ہے اور دھوپ کی طپش بہت ہوتی ہے اور مینہ بہت کم برستے ہیں اگر اُس ملک میں نہریں اور چشمے بکثرت نہ ہوتے جن سے نالیاں بنا کر کھیتوں اور باغوں میں بخوبی پانی دیا جاتا ہے تو قیاس چاہتا ہے کہ وہاں

Agoms (اگوس اگ و س)

ایک دوسرے کے قریب ہی زمین سے نکلکر اوّل تو کوئی تیس[۲] یا
چالیس[۲] قدم لمبی ایک چھوٹی سی جھیل بنجاتے ہیں اور پھر اسمیں سے نکلکر

> دریاے نیل اپنے منبع سے جُدا ہوکر جس شکل سے اور جس جس ملک میں ہوکر مصر میں پہنچتا ہے اُس کا بیان ——

یہہ دریا بہت پھیل جاتا ہے اور اسکے
بعد راستہ میں اور بہت سے ندّی نالے
ملجاتے ہیں اور ایک دریاے ذخّار
بنجاتا ہے - اِنہوں نے یہہ بھی کہا کہ یہہ ایسے طور پر پیچ کھا کھا کر گیا

کی زمینیں جلد خشک ہوجاتیں اور ایسی کثرت کی گرمی سے اناج اور ترکاریاں جل جاتیں - دریاے نیل سے مویشی کی پرورش میں بھی جو مصر کی دولت کا دوسرا ذریعہ ہے کچھہ کم مدد نہیں ہوتی - مصر والے اپنے مویشی کو نومبر کے مہینے میں چرنے کو باہر نکال دیتے ہیں اور مارچ تک چراتے ہیں - لفظوں میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ ان چراگاہوں کی زرخیزی کا بیان اُنمیں ادا ہوسکے - مویشیوں کے ریوڑ جو بسبب معتدل اور خوش آیند ہوا کے دن رات باہر رہتے ہیں تھوڑی ہی مدّت میں بہت زیادہ اور فربہ ہوجاتے ہیں جن دنوں میں کہ نیل کی طغیانی ہوتی ہے اُن دنوں میں مویشی کو کُٹی اور گھاس اور جو اور مٹر کھلاکر پرورش کرتے ہیں -

مسٹر کارنیل لی برونن صاحب اپنی سیاحی کے حال میں لکھتے ہیں کہ مصر کے مُلک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک معیّن موسم میں اتھیوپیا میں اِسقدر مینہہ برستا ہے کہ مصر کو پانی دیکر نہال کردیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی - اور اس اپنی عنایت سے ایسی خشک اور ریتلی زمین کو دُنیا کا ایک عمدہ زرخیز مُلک بنا دیتا ہے - ایک اور بات بھی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جُون میں اور اُس کے اگلے چار مہینے میں شمالی اور شرقی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ دریاے نیل کا پانی رُکا رہے اور جلدی سے بہکر سمندر میں نہ چلا جاے اگلے لوگوں نے بھی اِس قدرتی حکمت کے نکتہ کو بہت غور سے خیال کیا تھا -

ہے کہ جس سے زمین کا ایک وسیع حصہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے۔ اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بڑی جھیل میں جو مملکت ڈیمبیا میں اِسکے منبع سے صرف چار پانچ منزل اور گونڈار دارالحکومت اتھیوپیا سے تین ہلکی منزلوں کے فاصلہ پر ہے جا گرتا ہے۔ اور اِس جھیل کو طے کر کے مع اُن تمام پانیوں کے جو اِس جھیل میں گرتے ہیں آگے کو بڑھتا ہے اور ممالک فنجی یعنی بربرستان جو شاہ اتھیوپیا کے باج گزار ہیں اُن کے خاص شہر سینار میں سے گزرتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہو کر ملک مصر کے میدانوں میں آنکلتا ہے۔

اتھیوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہونا چاہیے۔

جب یہہ سفیر دریاے نیل کا منبع اور اُسکی کیفیت بیان کر چکے تو مینے اُس ملک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اِس دریا کا یہہ منبع ہے بس مینے پوچھا کہ ڈیمبیا باب المندب سے کس طرف کو اور افریقہ کے کونسے حصہ میں واقع ہے۔ لیکن اُنہوں نے بجز اسکے اور کچھ جواب نہ دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے۔ مجھکو یہہ تقریر سُنکر حیرت ہوئی خصوصاً ایک مسلمان سفیر سے جسکو کسی عیسائی کی نسبت مقامات کی نسبتی حالتوں سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسلمانوں پر یہہ فرض ہے کہ اپنی پنجگانہ نماز پڑھتے وقت شہر مکہ کی طرف رخ کریں۔ مگر بہرحال اُس مسلمان سفیر نے یہہ امر باصرار

ڈ ے م ب ی آ Dembea گ ن ڈ ا ر Gondar ف ن ج ی Fungi
بربرستان Berberis س ی ن ا ر Senaar

بیان کیا کہ ڈیمبیا باب المندب کے مغرب میں ہے۔ پس ان سفیروں کے قول کے بموجب دریائے نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہے نہ کہ جنوب میں جہاں بطلیموس* نے قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں بھی جنوب ہی میں درج ہے۔

---

* بطلیموس۔ اس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاڈیس ٹولیمی اور مسلمان مصنف بطلیموس ابن قاودیس لکھتے ہیں یہہ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آ رہا تھا۔ لکھا ہے کہ جب اسنے ذرا ہوش سنبھالا تو مشہور حکیم جالینوس کی شاگردی اختیار کی اور جب علوم حکمیہ میں اچھی دستگاہ ہوگئی تو ریاضیات کی طرف اسکو زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ جب یہہ اذریانوس کے عہد میں جو اذریان قیصر روم کی طرف سے ملک مصر کا حاکم تھا اور جو اسکو بہت عزیز رکھتا تھا اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو رات دن ریاضیات ہی کا اسکو شغل تھا۔ یہاں اسنے ستاروں اور افلاک کی گردش وغیرہ دریافت کرنے کے لئے رصد خانہ بنایا۔ اور متقدمین علمائے اہل ہیئت خصوصاً ہپارکس (ابرخس) کے سیاروں اور ثوابت کی فہرستوں کی تصحیح کی اور ایسی جدولیں بنائیں جنسے سورج چاند وغیرہ کی گردش کا حساب لگ سکتا ہے اور یہہ پہلا شخص ہے جسنے اصطرلاب وغیرہ آلات رصدی ایجاد کئے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہہ رائے ہے کہ ہپارکس انکا موجد ہے لیکن اعمال ریاضی اور آلات رصد جو بالفعل معمول بہ ہیں اُن کی تصحیح اور توضیح فی الواقع اسی نے کی تھی۔ چنانچہ اسنے اپنی مشہور کتاب مجسطی کے تیسرے مقالہ کی آٹھویں نوع میں خود لکھا ہے ! اس کتاب کی برابر اس فن میں آجتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ چنانچہ نامور مسلمان علمائے ہیئت فضل بن یحییٰ تبریزی و محمد بن جابر و ابوریحان خوارزمی جنہوں نے اس کتاب پر حاشئے اور شرحیں لکھی ہیں جسقدر اُنہوں نے اس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اُسیقدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اس کتاب کے تیرہ ۱۳ مقالوں کا ترجمہ اوّل چند یونانی علمانے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے جو سن ایک سو ستر ۱۷۰ ہجری مطابق سن سات سو چھیاسی

بَ طْ لِ یْ مُ وْ سْ Claudius کَ لَ اُ ڈِ یُ اَس ٹَ ا لِ سے م ی Ptolemy

(اذریان دس) (اَدْرِیَ انْ Adrian) (ہِ پ ا رکَس Hipparchus) (مِجِسْطِی)

اتھیوپیا کی بارش کی نسبت اُن مفیدوں کے جواب اور نیل کی طغیانی سے اُسکے تعلق کا ذکر

ہمنے اُن صاحبوں سے یہہ بھی دریافت کیا کہ اتھیوپیا میں بارش کب ہوتی ہے اور یہہ کہ ہندوستان کی طرح مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اَور طرح اُنہوں نے جواب دیا کہ بحرِ احمر کے ساحل پر سواکن اور آرکیکو(۱) اور جزیرہ مصوع سے لیکر باب المندب تک اُس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جیسی کہ مخا میں ہوتی ہے جو اِس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک یمن میں ہے مگر اِس ملک کے اندر کی

۸۲۷ء عیسوی سے سن ایک سو تاسی ۱۸۹ ہجری مطابق سن آٹھ سو دو عیسوی تک وزیر رہا تھا یونانی سے عربی زبان میں کیا تھا لیکن وہ اسکو پسند نہ آیا اور اُسنے ابو حیان(۲) اور ایک اور عالم کو اسکے دوبارہ ترجمہ کرنے کا حکم دیا جنہوں نے نہایت عمدگی سے اس کام کو انجام دیا اور حجاج بن مطر ثابت بن قرہ اور اسحاق نے اُسکے الفاظ کی اصلاح کی اور قریب ۱۲۳۰ء (بارہ سو تیس) کے اسی عربی ترجمہ سے یہ کتاب زبان لیٹن میں ترجمہ ہوئی - بطلیموس نے اس فن میں ایک اور رسالہ بھی اپنے شاگرد سوری کے واسطے لکھا تھا جسکا ترجمہ ابراہیم بن صلت نے عربی میں کیا اور حنین(۳) بن اسحاق نے اسکی اصلاح کی - غرض بطلیموس متقدمین ہیئت دانوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو اس علم کو مکمل کر کے ہمارے لئے چھوڑ گیا - اسکے نظام مقررہ کو نظام بطلیموسی کہتے ہیں جسکا بڑا اصول یہہ ہے کہ زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے و افلاک اُسکے گرد حرکت کرتے ہیں بخلاف نظام مسلمہ حال کے جو نظام فیثاغورثی کہلاتا ہے جسمیں آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلیموس نے ماری نس(۴) باشندہ شہر ٹائر(۵) کے اصولوں کی بنیاد پر فن جغرافیہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جسکا کندی(۶) نے عربی میں ترجمہ کیا اور لیٹن میں بھی اسکا ترجمہ ہوا جواب موجود ہے طول شرقی اور خط شمالی اسی نے قائم کئے اگرچہ اسکا یہہ کام مکمل نہیں سمجھا جاتا مگر تاہم نقشے جغرافیہ بنانے والوں کے لئے بڑا مفید ہے اور متن میں بطلیموس کی اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے - یہہ علم موسیقی کا بھی بڑا ماہر تھا اور اسکی ایک نہایت عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن میں بھی موجود ہے - اسکی وفات اٹھتر برس کی عمر میں سنہ ۲۰۹ دو سو نو عیسوی میں واقع ہوئی [ماخوذ از تاریخ التواریخ و انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا] س ا ح

---

(۱) آ ر ک ی ک و Arkeeko (۲) ا ب و ح ی ا ن (۳) ح ن ی ن (۴) م ا ر ی ن س Marinus
(۵) ٹ ا ئ ر Tyre (۶) ک ن د ی

طرف مملکت ڈینبیا کے صوبہ اگوس نیں اور آس پاس کے صوبوں میں گرمی کے
اُن دو مہینوں میں بہت بارش ہوتی ہے جنمیں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی
ہے اور میرے قیاس کے موجب یہہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ مصر میں
دریائے نیل طغیانی پر آتا ہے - ان سفیروں نے کہا کہ ہمکو خوب معلوم ہے
کہ دریائے نیل کی طغیانی اور اُس سے ملک مصر کی سیرابی کا باعث اتھیوپیا
کی بارشیں ہیں - اور ملک مصر کی زرخیزی کا باعث وہ چکنی مٹی ہے جس کو
دریائے نیل بہاکر یہاں لاڈالتا ہے - اُنہوں نے کہا کہ انہیں حالات کی
وجہ سے شاہان اتھیوپیا کو ملک مصر سے خراج لینے کا استحقاق حاصل تھا اور
جب اُس ملک پر مسلمان مسلط ہوگئے اور وہاں کی عیسائی رعایا ظلم رسیدہ اور ذلیل
ہوگئی تو شاہ اتھیوپیا نے چاہا تھا کہ اس دریا کا رُخ بحر احمر کی طرف پھیر دیا جائے
اور یہہ ایسی تدبیر تھی کہ مصر کی زرخیزی بالکل مفقود ہو کر یہہ ملک برباد ہو جاتا -
لیکن یہہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان تھا کہ مطلق عمل میں نہ آیا !
ان تمام باتوں سے میں بمقام مخا پہلے ہی واقف ہو چکا تھا - کیونکہ گونڈار+ کے
رہنے والے دس بارہ سوداگروں سے (جو بادشاہ اتھیوپیا کیطرف سے ہرسال
اس شہر میں اس غرض سے آتے تھے کہ ہندوستان کے آئے ہوئے جہازوں
کے ساتھ لین دین کریں) مجھکو طرح طرح کی گفتگوؤں کا موقع ملا تھا - اور جو معلومات
مجھکو اُن سے حاصل ہوئے تھے اگرچہ وہ بہت مفید ہیں - کیونکہ اُن سے بھی
دریائے نیل کی طغیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو قریب
اُسکے منبع کے اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر پڑتی ہیں لیکن تاہم میں اپنے

+ Gondar

ذاتی مشاہدوں کو جو اس دریا کی طغیانی کے وقت مجکو و مختلف اوقات میں ہوئے تھے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور اُن سے آپکو ظاہر ہو جائیگا کہ مصر کے عوام الناس کی جو رائیں اس بارہ میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہو جائیگا کہ وہ محض بے معنی قصے کہانیاں اور ایسے لوگوں کی گھڑتیں ہیں جو توہمات میں اسوجہ سے پھنسے ہوئے ہیں کہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے ملک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی طغیانی کو دیکھکر سخت متحیّر ہو جاتے ہیں۔

نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور اوہام کا ذکر اور اُن کا ابطال

چنانچہ منجملہ اُن توہمات اور تخیلات کے میری مُراد اس جگہہ بتخصیص اُن کے مفصلہ ذیل غلط خیالات سے ہے یعنی ایک تو وہاں کے لوگوں کا یہہ اعتقاد ہے کہ دریائے نیل کی طغیانی شروع ہونیکا ایک خاص دن مقرر ہے! دوسرے یہہ کہ ایک خاص قسم کی شبنم جسکو گوٹ(۱) کہتے ہیں۔ طغیانی کے اوّل ہی دن پڑنی شروع ہوتی ہے اور اسکے شروع ہوتے ہی وبا، طاعون فوراً جاتی رہتی ہے۔ تیسرے یہہ کہ جب گوٹ گرنے لگ جاتی ہے تو پھر اس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا بھی ہو تو ہلاک نہیں ہوتا۔! چوتھے یہہ کہ اس دریا کی طغیانی کے اسباب ایسے مخفی اور خاص طور کے ہیں کہ جو کسی کو معلوم نہیں ہیں! مگر میرے مشاہدات کا خلاصہ یہہ ہے کہ مجھے بخوبی منکشف ہو گیا کہ یہہ مشہور دریا بھی مثل اَور دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے طغیانی پر آتا ہے نہ یہہ کہ اِسکی طغیانی اِس سبب سے وقوع میں آتی

(۱) گوٹ Gout

ہے کہ مصر کی زمین اپنی شوریت کی وجہ سے جوش کھا کر اسکی طغیانی کا باعث ہوجاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ مینے دیکھا کہ طغیانی کے اُس تخیلہ دن سے قریب ایک مہینا پہلے ہی یہہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑھا ہوا اور نہایت گدلے پن کی حالت میں بہ رہا تھا۔ اور مینے یہہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہہ دریا طغیانی پر آتا ہے تو قبل اسکے کہ اسکی نہروں کے دہانے کھولے جائیں یہہ پہلے تو چند روز تک ایک یا دو فٹ چڑھتا ہے اور بعد ازاں بتدریج اُترنا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑھنے لگتا ہے اور ٹھیک اُسی اندازہ سے چڑہتا یا اُترتا ہے جسقدر کہ اُسکے منبع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اسکی یہہ حالت بعینہ ہمارے دریائے لوائر کی سی ہے جسکا چڑھاو اور اُتار اُسی نسبت سے ہوتا ہے جسقدر کہ بارشیں اُن پہاڑوں پر ہوتی ہیں جہاں سے یہہ نکلتا ہے۔

طغیانی کے تخیلہ دن اور شبنم کے پڑنے میں کچھ تعلق نہیں

اُس دن سے قریب ایک مہینا پہلے جبکہ گوٹ کا گرنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس سے واپس آتے ہوئے میں ڈمیٹا (یعنی دمیاط) سے شہر قاہرہ تک اِس دریا کی بالائی جانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جورات بھر پڑی تھی تر ہوگئے تھے۔

شبنم کے گرنے اور وبائے طاعون میں جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اسکا ابطال

گوٹ گرنے کے آٹھ دس روز بعد بمقام روسیٹا[۵] (یعنی رشید) مجھے اپنے وائس کانسل (یعنی

Vice Consul | [۵] انگریزی میں اسے Rosetta لکھتے ہیں

نائب وکیل) مانشیور دی برمن صاحب کے ساتھ شب کو کھانا کھانے کا
اتفاق ہوا تھا اور جماعت حاضرین طعام میں سے تین شخص اسی رات کو طاعون
کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے جن میں سے دو تو آٹھویں دن مر گئے اور
تیسرا مریض بھی جو اتفاق سے خود دی برمن[1] صاحب ہی تھے شاید اس بیماری
سے جاں بر نہوتا اگر میں جرأت کرکے یعنی اس شبنم کی تحلیلی تاثیر کے بھروسہ
پر نہ رکھکر ان کا پھوڑا نہ چیر ڈالتا اور دوا تجویز نہ کرتا

خود مصنف کے مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا ذکر۔

اس موقع پر خود مجھکو بھی یہہ متعدی بیماری لگ گئی تھی اور اگر میں فوراً بٹر آف اینٹی منی[2] یعنی سرمہ کا جوہر استعمال نہ کرتا تو میں بھی مرجاتا۔ اور یہہ بات ثابت ہوجاتی کہ گوٹ کے گرجانیکے بعد بھی آدمی وبا سے مرجاتے ہیں! اس قے لانے کی دوا نے جو میں نے بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ بیمار نرہا۔ ایک میرا بدوی[3] نوکر جو اس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا میری ڈھارس بندھانے کی خاطر وہ یخنی جو میرے پینے سے بچ جاتی تھی بے تأمل پی جاتا تھا۔ اور چونکہ وہ ایک متوکل شخص تھا طاعون سے ڈرنے والوں کے خیال پر ہنستا تھا۔

شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبعی سبب۔

میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ گوٹ کے گرنے کے بعد اس بیماری میں عموماً ہلاکت کا کم خوف ہوتا ہے لیکن میری غرض یہہ ہے کہ اس خوف کے کم ہونے کو گوٹ سے منسوب کرنا

---

(۱) دی برمن Monsieur de Bermon (۳) باڈوی
(۲) بٹر آف انٹی منی Butter of antimony

چاہئے کیونکہ میری رائے میں بیماری کے کم ہوجانیکا سبب گرمی کی وہ شدت ہے جو ان دنوں میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوجاتی ہے جس سے سامات کُھل کر وہ سب صفراوی مادی رطوبتیں جو جسم میں بند تھیں خارج ہوجاتی ہیں۔

ملاحوں معروف ریز کے قول کے موافق بھی بارش ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے

علاوہ بریں مینے بہت احتیاط سے اکثر ملاحوں سے بھی جنکو "ریز"[1] کہتے ہیں اور جو دریائے نیل پر مصر کے میدانوں کی حد اخیر یعنی چٹانوں اور آبشاروں تک سفر کرآئے تھے دریافت کیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی بتایا کہ جب یہہ دریا مصر کے میدانوں اور اُس زمین میں جو شور اور پُرجوش بیان کی جاتی ہے طغیانی پر آتا ہے تو آبشاروں اور پہاڑوں میں بھی بہت چڑھتا ہے اور ان آبشاروں کو عجیب طور سے طغیانی پر لاتا ہے حالانکہ اُن پہاڑوں کی زمین ظاہرا شور نہیں ہے۔

سینار کے حبشیوں کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

میں نے ہوشیاری کے ساتھ سینار[2] کے حبشیوں سے بھی جو نوکری کے واسطے قاہرہ کو جاتے ہیں اور جنکا ملک دریائے نیل کے کنارے پر اُن کوہستانی قطعات میں واقع ہے جو مصر کے جنوب کی طرف ہیں اور شاہ اتھیوپیا کا باج گزار ہے تحقیق کیا تو انہوں نے بھی متفق اللفظ یہی بیان کیا کہ جسوقت دریائے نیل مصر کے میدانوں میں چڑھتا ہے تو یہہ ہمارے ملک میں بھی چڑھتا اور زور پر آتا ہے۔ اور اسکا باعث وہ بارشیں ہیں کہ جو نہ صرف ہمارے پہاڑوں میں پڑتی

(۱) اس لفظ میں حرف اخیر یعنی ز جمع کی علامت ہے ۔ س م ح (ریز ۔ Rays)
(۲) س ی ن ا ر Sennaar

ہیں بلکہ ہمارے ملک سے اوپر کی طرف اتھیوپیا میں بھی ہوتی ہیں۔

ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں۔

ہندوستان کی موسمی بارشوں اور دریائے نیل کے مصر میں ایک ہی وقت میں طغیانی پر آنے سے جو جو خیالات میرے دل میں گزرے اُن سے یہہ مضمون بہت صاف ہو جاتا ہے۔ اور آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دریاے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریائے نیل اور ان کے آس پاس کی زمینیں گویا مصر کی زمنیں ہیں۔

دریائے نیل اور گنگا اور مصر اور بنگالہ میں جو مشابہت ہے اُس کا ذکر۔

یہہ خیالات میرے دل میں اُسوقت گزرے تھے جبکہ میں بنگالے میں تھا اور مندرجہ ذیل عبارت وہ عبارت ہے جو میں نے اُسوقت اس بحث کے متعلق لکھی تھی "خلیج بنگالہ میں دریائے گنگا کے دہانے پر وہ متعدد جزیرے جو زمانہ پاکر آپسمیں مل گئے۔ اور آخر کار برّاعظم سے شامل ہو گئے ہیں مجھکو دریاے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں مصر میں تھا تو صنایع قدرت کو دیکھکر مجھے خیال آتا تھا کہ اسطو کا یہہ قول "کہ ملک مصر دریاے نیل کی صنعت ہے" بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریائے گنگا کا بنایا ہوا ہے! ان دونوں دریاؤں میں صرف اتنا فرق ہے کہ دریائے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اسی وجہ سے نیل ہی زیادہ مٹی اپنے ساتھ سمندر میں بہا لیجاتا ہے جسکے سبب سے اُسکے جزیرے نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہہ فرق بھی ہے کہ دریائے نیل

کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بخلاف گنگا کے جزیروں کے جو سبب اُن چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہیں درختوں سے لدے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آبپاشی کی خاطر نیل سے کاٹی جاتی ہیں بنگالے میں موسمی بارشوں کی بدولت اُن کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ بھی بآسانی تیار ہو سکتی ہیں کیونکہ دریائے گنگا اور اور دریا گرمی کے موسم میں اُن بارشوں کے سبب سے جو اس موسم میں ہمیشہ ہوتی ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل چڑھتا ہے۔ دونوں ملکوں میں یہہ تفاوت ہے کہ مصر میں سمندر کے کنارے کے سوا جہاں کبھی کبھی خفیف سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم ہو بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اتھیوپیا میں دریائے نیل کے منبع کے قریب بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش اُن ملکوں میں ہمیشہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے جنمیں دریا بہتے ہیں۔

ملک سندھ اور مصر کی مشابہت کا ذکر۔

مگر معلوم رہے کہ یہہ حالت عموماً نہیں ہے چنانچہ دریائے سندھ کے دہانے پر ملک سندھ میں جو خلیج فارس کی طرف واقع ہے برسوں ایک بوند بھی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں کیسی ہی طغیانی کیوں نہ ہو اور یہہ ملک اُسوقت مصر کی طرح صرف نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

تھیوونٹ صاحب نے جو یہہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو جو تجربے اور مشاہدے مجھکو بحر قلزم اور سوئز اور طور اور کوہ سینا اور جدّہ میں

جو مکّہ سے آدھے دن کے راستہ پر پاک مانا ہوا ایک مقام ہے اور جزیرہ کامیرن(1) اور لوہیا(2) میں ہوئے ہیں اُن کا مفصّل حال آپ کے پاس لکھ بھیجوں اس لیے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے کی فرصت ملے اُنکی تمنّا کو پورا کروں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو واقفیّت مجھکو بمقام مُخا ملک اتھیوپیا اور وہاں جانیکے لیئے عمدہ راستہ کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُسکو بھی لکھوں۔

مصنّف کا خط بنام مسٹر چیپلین† مورّخہ دسوین ۱ جون سن سولہ سو اڑسٹھ ۱۶۶۸ عیسوی بمقام شیراز واقع ایران

ہندوؤں کے عقائد اور توہّمات‡ اور بعض انوکھی رسموں اور مذہب وغیرہ کے بیان میں

سورج گہن

> سورج گہن کے ایک موقع پر فرانس میں لوگوں کے توہّمات کا بیان۔

صاحب من! سورج گہن کے دو واقعے مینے ایسے دیکھے ہیں کہ جنکو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ پہلا واقعہ تو مینے

‡ کسی مصنف کی کوئی ایسی رائے جو کسی قوم یا فرقے کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اُس قوم یا فرقہ کے لوگوں کو اکثر ناگوار ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ الفاظ بھی کسیقدر سخت ہوں۔ پس اس کتاب کی اس فصل کے ترجمہ کرنے میں اگرچہ مورّخ کی رائے پر تو ہمارا اختیار نہ تھا کہ اسکو بدل دیا جاتا مگر اس

† Mr. Chapelin مسٹر چیپلن (2) Lohoia لوہویا (1) Camaran کامرن

اپنے ہی ملک میں سن سولہ سو چون (سنہ ۱۶۵۴) عیسوی میں دیکھا تھا اور دوسرا سن سولہ سو چھیاسٹھ (سنہ ۱۶۶۶) عیسوی میں بمقام دہلی! پہلا گہن مجھے اس سبب سے یاد ہے کہ اس سے اہل فرانس کی طفلانہ زود اعتقادی اور اُن کے بے بنیاد خوف و ہراس کے عجیب عجیب تماشے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے یہہ بے وقوفانہ وسواس اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں نے تو ٹونے ٹوٹکے کرکے بچ جانے کے لیئے قسم قسم کی جڑی بوٹی اور دوائیں مول لیں اور بعض نے محفوظ مکانوں اور تہ خانوں میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کر لیا تاکہ اُس منحوس کے وقت آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور ہزاروں آدمی گرجاؤں میں دُعا مانگنے گئے! بعض یہہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے! اور بعض کی یہہ رائے تھی کہ قیامت کا دن یہی ہے اور یہہ جہان آج ہی ملیامیٹ ہو جائے گا اور اگرچہ گگے سینڈی[۵۱] اور رابرول[۵۲] وغیرہ اہل ہیئت اور حکمار فرنگستان نے پہلے ہی خوب تکرار سے لکھدیا تھا کہ اس گہن میں اگرچہ دُھوپ بالکل نہ رہیگی مگر یہہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے

ضروری گزارش — بلا اندیشۂ فوت مطلب جس جگہہ ترجمہ میں کوئی مُلائم لفظ اختیار کیا جا سکتا تھا۔ بپاس خاطر اپنے ہموطنوں کے وہاں ایسا کیا گیا ہے بلکہ بعض لفظ چھوڑ بھی دیئے گئے ہیں امید کہ ناظرین دِقّت پسند ہماری اس فروگذاشت کو معاف فرمائیں گے۔ السید محمد حسین

۵۱ گگے سین ڈی ملک فرانس کے نامی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہہ سن پندرہ سو بانوے (سنہ ۱۵۹۲) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچپن (۱۶۵۵) میں مرا۔ یہہ ابتدا عمر ہی سے علوم ریاضی کیطرف مائل تھا

۵۲ رابرول ایک فرانسیس عالم تھا اور ریاضیات اور بخصوص ہندسہ میں بہت بڑی دستگاہ رکھتا تھا مگر علما اور حکما کے طریق کے برخلاف بخل اور خود غرضی سے اُن مسائل کو جو اُس نے

اور جس طرح پر ہمیشہ ہوتے رہے ہیں یہہ بھی بالکل بیخطر ہے نجومیوں اور رمالوں کے سے بیہودہ توہمات نکرنے چاہئیں مگر اسپر بھی ہمارے ہموطنوں کو ایسے ایسے وسواس اور توہمات تھے۔

دلی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر

جو گہن بمقام دلی سن سولہ سو چھیاسٹھ (۱۶۶۶ء) عیسوی میں ہوا وہ ہندوؤں کے توہمات اور عجیب غریب حرکات کی وجہ سے مجھے یاد رہیگا۔ جب گہن کا وقت آیا تو میں اپنی حویلی کی چھت پر جو جمنا کے کنارے تھی اور جہاں سے دریا کے دونوں کنارے نظر آتے تھے جن میں تخمیناً ایک "لیگ" یعنی تین میل کا فاصلہ ہے جا کھڑا ہوا ہزاروں لاکھوں ہندو کمر کمر پانی میں سورج کی طرف ٹکٹکی باندھی کھڑے دیکھ رہے تھے تاکہ گہن کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگائیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور لڑکے بالکل ننگے تھے۔ مرد صرف دھوتیاں باندھے ہوئے تھے۔ بیاہی ہوئی عورتیں اور چھ چھ سات سات برس کی لڑکیاں

چنانچہ سولہ[۱۶] برس کے سن میں تحصیل علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بمقام آنی علم الادیان اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اسی زمانہ میں اسنے ارسطو کی تردید میں ایک کتاب لکھکر چھپوائی جسکے باعث یہہ تمام فرنگستان میں مشہور ہوگیا سن سولہ سو اٹھائیس عیسوی میں یہہ جب ملک آلینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم ہیئت کیطرف زیادہ متوجہ ہوا اور سولہ سو اکتیس میں عطارد کے آفتاب کے سامنے سے گزرنے کی خبر دی جسکو انگریزی میں ٹرین زِٹ اور عرب ہیئت داں لوگوں کی اصطلاح میں قِران یا مُرور کہتے ہیں۔ (ماخوذ از کتاب روضۃ الحکماء) س۔م۔ح (ٹ رَنْ نِ زِٹ Transit

---

اپنے زور طبیعت سے نکالے تھے اور لوگوں کو کم بتاتا تھا۔ (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (س۔م۔ح)

رابَرْوَل Roberval

صرف ایک چادر یا ساڑھی اُوڑھے ہوئے تھیں۔ ذی مقدور شخصوں
اور بڑے بڑے آدمیوں یعنی راجاؤں اور متموّل اور صاحب امتیاز
لوگوں نے جو دربار شاہی میں معزز ہیں۔ اور صرافوں۔ مہاجنوں جوہریوں
اور بیوپاریوں وغیرہ نے یہہ بندوبست کیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ
دریا کے اُس کنارے سے اِس کنارے آکر پانی میں ڈیرے اور
قناتیں کھڑی کرالیں اور اسطرح پر پردہ میں اشنان وغیرہ کیا۔ ہندوؤں
کے اس مجمع نے جونہیں گہن لگتے دیکھا ایک عجیب نعرہ مارا اور چند بار متواتر
غوطے لگائے۔ پھر پانی میں کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ اور آنکھیں
سورج کی طرف اُٹھائے ہوئے بڑے حضور قلب سے عبادت اور پوجا
کرتے ہوئے معلوم ہوئے۔ اور چند بار دونوں ہاتھوں میں پانی لیکر سورج کو
چڑھایا اور بہت ادب سے سر جھکا جھکا کر کبھی دائیں کبھی بائیں پانی دیتے
تھے۔ اور گہن کے ختم ہونے تک یہہ بیچارے غلطی میں پڑے ہوئے لوگ
ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے اور جب جانے لگے تو جمنا میں دُور سے
روپیے اور دوانیاں چوانیاں وغیرہ پھینکیں اور برہمنوں کو جو بھلا ایسی
تقریب پر وہاں آنے سے کیوں چوکنے لگے تھے بہت کچھ پُن دان دیا۔
مینے دیکھا کہ ہر ایک شخص نے جب پانی سے نکلا نئی پوشاک جو دریا کے
کنارے ریت پر پہنے کو رکھی ہوئی تھی پہنی۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے جو
زیادہ دہرم آتما تھے اپنی پرانی پوشاکیں برہمنوں کو پُن کردیں۔
اس طرح سے مینے اس عظیم الشان سورج گہن کی پوجا کا تماشا اپنے

مکان کی چھت پر سے دیکھا۔ اور جیسا کہ یہاں ہوا ویسا ہی دریائے سندھ اور گنگا اور ہندوستان کے اَور دریاؤں بلکہ عام تالابوں پر بھی ہوا۔! کہتے ہیں کہ تھانیسر* میں قریب ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کے ہندوستان کے ہر ایک حصّہ سے اشنان کے واسطے آنکر جمع ہوئے تھے۔ کیونکہ اُس ندی کا پانی جو وہاں بہتی ہے گہن کے دن اَور دریاؤں اور ندیوں کی نسبت زیادہ متبرک اور پاک سمجھا جاتا ہے۔

سورج گہن کے اشنان وغیرہ رسوم کے باب میں ہندوؤں کے ساتھ سلاطین مغلیہ کا برتاؤ۔

سلاطین مغلیہ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن اِن پُرانی رسموں کے آزاد طور پر بجا لانے کو یا تو اِس خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں! یا دست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے۔ مگر ہاں اتنی بات بیشک ہے کہ تھانیسر کے میلہ سے پہلی

* ہندوستان کی تاریخ میں یہہ واقعہ بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ سن پندرہ سو سرسٹھ (۱۵۶۷ء) عیسوی مطابق سن نوسو چوہتر (۹۷۴) ہجری میں جو شہنشاہ اکبر لاہور سے دہلی کیطرف آتا ہوا تھانیسر میں ٹھہرا تو اتفاق سے وہاں سورج گہن کے نہان کا میلہ تھا۔ پس کسی بات پر تکرار ہو کر سنیاسیوں اور جوگیوں میں جھگڑا اُٹھا اور دونوں بادشاہ کے پاس فریادی آئے اور درخواست کی کہ ہمکو تلوار سے لڑکر آپس میں فیصلہ کر لینے کی اجازت ملے! بادشاہ نے اوّل تو بہت سمجھایا مگر جب اُنہوں نے نہ مانا تو یہہ عجیب فیصلہ کیا کہ لڑنے کی اجازت دیدی اور حکم دیا کہ سنیاسی جو جوگیوں سے تعداد میں کم یعنی قریب تین سو کے تھے اور جوگی پانسو تھے۔ ہمارے سپاہی اُن میں شامل ہو کر جوگیوں سے لڑیں! پس بادشاہی سپاہی بھی بھبوت ملکر سنیاسیوں کے ساتھ میدان میں آکودے اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے خوب لڑائی ہوئی اور حضرت شہنشاہ بڑے لطف سے بیٹھے تماشا دیکھا کئے۔ آخرکار جوگیوں کا ناس کرکے سنیاسی غالب آئے اور اسکے بعد بادشاہ نے انتظام کر دیا کہ یہہ کچھہ اَور زیادہ فساد نکرنے پاویں! یہہ روایت

چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کیطرف سے بطور وکیل حاضر ہوکر ایک لاکھ روپیہ پیشکش کرکے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اسکے عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضعیف ہاتھی انکو عطا ہوتا ہے*

گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور پُن دان کرنے کی وجہ۔

اَب میں اِس گہن کی پوجا کی وجہ اور منشا اور یہہ کہ یہہ رسمیں کیوں جاری ہیں بیان کرتا ہوں۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہمارے چاروید یعنی (کتب آسمانی) جو خدا نے ہمکو برہما کی وساطت سے دیئے ہیں یہہ بتلاتے ہیں کہ ایک دیوتا جس نے راچھس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت کالا کلوٹا اور از بس نجس اور میلا کچیلا ہے سورج کو پکڑ کر بشدت میلا اور کالا بنا دیتا ہے۔ سورج بھی اگرچہ

بقیہ حاشیہ

بدایونی کی ہے مگر ابوالفضل نے لکھا ہے کہ پُرنی اور گرِنی جو دونوں سنیاسیوں ہی کے فرقے ہیں انمیں اِس بات پر جھگڑا ہوگیا تھا کہ میلے میں تیرتھ کے کنارے پُرنیوں کے بیٹھنے کی جو جگہہ تھی اور جہاں خوب چڑھاوا چڑھتا تھا وہ گریوں نے چھین لی تھی۔ س۔م۔ح

* ہندو راجہ اور بڑے بڑے امیر سورج گہن کے موقع پر اکثر ہاتھی کا دان ایک قسم کی برہمنوں کو جو معمولی برہمنوں سے ذات میں کم سمجھے جاتے ہیں اور جنکو ہمارے مُلک ایں روئے ستلج میں ڈکوت یا مہابرہمن یا گجراتی یا اچارج کہتے ہیں دیا کرتے ہیں پس غالب ہے کہ بادشاہ کیطرف سے یہہ ہاتھی اور پوشاک برہمنوں کو بطور دان دیا جاتا ہوگا۔ اور یہہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے کیونکہ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لیئے انکی بعض رسمیں اختیار کرلی تھیں جو اکبر کے عہد سے لیکر اس سلسلہ کے اختتام تک سب بادشاہ انکو بجا لاتے تھے مثلاً تُل دان یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے اور چاندی کے ساتھ تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا اور چاندی مستحقین کو بطور خیرات دیا جاتا تھا اور اِس موقع پر ایک بڑا جشن کیا جاتا تھا۔ س۔م۔ح

ایک دیوتا ہے مگر چونکہ نہایت رحم دل اور نیک نہاد ہے اس شریر کالی بلا کے پنجہ میں پھنسکر سخت تکلیف اور ایذا پاتا ہے پس ہر ایک شخص کو یہہ لازم اور واجب ہے کہ سورج بھگوان کو اس حالت سے نجات اور رہائی دینے میں کوشش کرے - اور اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ اشنان اور پوجا پاٹھ اور پُن دان کیا جائے - کیونکہ یہہ دھرم کرم گہن کی حالت میں نہایت ہی مہاتم اور گُن رکھتے ہیں اور جو پُن دان اُس وقت کیا جائے وہ بہ نسبت معمولی پُن دان کے سو گُنا پھلتا ہے - پس ہندو لوگ یہہ کہتے ہیں کہ بھلا کون ایسا شخص ہوگا کہ جس کام میں سو گُنا فائدہ ہو اُسکو نکرے !

صاحب من - یہی وہ دونوں سورج گہن ہیں کہ جنکی نسبت مینے آپ سے کہا ہے کہ انکو ہرگز نہ بھولوں گا -

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان

سورج گہن کی رسموں وغیرہ کے ذکر سے مجھکو طبعاً اور خواہی نخواہی یہہ تحریک ہوتی ہے کہ کچھ اَور حال بھی اِن لوگوں کی بعض وحشیانہ طور کی رسموں کا آپ کو سناؤں جنکو سنکر آپ کی رائے میں جیسا مناسب معلوم ہو نتیجہ نکال لیں -

رتھ جاترا کے موقع پر جاتری نہایت کثرت سے جمع ہوتے ہیں

خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ نامے ایک شہر ہے اور وہاں ایک مشہور مندر ہے جسمیں جگن ناتھ کی مورت نصب کی ہوئی ہے - اور اگر میری یاد میں غلطی نہو وہاں ہرسال

ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ نو روز تک رہتا ہے اور اس موقع پر لوگوں کا بڑا بھاری مجمع ہوتا ہے - جیسا کہ اگلے زمانہ میں ہمّن* کے مندر پر ہوتا تھا یا ہمارے وقت میں مکّہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ قریب دو لاکھ کے جاتری جمع ہو جاتے ہیں -

جگن ناتھ کے رتھ اور مورت کا بیان -

لکڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے (جسکا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں مینے دیکھا بھی ہے) جسپر بیشمار مورتیں بنی ہوئی ہیں جنمیں سے کیکے تو اُن

---

* ہمّن Hammon جوپی ٹر کا ایک دوسرا نام ہے جو قدیم بت پرست یونانیوں اور رومیوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا - یہہ مندر جسکا ذکر متن میں ہے لیبیا کے (افریقہ کا ایک قدیم نام ہے) اُس ضلع میں تھا جسکا ہمارے زمانہ میں شہر برقہ دار الحکومت ہے - جہاں یہہ مندر بنا ہوا تھا اُس سے کسی قدر فاصلہ پر اب صیوہ نامے ایک گاؤں آباد ہے جو برقہ اور قاہرہ کے مابین قاہرہ سے مغرب کی طرف تخمیناً تین سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے - رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں یہہ بیحد و شمار جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا - لیکن انکی سلطنت کے زوال کے بعد اُن لوگوں نے جو وَنڈل کے نام سے مشہور تھے اسکو لوٹ کر برباد کر دیا - جس ضلع میں یہہ مندر بنا ہوا تھا اُسکے چاروں طرف کی زمین بالکل بیابان تھی جسمیں نہ گھاس تھا اور نہ پانی - مگر اس مندر کے آس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی - اور اُس بیابان میں صرف وہ ہی ایک قطعہ تھا جہاں اوس پڑتی تھی مشہور رومی مؤرخ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ اس مندر کے نزدیک ایک ایسا چشمہ تھا جسکا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا پہلے ٹھنڈا اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جسکی خنکی دن کے گھٹنے کے ساتھ گھٹتی جاتی تھی یہانتک کہ شام ہونے تک گرم ہو کر رفتہ رفتہ آدھی رات کو کھولنے لگتا تھا سن سترہ سو بانوے (۱۷۹۲ء)

(جوپی ٹر ج و پ ی ٹ ر) (لیبیا - ل ی ب ی ا) (برقہ - ب ر ق ہ) (صیوہ - ص ی و ہ)
(وَنڈل وَن ڈل) (ہیروڈوٹس ہ ی رو ڈو ٹ س) Herodotus

جنوں کی تصویروں کی طرح جو ہمارے ملک میں ہوتی ہیں دو سر میں یعنی آدھا جسم انسان کا ہے اور آدھا حیوان کا اور کسیکے نہائت مہیب بندر اور دیو وغیرہ کا سا ایک سر ہے۔ یہہ رتھ پندرہ سولہ پہیّوں کا ہے اور پچاس ساٹھ آدمیوں کے زور سے چلتا ہے اور اسکے عین وسط میں جگن ناتھ کی مورت کو نہایت مکلف اور زرق برق پوشاک پہنا کر رکھتے اور عظم و شان کے ساتھ ایک مندر سے دوسرے مندر کو لیجاتے ہیں۔

مورت کے درشن کے وقت لوگ کثرتِ ازدحام سے کچل جاتے ہیں

پہلے روز جس وقت اس مورت کے درشن کرائے جاتے ہیں اسقدر ازدحام ہوتا ہے کہ بہت سے جاتری جو کاسے کوسوں چلکر نہایت ضعف اور کمزوری کی حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھکا سے کچل جاتے ہیں اور اُن کے اِرد گِرد کے لوگ یہہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی خوش نصیب تھے! جو اتنی دور سے ایسی متبرک جگہ آن کر مرے۔!!!

عیسوی میں بَرزونی نامے ایک سیاح نے اس مندر کا مقام دریافت کیا اور سن چودہ سو اٹھانوے (۱۴۹۸ء) میں ہوارلی مین نامے ایک دوسرے سیاح نے اس جگہ کو معلوم کیا۔ اور ان کے بعد سن اٹھارہ سو سولہ (۱۸۱۶ء) میں ایک اور سیاح نے جسکا نام بلزونی تھا اس مقام کو دیکھا وہ لکھتا ہے کہ یہہ چشمہ کھجوروں کے ایک خوشنما جنگل کے درمیان واقع ہے اور چونکہ اُسکے پاس تھرمامیٹر نہ تھا اسلئے اُسنے اسکے پانی کی نسبت قیاساً یہہ لکھا ہے

(بَرْزُونی بَ رْزُوِ نی) (ہوارلی مین۔ ہُوَ ؤَ آ۔ رِ لی مَ ے ن) (بلزونی بِ ل زُو نی)

جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل کر مرجانا بڑا مہاتم سمجھا جاتا ہے۔

یہہ رتھ جسکے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا ہوتا ہے جب احتشام کے ساتھ چلتا ہے تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہہ لوگ ایسے نادان خوش عقیدہ ہیں کہ اپنے تئیں اُسکے پہیّوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو اُنکو بالکل کچل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اِس امر سے ذرا بھی تعجّب اور نفرت نہیں کرتے اور اُن کے خیال میں کوئی کرم (عمل) ایسا بہادرانہ اور اِس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے - اور جان دینے والا یہہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اُسکو بجائے اپنے بچہ کے سمجھیں گے اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزّت اور عیش کی زندگانی بخشیں گے -!!! برہمن لوگوں کو اِن توہّمات اور اِن بھاری غلطیوں کے ارتکاب کی اَور بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں جسکے وسیلہ سے اُنکو دولت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے - کیونکہ لوگوں کا اُنکی نسبت یہہ اعتقاد ہے کہ یہہ غیب کے بھیدوں سے واقف ہیں اور اِس لئے اُنکی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ پُن دان لیکر مالدار ہوجاتے ہیں -

ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن بنائی جاتی ہے

برہمنوں کا دغا اور فریب یہانتک ہے کہ تاوقتیکہ مینے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کرلیا مجھکو اِس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی

کہ اس کی گرمی صبح کو (اسّی ۸۰) دوپہر کو (چالیس ۴۰) شام کو (ساٹھ ۶۰) اور آدھی رات کو (سو ۱۰۰) درجے ہوجاتی ہے - (ماخوذ از جام جم و انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

کیواسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑی دھوم دھام سے مورت کے ساتھ مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہہ برہمن اسکو یہہ دم دیتے ہیں کہ خود جگن ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ آکر رہینگے اور تو دیوتا سے پوچھیو کہ اگلی دفعہ سماں کیسا ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پوجا اور چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جلوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کیوقت ایک شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے مندر میں پہنچ جاتا اور اس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اسکو جگن ناتھ سمجھی ہوئی ہوتی ہے ہم بستر ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اسکو یقین کرا جاتا ہے۔ اور جب صبح کو ویسی ہی دھوم دھام سے اس کو دوسرے مندروں میں لیجاتے ہیں تو برہمن اس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تُنے دیوتا کی زبان سے سنا ہے وہ علانیۃً لوگوں کو سنادو۔

کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتی ہوئی بہت بیحیائی کی حرکتیں کرتی ہیں

اب ہم ایک اور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں یعنی جگن ناتھ کے رتھ کے سامنے بلکہ خاص مندر میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ کیوقت کسبیاں اپنی بدن نُمائے اوضاع کے ساتھ نہایت بے شرمی اور بے حجابی کی حرکتیں کرتی ہیں* در

* مصنف کی مُراد اس عبارت سے وہ بیہودہ ناچ معلوم ہوتا ہے جو ابتک بھی بنگالہ میں مروج ہے اور نوجوان بنگالی اپنے عیش وعشرت کے بے تکلفانہ جلسوں میں رنڈیوں کو برہنگی مطلق کی حالت میں نچاکر خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کے ناچ کو انکی زبان میں کھیمٹا کا ناچ کہتے ہیں بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سن اٹھارہ سو تین (سنہ ۱۸۰۳ع) میں جب وہ صوبہ جہاں یہہ مندر ہے سرکار انگریزی کے ہاتھ آیا تو اُسوقت تین سو ناچنے والی ہوتیں

برہمن ان لغویتوں کو بالکل اپنے مُلک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے ہیں۔

میں کئی ایک خوبصورت کسبیوں کو جانتا پہچانتا ہوں جو باوجود اِس پیشہ کے

یہ کسبیاں برہمنوں اور ہندو فقیروں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتیں

نہایت محتاط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں۔ چنانچہ اِن

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

مندر کی ملازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصول کے لیئے ایک عہدہ دار مقرر تھا مگر کچھ زمانہ بعد پادریوں نے جو مندر کے چڑھاوے کی آمدنی کا لینا اپنی عیسائی سرکار کے لیئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکاری کے ساتھ جھگڑا کر کے خزانہ سرکار میں اسکا آنا موقوف کرادیا اور اس طرح پر یہہ آمدنی خالص حق پوجاریوں کا ہوگیا۔ س۔م۔ح

اس کتاب کے انگریزی مترجم مسٹر اروِنگ† براک صاحب نے اس موقع پر ڈاکٹر ‡کلاڈی اس بکانن صاحب کی کتاب یادداشت سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے ترجمہ کر کے اسجگہہ نقل کیا جاتا ہے **قولہ** ڈاکٹر کلاڈی اس بکانن صاحب (جنہوں نے سن اٹھارہ سو چھ (1806ء) میں مُلک اوڑیسہ کے دورہ کرنے کے موقع پر مندر جگن ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کئے ہیں) یوں لکھتے ہیں کہ آج تاریخ تیسویں مئی سن اٹھارہ سو چھ (1806ء) ہم بمقام بھدریک مقیم ہیں اور اگرچہ جگن ناتھ اب بھی پچاس میل سے زیادہ فاصلہ پر ہم سے ہے۔ لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کی ہڈیاں شاہراہ پر پڑی ہوئی دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم جگن ناتھ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ اس مقام پر قریب دو ہزار کے جاتری ہمکو آملے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آئے ہیں۔ چنانچہ بعض اُن میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمکو اپنا گھر چھوڑے دو مہینے ہوئے اور باوجودیکہ آجکل موسم سخت گرمی کا ہے اِسپر بھی یہہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ مع عیال و اطفال آئے ہیں

† Irving Brock

‡ Dr. Claudius Buchanan

عورتوں کو کئی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پردیسی قوم کے بت پرستوں نے بہت کچھ دولت اور روپیہ دینا چاہا لیکن انہوں نے باین عذر

یہ جاتری لوگ بہت سے راستہ ہی میں مرجاتے ہیں اور اُنکی لاشوں یا ہڈیوں کو کوئی دفن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس منزل پر جہاں ہم مقیم ہیں ندی کے کنارے جو جاتریوں کے اُترنیکے لیے ایک سرا بنی ہوئی ہے کوئی قریب سو کھوپڑیوں کے ہمنے پڑی دیکھیں آج ہمکو ایک ایسا خوش اعتقاد جاتری ملا جو ہر قدم پر پوری ڈنڈوت کرتا اور گویا اپنے جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیوتا کے خوش کرنیکے واسطے اس طریق کو نہایت عمدہ سمجھکر بجا لا رہا تھا۔ پھر وہ چودھویں ۱۴ جون سن اٹھارہ سو چھ ۱۸۰۶ کو خاص جگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں " کہ میں نے جگن ناتھ کو دیکھا کوئی کتاب تاریخ اس دار الفنا اور ردلوی مورت کا ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کرسکتی۔ البتہ اس کے مشابہ **وادیٔ ہنّوم*** ہو تو ہو یا جیسا کہ **مولک** Moloch کی مورت پر شہر کنعان میں اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ ویسا ہی اگر جگن ناتھ کی مورت کو اس زمانہ کا مولک کہا جاوے تو کچھ ناواجب نہیں ہے۔ کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تئیں بلی دان اور قربانی کرنے والے لوگ بھی نہ تو مولک کی قربانیوں سے تعداد ہی میں کم ہیں اور نہ اس بُرے طور پر جان کھونے ہی میں۔ جگن ناتھ کے ساتھ اُسکے بھائی اور بہن **بلرام** اور **سوبھدرا** کے نام سے دو اَور مورتیں بھی ہیں اور تینوں کی پوجا ہوتی ہے اور تقریباً تینوں کی مانتا ایک ہی سی ہے۔ کیونکہ تینوں کے سنگھاسن بلندی میں قریباً برابر ہیں۔ آج صبح کو میں مندر کے دیکھنے کو گیا! نہایت وسیع اور عالیشان عمارت ہے! اور فی الواقع لایق شان اور منزلت ایسے ہی ہولناک بادشاہ کے ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اُس مندر کے دیوتا کے حالات اور خیالات اور معتقدات کی مناسبت سے اُس شکل کی مورتیں وغیرہ بناکر قایم کیجاتی ہیں ویسا ہی اس مندر میں وہ سب

---

* مُلک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایام سلف میں مولک نامی ایک بت استادہ تھا اور اُسپر اکثر لوگ اپنی اولاد کو قربانی کرتے تھے۔ ۲م ۹ Hinnom

قبول نہ کیا کہ ہمنے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں اور اُن سادھوؤں

ناشایستگی اور عیوب کی بشمار اور مختلف مورتیں موجود ہیں جو خاص اس کی پوجا کے طریق کا لُبِّ لُباب ہیں چنانچہ مندر کی دیواروں اور دروازوں کے تختوں پر ایسی خلاف تہذیب شکل کی مورتیں جنکو دیکھکر شرم آتی ہے بھاری بھاری اور پائدار پتھروں سے تراشی ہوئی کھڑی ہیں۔ میں سمندر کے کنارے کی ریتی کو بھی دیکھنے گیا تھا وہاں بھی بعض مقامات جاتریوں کی ہڈیوں سے بالکل سفید نظر آتے تھے۔ شہر کے نزدیک ایسے ایک اور جگہ جسکو انگریز گنگو تھا کہتے ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یونہیں پھینک دیجاتی ہیں اور کتّے اور گدھ وغیرہ وہاں ہمیشہ جمع رہتے ہیں

میں جیمس ہنٹر صاحب کے مکان میں جو سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جگن ناتھ کے مندر کے منتظم اور جاتریوں سے سرکاری محصول کے وصول کے ذمہ دار ہیں اُترا ہوا ہوں جو سمندر کے کنارے مندر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ صاحب شہر کے قریب اسواسطے نہیں رہتے کہ وہاں متعفن لاشوں کے باعث نہایت بدبُو آتی ہے اور ان لوگوں کے گوناگوں توہمات کے مشاہدہ سے قطع نظر شہر میں اور بھی بہت سی ایسی نازیبا باتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن سے آدمی کے حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فاقوں کے مارے ہوئے ہزاروں جاتری نیم مردہ اور بھوت کی سی ڈراؤنی صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں۔ جن میں سے اکثر بھوکھ اور بیماریوں کے مارے شہر کے گلی کوچوں ہی میں مرجاتے ہیں یا یہہ کہ اکثر وہ لوگ جو بڑے بھگت اور خوش عقیدہ ہوتے ہیں بالوں کے جوڑے باندھے اور بدن کو کئی طرح کے رنگ لگائے اور اپنی جان کو طرح طرح کے عذاب دیتے ہوئے جس کو وہ عبادت سمجھتے ہیں نظر آتے ہیں اسکے سوا عورتیں اور مرد بغیر کسی قسم کے شرم اور حجاب کے شہر کے قریب ریتی میں قضائے حاجت کے لیئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے فضلہ کو سانڈ جنکو یہہ لوگ مقدس سمجھکر چھوڑ رکھتے ہیں بے تکلف آکر چٹ کرتے ہیں!

پھر صاحب موصوف اٹھارویں جون سن اٹھارہ سو چھ عیسوی کو جگن ناتھ ہی سے یوں لکھتے ہیں کہ "میں ابھی ایک تماشا دیکھکر جسکو عمر بھر نہ بھولوں گا اپنے مکان پر

(جیمس ہنٹر - ج ے م س ہ ن ٹ ر) James Hunter

پرجو ننگے دھونی رمائے اور جٹا دھارن کیئے مندر کے چاروں طرف

آیا ہوں - آج اس دیوتا کا بڑا دن ہے - چنانچہ دوپہر کیوقت ہندو جگن ناتھ کی مورت کو مندر سے باہر لائے اسوقت لاکھوں جاتری اور عقیدت مند لوگ اپنی جے جے کار سے نہایت شور و غل کرتے ہوئے ساتھ تھے اور جب مورت کو سنگھاسن پر بٹھایا اُسوقت تو ایسا غل پڑا کہ میں نے کبھی نہیں سُنا تھا پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد دور سے کچھ شور سا سُنائی دیا - اور تمام خلقت کی آنکھیں اُسطرف کو اُٹھ گئیں اور میں نے دیکھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ سا چلا آتا ہے - ذرا قریب آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک غول بڑی جلدی سے چلا آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کھجور یا کسی اَور درخت کی سبز ٹہنی ہے اِس غول کے لیئے خلقت نے راستہ چھوڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگھاسن کے سامنے جسپر مورت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو زمین پر سرتا پا گر کر ڈنڈوت اور پوجا بجا لائے - اُس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھ پر رکھا گیا جو مثل ایک برج کے ساٹھ فٹ بلند تھا اور جسکے پہیئے بوجھ کے مارے زمین میں دھسے جاتے تھے - اس رتھ میں جہاز کی سی بھاری اور لمبی لمبی چھ زنجیریں لگی ہوئی تھیں اور ہزاروں مرد عورت اور بچے اِن کو کھینچتے تھے اور بقدر ازدحام تھا کہ بعض لوگ صرف ایک ہی ہاتھ لگا سکتے تھے - بچوں سے اِس زنجیر کے کھچوانے کی یہہ وجہ تھی کہ ایسے دیوتا کی زنجیر کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے - رتھ کے اوپر سنگھاسن کے پاس برہمن اور پوجاری لوگ کھڑے تھے اور میں نے سُنا کہ شاید ایکسو بیس [120] پوجاری رتھ پر موجود تھے - جگن ناتھ کی مورت ایک لکڑی کا بنا ہوا قالب ہے (جسے ہندو کلنگ وَرَن کہتے ہیں) اسکا چہرہ کالا رنگا ہوا اور نہایت مہیب ہے اور مونہہ بڑا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے بھرا ہوا ہے - بازو سونے کے ہیں اور پوشاک نہایت مکلف اور نفیس پہنائی ہوئی ہے اور وہ دونوں مورتیں جو اُسکے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا زرد ہے! پانچ ہاتھی جنکے اوپر بڑی اونچی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اِس تین گنبد والے رتھ کے آگے آگے چلتے تھے! اِن ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں جانب معمولی گھنٹے بھی لٹکتے تھے - میں بھی اس جلوس میں جا شامل ہوا بلکہ خاص رتھ

بیٹھے ہیں (جنکی وضع کا بیان میں جلد کرونگا) وقف کیا ہوا ہے۔

کے قریب پہنچ گیا۔ جس کو بہت سے لوگ بمشکل تمام کھینچتے تھے۔ اور اُسکے پہئیے جو بہت بڑے تھے اُن میں سے گرج کی سی آواز نکلتی تھی۔ چند لمحہ بعد رتھ رُک گیا اور پوجا شروع ہوئی یعنی مندر کے بڑے پوجاری نے رتھ پر چڑھکر اور مُورت کے سامنے آکر چند فحش گیت گائے اور بیان کیا کہ جگن ناتھ جی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب اِن گیتوں سے خوش ہوتے ہیں تب ہی اِن کا رتھ چلتا ہے۔ چنانچہ اِن گیتوں کے گانے کے بعد رتھ ذرا سا آگے بڑھکر پھر کھڑا ہوگیا۔ تب ایک لڑکا جسکی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی سامنے کیا گیا اُسنے اُس پوجاری سے بھی بڑھکر چند قابل شرم گیت اس اُمید سے گانے شروع کئے کہ شاید اُن کا دیوتا قدم آگے بڑھائے اُس لڑکے نے دیوتا کی تعریف اور اُسکی بڑی دلربا آواز سے کی اور گیت کے مضامین کو جسمانی حرکات یعنی بتانے سے بھی ادا کیا جس سے دیوتا خوش ہوگیا۔ اور لوگوں نے ایک مصنوعی خوشی کا شور کرکے رتھ کو ذرا آگے بڑھا دیا مگر چند لمحہ بعد رتھ پھر ٹھہر گیا۔ پھر اس دیوتا کے ایک بُڈھے پوجاری نے کھڑے ہوکر اور اپنے ہاتھ میں ایک لمبی چھڑی لیکر اور اُسکو تھوڑے عرصہ تک ناشایستہ طور پر ہلا ہلا کر اس مکروہ تماشے کو ختم کیا۔

واضح ہو کہ جگن ناتھ کی پوجا جسکو میں ہندوستان کا **مولک** کہتا ہوں فحش اور خون ریزی دو باتوں سے مرکب ہے۔ چنانچہ فحش کا ذکر تو ہوچکا۔ اب خوں ریزی کا بیان سُنیئے۔!!! جب رتھ تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو ایک جاتری بولا کہ میں **جگن ناتھ جی** پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُسنے چلتے ہوئے رتھ کے پہیوں کے آگے اپنے تئیں ہاتھ پھیلا کر موںہہ کے بل زمین پر ڈال دیا۔ اِس وقت ازدحام خلایق نے اُسکے لیئے جگہہ چھوڑ دی اور رتھ کے پہیوں سے وہ کچل کر مرگیا۔ اِس حرکت پر جاتریوں کے ازدحام نے مُورت کی طرف دھیان کرکے بڑے زور سے جے جے کار کی صدا بلند کی۔ کیونکہ یہہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اِس طرح سے دیوتا کو خون چڑھایا جاتا ہے تو دیوتا مُسکراتا ہے۔ پھر اِن لوگوں نے اس جاتری کی لاش پر بمراد اظہار استحسان اُسکے اس فعل کے کوڑیاں پھینکنی شروع کیں۔ پھر بیسویں جُون سنہ اٹھارہ سو چھ سنہ ۱۸۰۶ع کو اِسی مقام سے صاحب موصوف یہہ لکھتے ہیں کہ یہہ ہولناک رسمیں ابھی بدستور جاری ہیں۔ چنانچہ کل پھر ایک عورت نے اپنے تئیں قربانی کیا۔ گر وہ رتھ کے نیچے چونکہ سیدھی نہیں پڑی تھی اور معمول کے خلاف

آڑے طور پر پڑ گئی تھی اِس وجہ سے فوراً ہلاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں میں اُس کی جان نکلی۔ مگر آج صبح کو جب میں اُس مُردوں کی کھوپڑیوں والی جگہ سے گزرا تو مینے دیکھا کہ اُس عورت کی لاش میں بجز ہڈیوں کے اِس وقت اَور کچھ باقی نہ رہا تھا! پھر کیمبوین جُون سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) عیسوی کو یوں لکھتے ہیں کہ ”ابھی رتھ جاترا کے تماشے بدستور جاری ہیں لیکن ایسے افعال اور بیرحمیوں کو دیکھتے دیکھتے میں اسقدر تنگ آگیا ہوں کہ اَب دل یہی چاہتا ہے کہ یہاں سے جلد بھاگ چلئے! آج صبح کو اُس مقام پر جہاں مُردوں کو پھینکا جاتا ہے مینے ایک اَور بھی زیادہ دردانگیز واقعہ دیکھا کہ ایک عورت جو مُردہ یا قریب المرگ پڑی ہوئی تھی اُسکی لاش کو کُتّے اور گِدھ چمٹے ہوئے تھے۔ اور اُس کے دو بچّے اُس کی لاش کی طرف بحسرت تک رہے تھے۔ اور جاتری لوگ جو اُس طرف ہو کر جاتے تھے اِن بچّوں کی حالت پر کوئی بھی اصلاً ملتفت نہ ہوتا تھا مینے اُن بچّوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے اُنھوں نے کہا کہ جہاں ہماری ماں ہے وہیں ہمارا وطن ہے! افسوس کہ اِس جگہ میں رحم نام کو بھی نہیں ہے۔ اِس وقت جاتری لوگ یہاں اسقدر جمع ہوئے ہیں کہ اُنکی تعداد کا اندازہ ٹھیک ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ خاص تہواروں پر جسقدر جاتری جمع ہوتے ہیں اُنکی تعداد کی نسبت یہاں کے لوگ ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض میلے میں سے ایک لاکھ آدمی چلا جائے تو کثرتِ خلائق میں کچھ کمی محسوس نہیں ہو سکتی۔ مینے ایک برہمن سے پوچھا کہ بڑے سے بڑے میلے پر تمہاری دانست میں کسقدر جاتری آتے ہوں گے تو اُس نے یہہ جواب دیا کہ میں کسطرح کہہ سکتا ہوں کہ مُٹھی بھر ریت میں کتنے ذرّے ہوتے ہیں۔

انگلستان میں انگریزوں کو اِس بات پر یقین نہیں آنے کا کہ یہہ سب خونریزیاں جو جگن ناتھ میں ہوتی ہیں آیا کلکتہ میں حکّام انگریزی کو بھی معلوم ہیں یا نہیں۔ لیکن افسوس کہ گورنمنٹ ہوس کے دروازے کے آگے اور سُپریم گورنمنٹ کی نظروں کے سامنے یہہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ خاص بنگالے میں بھی جو ایک خوشنما اور ایسا سرسبز اور شاداب مُلک ہے۔ جسکو دُنیا کا باغ

کہا جاتا ہے اس ہندوستان کے ملک کے کئی مندر ہیں۔ چنانچہ ایشڑا[۹۴] جو کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر گنگا کے کنارے ایک خوشنما گاؤں ہے (اور جہاں پہلے وارن ہیسٹنگس صاحب گورنر جنرل ہند رہا کرتے تھے اور اب بھی گورنر جنرل حال کے باغ[۹۵] سے یہہ جگہہ سامنے نظر آتی ہے) خاص اُسکے متصل ہی جگن ناتھ کا مندر موجود ہے جہاں اکثر انسان کی قربانی کا خون بُت کو چڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ ماہ مئی سن اٹھارہ سو سات (۱۸۰۷ء) عیسوی جبکہ ڈاکٹر بکانن صاحب رتھ جاترا کے میلے پر اس جگہہ موجود تھے ایک بہت خوبصورت اور تازہ توانا نوجوان شخص نے کہ جسکے لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے اور گلے میں پھولوں کا ہار پہنے ہوئے تھا یہہ حرکت کی کہ اُچھلتا کودتا آیا اور رتھ کے سامنے تھوڑی دیر تک اوّل تو بہت ذوق و شوق سے ناچتا اور گاتا رہا اور پھر یکایک اُس کے پہیوں کے نیچے جا گھسا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ فقط انتہی!
س۔ م۔ ح

---

۹۴ شاید یہہ لفظ دراصل چینڈرا ہے۔ جسکو بنگالی چیچھڑا کہتے ہیں! کیونکہ ایشڑا کا نام ہندوستان کے نقشوں میں کلکتہ کے نزدیک کہیں نہیں ملتا۔ اور وہ باغ شاید بارک پور المعروف اچانک سے مراد ہے۔ س۔ م۔ ح

---

۹۵ اصل کتاب میں لفظ کنٹری ہوس ہے۔ شہروں کے رہنے والے ذی مقدور یوروپین لوگوں میں رسم ہے کہ ایسے مکان مع باغ بیرونجات میں اس مدعا سے بنا رکھتے ہیں کہ جب کبھی شہر میں رہتے رہتے طبیعت دق ہو جاتی ہے تو تفریح خاطر اور تبدیل آب و ہوا کے لیئے وہاں جا رہتے ہیں۔ س۔ م۔ ح

ایشڑا (اِ ے شَ ڑا)

وارن ہیسٹنگس (وا ر ن ہ ے س ٹ ن گ س) Warren Hastings

ستی کا بیان

ستی کی رسم اور اُسکے باب میں حکام مغلیہ کی پالسی کا بیان*

ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کی نسبت جو روایتیں فرنگستان میں مشہور ہیں اگرچہ پہلے بھی اُنکی تصدیق بہت سے سیّاحوں اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر اُمید ہے کہ میرے ہموطن اس پُراندوہ کیفیّت کو سُنکر اَب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دینگے۔

* ستی کی رسم ہندوستان میں بہت عرصہ سے تھی اور چونکہ منوسمرتی میں باوجودیکہ بیوہ عورتوں کے وفادارانہ چلن وغیرہ کا ذکر آیا ہے ستی کی نسبت کچھ اشارہ پایا نہیں جاتا اِس لیئے انگریز مورخ یہہ راے قائم کرتے ہیں کہ یہہ رسم منوجی کے زمانہ سے پیچھے جاری ہوئی تھی اور چونکہ یجرؔبید کی تالیف وترتیب کا زمانہ سن چودہ سَو قبل مسیح اُنہوں نے ثابت کیا ہے اسلئے منوسمرتی کا تقریباً نوسو برس قبل سن مسیحی مرتب ہونا قرار دیتے ہیں۔ بہرحال دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اِسکے امتناع کی نسبت کچھ توجہ نہیں کی اور ایک بے پروائی سے کبھی کبھی اِسکی مزاحمت کی! لیکن انگریزوں کو جب خدانے اس مُلک کی حکومت عنایت کی تو پولیٹکل خیالات سے مدّت تک اِن کا حال بھی مسلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہہ کہ بیوہ صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اُس حالت میں ستی ہو جبکہ اُسکے رشتہ داروں کی خوشی ہو یا گُرو کا حکم ہو غرض زبردستی نہ جلائی جاے! ایک دفعہ لارڈ ویلزلی کے عہد میں اِس کے امتناع کے لیئے تحریک ہوئی تھی مگر اسوقت وہ ولایت کو جانیوالے

یجرؔبید (یَ جُ رْ بے دْ) لارڈ ویلزلی (لَ ا رْ ڈْ وے لْ زْ لی) Wollesley

جو بیانات ستی کی بابت لکھے گئے ہیں اُن میں بلا شک مبالغہ کیا گیا ہے اور آجکل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیونکہ مسلمان جو اِس مُلک کے فرماں روا ہیں اس وحشیانہ رسم کے نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اور اگرچہ اسکے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ اُنکی پالسی (تدبیر مملکت) کا یہہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جنکی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ اُنکی مذہبی رسوم کے بجالانے میں اُنکو آزادی دیتے

ضمیمہ

تھے جاتے جاتے کیا کر سکتے تھے۔ مگر پھر بھی چلتے چلتے وہ اتنا لکھ گئے کہ اِس رسم کا موقوف ہونا مناسب ہی۔ دسویں اپریل سن اٹھارہ سو دس (سنہ ۱۸۱۰) عیسوی کو محکمہ صدر نظامت بنگالہ نے اپنا ایک سرکلر اِس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اطلاع مجسٹریٹ یا افسر پولیس کے کوئی بیوہ ستی ہونے نپائے اور یہہ عہدہ دار اِن اُمور کی تحقیق کیا کریں کہ بیوہ خود اپنی مرضی سے ستی ہوتی ہے اور کوئی اُسپر زور و ظلم تو نہیں کرتا؟ کسی نے اُسے نشہ پلا کر تو یہہ ست نہیں چڑھا دیا؟ یا کسی اَور طرح سے بیہوش و حواس تو نہیں کر دیا؟ اُسکی عمر سولہ[۱۶] برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں؟

یہہ سرکلر اگرچہ ممانعت کے لیئے تھا مگر غور کرو تو حقیقت میں ایک طرح کی اجازت تھی!!! گورنمنٹ بمبئی نے ایک عجیب و غریب حکم یہہ جاری کیا کہ چِتا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا کرے جس سے یہہ غرض تھی کہ بیوہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل بھاگنا چاہے تو بھاگ سکے! سن اٹھارہ سو بیس (سنہ ۱۸۲۰) عیسوی میں اِس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بڑے زور شور سے مباحثہ شروع ہوا مگر کسی کو یہہ حوصلہ نہوا کہ اسکے امتناع کا قطعی حکم دیوے۔ بلکہ بعض کی تو یہہ رائے ہوئی کہ اِس کا روکنا گورنمنٹ کے اس بڑے

چِتا (چ ِ ت ا) ست (س َ ت)

ہیں لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض ایچ پیچ کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہوسکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہوجاتا کہ وہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہ آئیگی۔ صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اسکی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محلسرا میں بھیجدیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اسکو اپنے طور پر سمجھائیں۔

اُصول کے مخالف ہو کہ سرکار رعایا کے مذہب اور رسم و رواج میں بشرطیکہ وہ انسانیت اور عقل اور انصاف کے خلاف نہوں کبھی مزاحم نہ ہوگی۔ چنانچہ تمام موافق و مخالف رائیں جمع کرکے صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرز نے سن اٹھارہ سو تئیس (۱۸۲۳ء) عیسوی میں گورنمنٹ ہند کے پاس لکھبھیں اور کہا کہ ہمکو کمال خوشی ہوگی اگر یہہ رسم بغیر کسی فتنہ و فساد پیدا ہونے کے موقوف ہوجائے ! اسپر لارڈ ایمہرسٹ* نے پھر تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ لیا مگر یہی بات قرار پائی کہ اس کا انسداد تو ضرور چاہئیے۔ لیکن بتدریج ہندوؤں کے اخلاق اور تہذیب اور عقل میں ترقی پیدا کرکے ! اور یہہ جواب ولایت کو بھیجا گیا کہ بالفعل یہہ رسم قطعی موقوف نہیں ہوسکتی مگر بتدریج اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہوجائیگی ! سن اٹھارہ سو ستائیس (۱۸۲۷ء) عیسوی میں پھر گورنر جنرل کے پاس ولایت سے لکھا آیا کہ کسی طرح یہہ رسم شائستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف بھی ہوسکتی ہے ؟ اس پر لارڈ ولیم بنٹنک† نے جو ابھی گورنر جنرل ہوکر آئے تھے پھر جنگی اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ لیا اور ہمت کرکے آخر کار چوتھویں دسمبر سن اٹھارہ سو انتیس (۱۸۲۹ء) عیسوی

---

* ایمہرسٹ (اے م ہ ر س ٹ) Amherst

† ولیم بنٹنک (و ل ے م ب ے ن ٹ ن ک) Lord William Bentinck

مگر باوجود ان سب امور کے ستی کی تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور عملداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے - لیکن ہر ایک عورت کے واقعات کے بیان سے جسکو مینے بچشم خود ستی ہوتے دیکھا ہے میں آپکی تضیع اوقات اور سامعہ خراشی نکرونگا - بلکہ منجملہ اُن کے صرف دو تین صدموں ہی کا بیان کرونگا - اور ان میں بھی مفصل حالات صرف ایک ہی عورت کے لکھوں گا جسکو ستی ہونے کے مستقل اور خوفناک ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا -

ایک عورت کا ذکر جسکو مصنف نے سمجھا بوجھا کر ستی ہونے سے روکا -

بندی داس نامے میرا ایک دوست تھا جو دانشمند خاں کا میر منشی تھا وہ تپ دق کی بیماری سے جسکا معالجہ مینے دو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک کیا تھا مر گیا - اور اُسیوقت اُسکی زوجہ نے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کا ارادہ کرلیا - اسکے رشتہ دار میرے آقا

نقش حاشیہ: کو ایکٹ نمبر ۱۸۲۹ء جاری کر ہی دیا جسکی رو سے یہہ دردناک رسم ہمیشہ کیواسطے ہندوستان سی دفع ہوگئی - اور اگرچہ کلکتہ کے دولتمند بابوؤں نے بہت غل مچایا اور اخباروں کے صفحہ کے صفحہ کالے کرڈوالے مگر اس باہمت شخص نے ایک نسنی اور خاص شاہی کونسل کی خدمت میں جو اپیل دائر کیا گیا تھا اور جسپر فرقہ برہم سماج کے مشہور بانی راجہ رام موہن رائے کے بھی دستخط تھے سن اٹھارہ سو بتیس (۱۸۳۲ء) عیسوی میں ولایت سی خارج ہوگیا - اور اس رسم کی موقوفی کی نیکنامی جو خدا نے سلطنت انگریزی کی قسمت میں لکھی تھی وہ اُسکو ہمیشہ کے لئے حاصل ہوگئی - (ماخوذ از تاریخ ہند مؤلفہ الفنسٹن صاحب - و پروفیسر محمد ذکاء اللہ صاحب) م ح

کے نوکر تھے اور اُن کو یہہ حکم دیا گیا تھا کہ اِس کو اِس دیوانگی کی حرکت سے باز رکھیں چنانچہ اُنہوں نے اُسے سمجھایا کہ اگرچہ تمہارا یہہ قصد پسندیدہ اور باعث عزّت اور خوشنودی خاندان اور سراسر لایق تحسین اور ہمّت کا کام ہے لیکن تمکو یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ تمہارے بچّے کم عمر ہیں اور اُنکو چھوڑنا نہایت بیرحمی ہے۔ اور تمکو اپنے فرزندوں کی بہبودی کا فکر اُس محبت سے جو تُم اپنے متوفی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیئے۔ اس بیوقوف اور دیوانی عورت نے جب ان کی فہمایش کو کسی طرح نہ مانا تو اُنہوں نے مجھسے درخواست کی کہ آپ چلکر سمجھائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی مرضی تھی اور اس خاندان سے میری دیرسے دوستی تھی اسلیئے میں اُسکے پاس گیا جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بدصورت بڑھیا عورتیں اور چار پانچ مُسن اور ضعیف العقل برہمن لاش کے اِردگرد جمع ہیں اور یہہ سب عورتیں باری باری بڑے شور و فغاں اور آہ و زاری سے روتی اور بڑے زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں یہہ عورت لاش کے پائینتی بیٹھی تھی اور بال کھُلے ہوئے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں آنسو نہ تھا۔ لیکن جب حاضرین مجلس کی طرح وہ بھی بہت زور سے چلاکر رونے لگی تو آنکھیں لال انگارا ہو گئیں۔ اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی پیٹتی رہی جب یہہ رونا پیٹنا فرو ہوا تو میں اُس کم بخت گروہ کے قریب گیا اور آہستگی اور نرمی کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ نواب تمہارے دونوں بیٹوں کیواسطے

دو دو کروڑوں یعنی پانچ پانچ روپیے ماہواری کا وظیفہ جاری رکھیگا بشرطیکہ
تم اپنی جان تلف نہ کرو - کیونکہ تمہارا جیتا رہنا تمہارے بچّوں کی خبرگیری اور
تربیت کے واسطے ازبس ضرور ہے اور تمکو خوب معلوم رہے کہ ہم بہت
طرح سے تمہارا چتا پر بیٹھنا اور ستی ہونا روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو
تُمھیں اس نامعقول بات کی جُرات دلاتے ہیں سزا دیسکتے ہیں - تمہارے
سب عزیز و اقارب تمہاری اولاد کی زندگی کی خاطر تُمہارا زندہ رہنا چاہتے
ہیں - اور اس حالت میں تُم پر کم ہمتی کا الزام اور وہ بدنامی بھی عاید ہوگی
جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہوسکتی ہے جو باوجود اولاد نہ ہونے کے
اپنے مالک کے ساتھ ستی ہونے کی جرات نہ کرے اور مینے کئی بار اس تقریر
کو دوہرایا لیکن اُسنے مطلق جواب ندیا آخرکار بڑے استقلال سے آنکھ ملاکر!
یوں بولی کہ " خیر اگر میں ستی ہونے نہ پاؤنگی تو دیوار سے سر پھوڑ کر
مرجاؤنگی " یہہ سُنکر مینے اپنے دل میں ذرا سوچا اور پھر نہایت غصّہ سے
پُکار کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی بھوت چڑھا ہے ! بہت اچھّا ستی ہوجا
لیکن اے بدبخت بیرحم پہلے اپنے بچّوں کے گلے کاٹ کر اُن کو اسی چتا
پر جلادے کیونکہ ہمکو یہہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تُو تو ستی ہوکر اس دُنیا سے
چل دے اور اُن کو بھوکا مرنے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند خاں
کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کراتا ہوں - میرے
اس مستقل طور پر بلند آواز سے کہنے کا یہہ اثر ہوا کہ وہ چُپ ہوگئی اور فوراً سر
جُھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بُڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے

کی طرف کھسک گئے اور یہہ دیکھکر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اسکے رشتہ داروں کے سپرد کرکے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں۔ چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے گھر کو چلا آیا۔ !

شام کیوقت جب کہ میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع کرنیکو جاتا تھا راستہ میں اُسکا ایک رشتہ دار ملا اور بعد ادائے شکر بولا کہ اُسکے شوہر کی لاش بغیر اُسکے جلائی گئی اور اُسنے اپنی جان نہیں گنوائی۔

مصنف کا ایک بی بی اور اُسکی پانچ لونڈیوں کو اکٹھے ستی ہوتے دیکھنا۔

اب اُن عورتوں کا حال سُنیے جو فی الواقع جل مرتی ہیں۔ مینے یہہ اندوہناک واقعے اتنی مرتبہ دیکھے ہیں کہ آیندہ ستی کے کسی اَور واقعہ کے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور نہ اُسکا اعادہ عبرت اور نفرت سے خالی ہے۔ بہرحال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے حتی الامکان اُسکا بیان کرتا ہوں* ! لیکن مجھکو یہہ توقع نہیں ہے کہ ان ستی ہونے

* مشہور و معروف سیاح شیخ ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ ازلیقی معروف با بن بطوطہ جو سن سات سو چونتیس (۷۳۴ھ) ہجری میں محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں جو عربی زبان میں ہے اور جسکی ایک نقل خوش قسمتی سے ہمارے کتب خانہ میں بھی موجود ہے لکھتا ہے کہ جب کبھی ستی کا کوئی واقعہ سلطان ہند کی قلمرو میں ہوتا ہے تو اوّل سلطان سے اجازت حاصل کیجاتی ہے اور اُسکے بعد عورت ستی ہوتی ہے ! اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے کہ "میں ملک سندھ ہی میں تھا کہ ایک شہر کے قریب (جس کا نام اُسنے امجری لکھا ہے) قزاقوں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سلطان کی اطاعت نہیں مانتے تھے چند مسافروں کو لوٹ لیا اور حاکم شہر کے ہمراہیوں میں سے جو مسلمان تھا اور کئے

والی دیوانی عورتوں کی جرأت اور بیدھڑک جان کھونے کا بیان ٹھیک ٹھیک کرسکوں۔ جو جو کچھ اس پُر اندوہ اور خوفناک اور بد انجام رسم میں ہوتا ہے غالب ہے کہ بے دیکھے کوئی بھی اُسکو سچ نہ جانیگا!

جب میں احمد آباد سے راجستان ہوکر آگرہ کو جاتا تھا اور ہمارا قافلہ دوپہر کاٹنے کو ایک قصبہ میں سایہ تلے ٹھرا ہوا تھا میں نے سُنا کہ ابھی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہوا چاہتی ہے! پس میں فوراً دوڑا ہوا وہاں گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں جو بجز تھوڑی جگہ کے زیادہ تر خشک پڑا تھا ایک بڑا گڑھا لکڑیوں سے بھرا ہوا ہے اور اُسپر مُردے کی لاش رکھی ہوئی ہے اور اُسی پر ایک عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ برہمن اُسکو ہر طرف سے آگ لگا رہے ہیں

لڑنے کو نکلا تھا چند ہندو آدمی مارے گئے تو اُن میں سے تین کی عورتوں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا۔ جو ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت ستی ہو جاتی ہے وفادار اور اپنے خاندان کے لیئے باعث عزت سمجھی جاتی ہے۔ اور جو ستی نہیں ہوتی وہ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتی اور بیوفائی کی وجہ سے کنبہ والوں کے نزدیک بدنصیب اور ذلیل خیال کیجاتی ہے اگرچہ ستی ہونے پر مجبور نہیں کی جاتی۔ چنانچہ جب اِنہوں نے اپنا ستی ہونا ٹھان لیا تو تین دن تک گانے بجانے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہیں گویا دُنیا سے رخصت ہوتی ہیں اور اِدھر اُدھر کی عورتیں اُنکی مُلاقات کو آتی رہیں۔ چوتھے روز کی صبح کو خوب بناؤ سنگار کر کر اور عطر وغیرہ لگا کر گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور دائیں ہاتھ میں ایک ایک ناریل اور بائیں میں ایک ایک آئینہ لیا جنکو اُچھالتی اور اُن میں اپنا مونہہ دیکھتی جاتی تھیں اور ہندو آدمی اُن سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا سلام کہدینا! جسکے جواب میں وہ ہنسکر کہہ دیتی تھیں کہ اچھا! میں اپنے ساتھیوں سمیت اُن کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کو

اور پانچ ادھیڑ عورتیں کسیقدر اچھی پوشاکیں پہنے ایک دوسری کا ہاتھ پکڑی چتا کے گرداگرد ناچتی گاتی ہیں اور بہت سے زن و مرد یہہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ چتا جسپر بہت ساگھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اٹھی اور عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور زعفران وغیرہ چھڑکا ہوا تھا آگ لگ گئی مگر مینے کوئی علامت دُکھ درد یا گھبراہٹ کی اسمیں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ اُسنے بڑے یقینی طور پر پانچ اور دو کا لفظ کہا جسکا یہہ مطلب تھا کہ یہہ پانچویں دفعہ ہے کہ میں اپنے اسی خاوند کے ساتھ ستی ہوئی ہوں۔ اور اب صرف دو دفعہ اور ستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تناسخ (آواگون) کے مسئلہ کے موافق "مکتی" کو پہنچ جاؤنگی یعنی پیدا ہونے اور مرنے سے چھوٹ جاؤنگی اور یہہ لفظ اُسنے اسطرح سے کہے کہ گویا اُسکے اس اخیر وقت

یا اور کوئی تین میل چلکر ہم ایک ایسی جگہہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گھنے سایہ کے درخت تھے اور اُن میں چار مٹ بنے ہوئے تھے جنمیں پتھر کی ایک ایک مورت تھی اور ان مٹوں کے بیچوں بیچ ایک بڑا اور پختہ تالاب تھا۔ جسپر درختوں نے ایسا گھن کا سایہ کیا ہوا تھا کہ دھوپ نہیں پڑسکتی تھی یہہ عورتیں جب اِن مٹوں کے قریب پہنچیں تو تالاب کے پاس جاکر اُتر پڑیں اور کپڑے اور گہنا پاتا اُتار کر خیرات کر دیا اور پانی میں غوطہ لگا کر ایک بن سِلا موٹا سوتی کپڑا سر سے پانوں تک اوڑھ لیا! تالاب کے قریب ہی ایک نشیب زمین میں بہت سی آگ جلائی جارہی تھی جسپر بھڑکانے کے لئے تلوں کا تیل ڈالا جارہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی ایک ایندھن کے گٹھے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے اور قریباً دس آدمیوں کے پاس بڑی بڑی لکڑیاں تھیں۔ اور ڈھول اور سنکھ بجانے والے لوگ اِن عورتوں کے منتظر کھڑے تھے۔ اور اِس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ڈر نجائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات سے پردہ کر رکھا تھا جسکو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ القصہ اُن میں سے ایک عورت کو مینے دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اُسکو لوگوں کے ہاتھ سے جھٹک کر

میں کسی اوتار یا شیئی کی روح نے اُس میں حلول کیا ہے۔ لیکن ابھی اِس دوزخیانہ طور پر جان کھونے کی واردات کی ابتدا ہی تھی اور مینے یہہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ پانچ گانے والی عورتیں بجز ایک امر رسمی کے کسی خاص مطلب کے لیئے نہ ہونگی۔ مگر جب مینے یہہ دیکھا کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُسنے بھی اپنے تئیں سر کے بل اُس آتشیں گڑھے میں گرا دیا اور اسی طرح جب ایک دوسری کے کپڑے جلنے لگے اُسنے بھی اس وہشتناک حرکت کی تقلید کی اور اسی طرح باری باری وہ تینوں عورتیں بھی جو ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے کمال بیفکری اور آرام سے ناچ رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر جل مریں۔ تب تو مجھپر سخت حیرت طاری ہوئی مگر اَب مجھکو ایک شخص کے ساتھ کئی عورتوں کے ستی ہونے کا مطلب بھی جلد معلوم ہو گیا یعنی کہ یہہ پانچوں عورتیں لونڈیاں تھیں اور جب اُن کی بی بی کا مالک مرض الموت میں مبتلا تھا اُنھوں نے اِس

کھینچ لیا اور ہنسکر بولی کر" مارا میترسانی از آتیش (زآتش) من مے دانم کہ او آتیش ست راکہنی مارا" جسکے یہہ معنی ہیں کہ کیا تُم مجھکو آگ سے ڈراتے ہو مین جانتی ہوں کہ یہہ جلا ڈالنے والی آگ ہے۔ پھر اُسنے آگ کو سلام کرنیکی خاطر اپنے دونوں ہاتھ سر پر جوڑے اور اُس میں کود پڑی اور معاً نقارے اور سنکھ اور نفیریاں بجنے لگیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں ایندھن تھا وہ اُنہوں نے اُسپر ڈال دیا۔ پھر اَور لوگوں نے لکڑیاں ڈال دیں تاکہ ہل نہ سکے اور بڑا شور و غل ہوا۔ اور یہہ سانحہ دیکھکر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے ساتھی مجھکو نہ سنبھالتے اور پانی سے میرا مونہہ نہ دھوتے تو قریب تھا کہ میں اپنے گھوڑے سے گر پڑتا۔ س۔م۔ح

بی بی کی جانب سے اپنے شوہر کی نسبت کمال محبت دیکھی تھی جس نے اُس سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ تمہارے بعد میں بھی زندہ نہ رہونگی۔ پس یہہ لونڈیاں بھی جوش اُلفت سے اسقدر مغلوب ہوئیں کہ اُنہوں نے بھی اپنا مرنا ٹھان لیا اور اُسی آگ میں جل مریں جسمیں اُنکی پیاری بی بی ستی ہوئی تھی

ستی ہونا محبت کے سبب سے نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے۔

بہت سے لوگ جن سے مینے اُسوقت ستی ہونے کی نسبت گفتگو کی مجھکو اس بات پر یقین لانے کی جانب مائل کرتے رہے کہ ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کا سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ شدّت محبّت ہے۔ لیکن مجھے جلد معلُوم ہوگیا کہ اِس مکروہ رسم کا باعث صرف ایک قسم کے تعصّب اور توہّم کا اثر ہے۔ جو لڑکپن ہی سے لڑکیوں کے دلوں میں جمایا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایک عمیق جڑ پکڑ گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک لڑکی کو اُسکی ماں یہہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پارسائی اور تعریف اِسی میں ہے کہ اپنے پتی کے ساتھ ستی ہوجاے۔ اور پتی برتا عورتوں کا یہہ ہی طریق ہے کہ اِس مقررہ رسم سے ہرگز مونہہ نہ موڑیں۔ علاوہ بریں مرد بھی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ عورتوں کی توجہ اپنے مالکوں کی اطاعت اور تیمارداری میں مشغول رہنے کیواسطے باآسانی حاصل ہو۔ اور اس طرح پر عورتوں کی طرف سے مالکوں کو زہر وغیرہ دیدینے کا ڈر بھی نہیں رہتا۔

اب میں ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک

بدکارتی کی وجہ سے ایک عورت کا اول اپنے خاوند کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا۔

واقعہ کا بیان کرتا ہوں - اگرچہ واقعی یہہ حادثہ میرا چشم دیدہ نہیں ہے - مگر اس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جسقدر ستی کے واقعات مینے دیکھے ہیں یہہ واقعہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے اُن سب سے کہیں بڑھکر ہے - اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجودیکہ مینے خود دیکھے ہیں مگر میں اُنپر اعتماد اور یقین نہیں کرتا - لیکن آپکو یا مجھے یہہ نہیں چاہیئے کہ اِس حکایت کو صرف اسوجہ سے نامعتبر تصوّر کرلیں کہ اُسمین ایک خاص طور کا انوکھاپن ہے - ہندوستان میں یہہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا جاتا ہے - اور شاید کہ ابتک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو - چنانچہ وہ قصہ یہہ ہے کہ ایک عورت کچھ مدّت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اُسکا ہمسایہ تھا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا ناجائز لگاؤ رکھتی تھی - اُسنے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جاکر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کرلو اور جھٹ پٹ کہیں کو نکل چلو - کیونکہ اگر ذرا بھی دیر ہوگی تو مجھے بسبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے خصم کے ساتھ ستی ہونا پڑیگا - مگر جب اُس جوان نے اِس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھکر انکار کردیا تو یہہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش واقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے مرگیا ہے اور میرا مصمم ارادہ ستی ہونیکا ہے - وہ لوگ اُسکی اس پرہمّت ارادہ سے جو باعث افتخار خاندان تھا بہت خوش ہوئے - اور چِتا تیار کرکے لاش کو

اُسپر رکھ دیا اور آگ لگادی - جب سب تیاری ہوچکی تو وہ چِتا کے گرد اِس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مِل مِل کر اپنے خویش و اقربا اور ہمسایوں وغیرہ سے رخصت ہو - اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبورہ نواز بھی کھڑا تھا جو اُور سازندوں کے ساتھ جو مُلک کی رسم کے موافق ستی کے سامنے باجے بجاتے ہیں بُلایا ہوا آیا تھا - پس جونہیں یہہ عورت اُسکے قریب پہنچی تو غصہ سے آگ بھبوکا ہوکر آخری رخصت کے بہانہ سے اُسکا گریبان اِس شدّت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھوڑا نہ سکا اور کھینچکر اپنے ساتھ چِتا میں لے گری اور اسطرح پر اِس جھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لیلیا *

مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھنا

سورت سے ایران کو آتے ہوئے مینے ایک اَور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھی اُسوقت کئی اہل فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر پیرس کے رہنے والے - چارڈن صاحب بھی موجود تھے ! یہہ عورت عمر کی ادھیڑ اور اچھی خاصی صورت دار تھی - مگر میری زبان میں یہہ طاقت کہاں جو اُسکی وہ حیوانوں کی سی جرأت اور دلیری اور وہ وحشیانہ چاؤ جو اُسوقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھا اور اُس کا وہ بیدھڑک چِتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دھمی کے

* مندرجہ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی ہجو کے موقع پر استعمال کیجاتی ہے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض عورتیں اس طرح بھی ضرور ستی ہوتی تھیں "تریا چلتر جانے نہ کوے - خصم مارکے ستی ہو" - س ۔ م ۔

چارڈن - چ ا ر ڈِن Mr. Chardin

ساتھ لوگوں سے بات چیت کرنا اور اپنے تئیں اشنان کرانے کی اجازت دینا اور بڑے اطمینان اور نہایت بے پروائی سے ہماری طرف دیکھنا اور ہر قسم کے رنج و فکر سے آزاد اور آرام کی حالت میں ہونا اور اُسکا وہ بلند ہمّتی کا طور و طریق اور بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے اپنی "گپھا" کو جو گھانس پھونس اور پتلی پتلی لکڑیوں کو اُوپر نیچے چُنکر چتا پر بنائی گئی تھی دیکھ بھال کرنا اور پھر شوہر کا سر گود میں لیکر اُس میں بیٹھنا اور ایک مشعل لیکر خود اپنے ہاتھ سے اُس میں اندر کی طرف سے آگ لگانا - اور پھر نہ معلوم کتنے برہمنوں کا باہر کی طرف سے اُسکو جلانا ٹھیک ٹھیک بیان کرسکوں - !!! حقیقت یہہ ہے کہ نہ تو اپنے بیان سے اِس دردناک واقعہ کی کیفیّتوں کا کامل نقشہ ہی آپ کے سامنے کھینچ سکتا ہوں اور نہ اُس حالت ہی کا کچھ بیان کرسکتا ہوں - جو اِس حادثہ کو دیکھتے وقت میرے دل پر گزری ! اور یہہ ہیبت ناک واقعہ ابتک مجھے ایسا یاد ہے کہ گویا میری آنکھوں کے آگے ہے ! اور شدّت اندوہ سے اگرچہ چاہتا ہوں کہ خواب و خیال کیطرح اُسکو بھُلادوں مگر ہرگز نہیں بھولتا - !

ستی کے چند واقعات کا بیان - جن میں عورتوں کو جبراً جلایا گیا

مینے چند ایسی بدنصیب بیواؤں کی مصیبت بھی دیکھی ہے جو چتا کی شکل دیکھتے ہی بھاگنے لگی تھیں - اور اِس حالت کو دیکھکر میرے دلکو بالکل یقین تھا کہ اگر یہہ بے درد برہمن ستی ہونے سے انکار کردینے کی اجازت دیں تو وہ بخوشی تمام اِس سے رُک جائیں مگر یہہ کمبخت اِن خوف زدہ اور اجل گرفتہ عورتوں کو ستی ہوجانے کی

خاطر صرف ترغیبیں اور ڑھاوے ہی نہیں دیتے بلکہ اُنکو زبردستی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے ایک غریب جوان عورت اسی طرح زبردستی آگ میں ڈال دی گئی تھی۔! اسی طرح مینے ایک اور بیچاری بدنصیب عورت کو دیکھا کہ اُسکے اِرد گرد جب آگ بھڑکنے لگی تو اُسنے نکل بھاگنا چاہا۔ مگر اِن دیو سیرت جلّادوں کے لمبے لمبے بانسوں کے مارے نکل نہ سکی۔

جو عورتیں چِتا میں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ پھر ہندوؤں میں شامل نہیں ہوسکتیں۔ اور خاکروبوں کے ساتھ رہکر زندگی بسر کرتی ہیں

لیکن یہہ عورتیں ان خونی برہمنوں کی آنکھ سے کبھی بچکر نکل بھی جاتی ہیں چنانچہ میری ایک حسین عورت کے پاس اکثر آمد و رفت رہتی تھی جسنے خاکروبوں کی مدد سے اپنی جان بچائی تھی۔ یہہ لوگ جب سُنتے ہیں کہ ستی ہونے والی جوان اور حسین عورت ہے اور اُسکے گھر والے چنداں نامی اور ذی مقدور نہیں ہیں اور صرف گنتی کے آدمی اڑوسی پڑوسی اُسکے ساتھ ہونگے تو وہاں بکثرت جمع ہوجاتے ہیں۔ لیکن جو عورت مرگ کا یہہ سامان دیکھکر اس طرح پر ہمت ہار دیتی ہے۔ اور اِن لوگوں کی مدد سے اس بن آئی موت سے بچ نکلتی ہے تو یہہ اُمید وہ ہرگز نہیں کرسکتی کہ اپنی زندگی کے باقی دن فارغ البالی سے کاٹے گی یا ہندو لوگ اُسکے ساتھ عزت اور محبت سے برتاؤ کرینگے۔ بلکہ وہ پھر کبھی اُن میں نہیں مل سکتی اور کوئی ہندو کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اُس عورت سے جس نے اپنے تئیں اِسطرح بے عزت کرڈالا ہو ہرگز میل جول نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ پرلے سرے کی بدنام اور مطعون ہوجاتی ہے۔ اور عموماً یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُسکی اِس

حرکت نے ہندو دھرم کو کلنک لگایا۔ اسلیئے وہ ہمیشہ انہیں اپنے ذلیل اور کمینے نئیے محافظوں کی بدسلوکیاں سہتی اور زندگی کے دن پورے کرتی ہیں۔

جو عورت ستی ہونا نہ چاہے مغل اسکو پناہ نہیں دیتے مگر پرتگیز پناہ دیتے ہیں

جب کوئی ستی چتا پر جا پہنچے تو کسی مغل کو یہہ جرأت نہیں ہوتی کہ اُسکی جان بچائے۔ یا کہ جب وہ برہمنوں کے پنجے میں سے بھاگ نکلی ہو اُسکو پناہ دینے کی جوکھوں اُٹھائے۔ کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے یہہ لوگ ڈرتے ہیں۔ البتہ پرتگیزوں نے بعض بندرگاہوں میں جہاں اُنکا زور زیادہ تھا بہت سی بیواؤں کو بچا لیا ہے۔

مصنف کا ایک کم سن لڑکی کو زبردستی جلائی جاتے دیکھنا

میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ ان حرکات کو دیکھکر غصہ کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا تھا۔ اور میں کس جوش سے چاہتا تھا کہ کوئی قابو اُن کم بخت برہمنوں کے استیصال کا ہاتھ لگے! چنانچہ لاہور میں مینے ایک نہایت خوبصورت کم سن بیوہ کو ستی ہوتے دیکھا۔ جسکی عمر بارہ ۱۲ برس سے زیادہ نہوگی۔ یہہ بدنصیب لڑکی جب چتا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اُسپر مُردنی چھاگئی۔ اور میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور بلک بلک کر روتی تھی۔ لیکن تین برہمنوں اور ایک بڑھیا نے جس نے اُسے گود میں رکھا تھا زبردستی اُسے چتا پر بٹھا ہی دیا اور اُسکے ہاتھ پانوں باندھ دیئے تاکہ بھاگنے نہ پائے۔ اور اِس طرح پر اُس بیچاری معصوم کو جلا کر خاک کر دیا۔

اُسوقت کچھ نہ پوچھیے کہ غصہ کے مارے کیا حال تھا - اور میںنے کس طرح سے اپنے تئیں تھاما - لیکن چونکہ کچھ بس نہ تھا ناچار دل ہی دل میں کُڑھتا تھا کہ ہائے غضب یہہ لوگ کیسے قابل نفرت توہمات میں گرفتار ہیں اور میںنے شاعر کے یہہ اشعار جو اُسنے ⁽¹⁾ ایگےمم نن † کی بیٹی ⁽²⁾ ایفیجینیا کے باب میں کہے تھے - جس کو اُسکے باپ نے ⁽³⁾ ڈائینا پر قربانی چڑھایا تھا - ان کے حسب حال پائے -

خلاصہ معنی اشعار لیٹن

" ایسی چیزوں کے نیست و نابود کر دینے میں بھی جو خوبصورت اور اچھی تھیں بعض اوقات مذہب نے بڑے بڑے بدکام کئے ہیں - چنانچہ بیچاری نوجوان اِف یانا سا (یعنی ایفیجینیا) کو کس بے دردی سے ڈائینا کی قربان گاہ پر قربانی کرنے کو بٹھایا گیا تھا - افسوس! یہہ مذہب انسان سے کیسے بدکام کرا دیتا ہے "

---

† ڈاکٹر برنی آر کے اس خط میں ڈائنا - ایگےمم نن اور ایفیجینیا کا ذکر چونکہ قصہ طلب باتیں ہیں - اسلیئے انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا اور کتاب جام جم وغیرہ سے انکا علٰحدہ علٰحدہ ذکر اسجگہہ لکھدینا مناسب معلوم ہوا -

ڈائنا

ڈائنا قدیم زمانہ کے یونانیوں اور رومیوں کی ایک دیوی تھی جسکو وہ شکار وغیرہ کی دیوی کہتے تھے - اور اُسمیں مارڈالنے اور بچا لینے کی دونوں قدرتیں خیال کرتے تھے اور اس مناسبت سے اُسکی صورت ایک ایسی سرو قد کنواری اور جوان عورت کی سی بناتے

---

(۱) اے گ ے م م ن ن — Agamemnon | (۳) ڈ ا ے ن ا — Diana
(۲) اِ ف یِ ج نی ن یَ آ — Iphigenia

زندہ جلا دینے کے عوض کبھی زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں

مینے ابھی پورا ذکر ان کی وحشت اور سنگدلی کا نہیں کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض حصّوں میں تو یہہ غضب ڈہاتے ہیں کہ جلا کر ستی کر دینے کے عوض عورت کو اوّل رفتہ رفتہ گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دو تین برہمن یکایک آکر اُسکی مُنڈیا مڑوڑ ڈالتے ہیں۔ اور جب دم نکل جاتا ہے تو مٹّی کی ٹوکریاں ڈالکر پانوں سے دبا دیتے ہیں۔ *

بقیہ حاشیہ

تھے۔ جسکے سر کے بال گردن سے نیچے تک پڑے ہوئے ہوں اور دائیں ہاتھ میں ترکش میں سے تیر نکالتی اور بائیں ہاتھ سے بارہ سنگے کو جو بھاگنا چاہتا ہو سینگ سے پکڑے ہوئے اور پانوں تک ایک لمبی پوشاک پہنے ہوئے ہو۔ اور اس خیال سے کہ وہ چاند کی اوتار ہے اُسکے ماتھے کو ہلال کی صورت سے سجاتے تھے۔ ایشیاء کوچک کے لوگ بھی اسکو پوجتے تھے مگر (مثل ہندوستان کی دیتنو دیوی کے) یونانیوں کے عقیدہ کے برخلاف وہ اسکو صرف مخلوق کے پالنے والی خیال کرتے تھے۔ اور اسلئے اُسکی صورت ایک ایسی عورت کی سی بناتے تھے جسکی بہت سی چھاتیاں ہوں اور اُسکے پوجاری خوجے ہوتے تھے۔ اسکا مندر جو شہر ایفیسس واقع ایشیاء کوچک میں تھا لکھا ہے کہ دو سو بیس ۲۲۰ برس میں بن کر تیار ہوا تھا۔ اور اس مدت میں ایکسو ستائیس ۱۲۷ بادشاہوں نے اُسکی تعمیر کے واسطے روپیہ دیا تھا۔ یہہ مندر چار سو پچیس ۴۲۵ فٹ لمبا اور دو سو پچیس ۲۲۵ فٹ چوڑا تھا اور سنگ مرمر کے ایکسو ستائیس ۱۲۷ ستونوں پر جو ساٹھ ۶۰ ساٹھ فٹ اونچے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ٹن (ایک ٹن اٹھائیس من انگریزی کا ہوتا ہے) کے وزنی تھے بنایا گیا تھا۔ اور بیس ۲۰۰۰۰ ہزار آدمی اُس میں بفراغت بیٹھ سکتے تھے۔ تین سو چھپن ۳۵۶ برس قبل از سن عیسوی یعنی جس رات کو سکندر اعظم کی ولادت ہوئی اراس طرتوس نامے ایک شخص نے اس مجنونانہ خیال سے جلا ڈالا کہ اس حرکت سے اُسکا نام دنیا میں باقی رہیگا! یہہ مندر اگرچہ دوبارہ

* دیکھو ایکٹ نمبر ۱۷ ۱۸۲۹ء سن اٹھارہ سو انتیس عیسوی مصدرہ گورنمنٹ ہند دربابِ امتناعِ رسمِ ستی

س م ح

ایفیسس ۔ ای ۔ ف ۔ ی ۔ س ۔ س ۔ Ephesus

اراس طرتوس ۔ اِراش طارٹ رُوس

ہندو اپنے مُردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں

داغ دیکر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم کا ذکر

اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ مگر بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ دریا کے کنارے مُردے کے کسی عضو کو گھاس پھوس سے جھُلس کر ایک اُونچے اور سیدھے کنارہ سے پانی میں دھکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ مینے اِس داغ دیکر بہا دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لاش کے

بھی بنایا گیا مگر ویسا نہ بنا اور پھر اسکو بھی گاتھ[1] قوم کے لوگوں نے (جو پُرانے زمانہ میں مُلک جرمنی کی ایک مشہور لڑاکا اور وحشی قوم تھی) ۲۵۶ء دوسو چھپن عیسوی میں جلا ڈالا اور اسکے بعد پھر کسی نے اسکو تعمیر نہیں کیا۔ شہر ایفیسس شہر ازمیر[2] سے جو ایشیائے کوچک میں بالفعل سلطنت ترکیہ عثمانیہ کا ایک حاکم نشین مقام ہے ستائیس میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے زمانہ میں اُسکا نام ایازلوک[3] مشہور ہے۔

اگے ممنن اور افیجینیا

قدیم زمانہ میں بحیرہ شام کے کنارے ایشیائے کوچک میں ٹرائے[4] ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا جسکے گرد نہایت مضبوط پچاس ہاتھ اونچی دیوار جسکا محیط چار میل تھا بنی ہوئی تھی۔ پوڈاکیز[5] ملقب بہ پرائم[6] جب یہاں کا راجہ ہوا تو اُسنے اپنے دشمن یونانیوں کے پاس اپنے بیٹے پیرس[7] نامے کو صلح کا پیام دیکر بھیجا۔ پیرس نے یہ نالایق حرکت کی کہ سپارٹا[8] کے راجا مینی لاس[9] کی رانی ہیلن[10] کو بھگا لایا۔ اسپر یونان کے تمام راجاؤں کو نہایت غصہ ہوا اور اِس امر کا بدلہ لینے کو اُن کی متفقہ فوج جو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی۔ ایک ہزار ایک سو چھیاسی ۱۱۸۶ جہازوں پر بندرگاہ آلس[11] سے جو یونان کے صوبہ یوبیا[12]

(۱) گ اتھ Goth (۲) ازم ی ر (۳) آئی ازلی وُک (۴) ٹ رائے Troy
(۵) پُ وڈاک ی ز (۶) پ را ام Priam (۷) پ ے رِس Paris (۸) س پ ارٹ ا Sparta
(۹) م ن ی ل اس Menelaus (۱۰) ہ ے ل ن Helen (۱۱) آ ل س Aulis (۱۲) یُ وب ی ا

ادھر اودھر چیلوں اور کوّوں کی ٹکڑیاں منڈلاتی رہتی ہیں اور یہہ پرندے اور دریا کی مچھلیاں اور مگرمچھ اُس سے اپنا پیٹ بھرتی ہیں

قریب المرگ بیمار کو بتدریج دریا میں ڈبو دینے کی رسم کا بیان

بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کو دریا کے کنارے لے آتے ہیں اور اُسکی پائنوں پانی میں رکھکر بتدریج اُسکو گردن تک ڈبوتے ہیں۔ اور جب سمجھ لیتے ہیں کہ اب مرنے ہی کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں۔ اور اُسکو وہیں چھوڑ کر اور رو پیٹکر چلے آتے ہیں۔ اِس رسم کا جسکو مینے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہہ مدعا ہے کہ اس طرح پر تمام گُناہ جن سے مردہ کی روح اپنی جسمانی تعلق کے وقت ناپاک ہو رہی تھی دھوئے جاتے ہیں۔ یہہ بے معنی خیال عام لوگوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ مینے بڑے بڑے مشہور پڑھے لکھے شخصوں کو

میں ہے سوار ہوئے اور منی لاس کا بھائی اگیممنن اِن کا سپہ سالار بنا اتفاق سے ایک بارہ سنگا جو ڈائینا کا خاص جانور سمجھا جاتا تھا ! اگیممنن کے ہاتھ سے شکار میں مارا گیا۔ اور اسکے بعد موافق ہوا بند ہوگئی اور جو لوگ جہازوں میں ایک قسم کی وبا سے مرنے لگے جسکو اپنی جہالت سے انہوں نے ڈائینا کی خفگی سے منسوب کیا اور اگیممنن نے بارہ سنگا مارنے کی ہتیا کا یہہ پراس چت (یعنی کفارہ) تجویز کیا کہ اپنی بیٹی افیجینیا کو ڈائینا پر قربانی چڑھانا چاہا۔ جس وقت قریب تھا کہ وہ قربانی ہوجاے تو ڈائینا نے خوش ہوکر افیجینیا کو معاف کردیا۔ اور اُسکے عوض کوئی اَور بدنصیب عورت قربانی کی گئی ! اور یونانی اپنے جہاز ٹرائے کیطرف بڑھا لیگئے اور دس برس کے محاصرہ کے بعد ایک فریب سے شہر میں داخل ہوکر باشندوں کو قتل کرڈالا اور شہر کو جلاکر راکھ کا ڈھیر بنادیا ! خیال کیا جاتا ہے کہ یہہ واقعہ سن گیارہ سو چوراسی ۱۱۸۴ قبل از سن عیسوی دقوع میں آیا تھا۔ انتہٰے۔ س۔م۔ح

بڑے زور شور سے اِسکی تائید کرتے سُنا ہے۔

ہندو فقیروں کا حال

گُرو یا مہنت کا ہونا ضروری ہے

ہندوستان کے فقیروں اور درویشوں میں جو بیشمار اور طرح طرح کے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے ڈیرے اور اکھاڑے ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ایک گُرو یا مہنت ہوتا ہے جسکے سامنے اُسکے چیلوں سے یہہ عہد و پیمان لیئے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دُنیا اور عاجزی سے گُرو کی اطاعت میں رہ کر زندگی بسر کریں۔

ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی طور سے زندگی بسر کرتے ہیں

یہہ لوگ ایسے عجیب طور پر عمر بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اُسکو بیان کروں مجھے شک ہے کہ آیا اُسپر کوئی اعتبار بھی کریگا۔ خصوصاً میرا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں! اور جسکے معنی ہیں خُدا سے ملا ہوا! بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن اکثر تو تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے اِرد گرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کئے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں! بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی ہیں۔ اور اُلجھکر اُن میں اُس طرح گرہیں پڑ جاتی ہیں جس طرح پر کہ ہماری مُلک کی پشمی کُتوں کی بالوں میں۔ خصوصاً جن کو وہ آزار ہو جس کو پولش ڈسیز کہتے ہیں! پڑی ہوئی ہوتی ہیں

Polish Disease

بہت سے جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخونوں کو اسقدر بڑھاتے ہیں کہ بڑھکر مڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے جس سے مینے اُن کو ناپا تھا زیادہ تھے ان کے بازو ایسی سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب اُن لوگوں کی طرح جو مُزمِن بیماریوں میں مبتلا رہکر مرجاتے ہیں سُوکھ کر نہایت دُبلے پتلے ہو جاتے ہیں۔ اور رگوں اور پٹھوں کے خُشک اور سخت ہو جانیکے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جُھکا کر اُنسے کچھ مُونہہ میں ڈال سکیں! ان فقیروں کے پاس اِن کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو اِن کو نہایت ہی مہاتما سمجھکر اِن کا بڑا ادب کرتے ہیں! جوگیوں کا ننگا اور کالا جسم لمبے لمبے بال دُبلی اور پتلی پتلی باہیں اور بل کھائے ہوئے ناخن اور وہ ڈرانی وضع جو مینے بیان کی ہے اس عالم سفلی میں اس سے زیادہ مقہور شکل خیال میں نہیں آسکتی۔

> ننگے فقیروں اور اُن کی نسبت لوگوں کی خوش اعتقادی کا ذکر

مینے عموماً بعض بعض راجاؤں کے راج میں اِن ننگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی ہیں۔ جنکے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ (جیسے کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے) اُوپر کو اُٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے وحشت ناک بال یا تو کُھلے لٹکتے ہیں یا سر کے گرد بندھے ہوئے اور بل دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے۔ اور بعض کے کاندھے پر شیر کی خشک اور نا مُلائم کھال ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اس وضع سے مینے اُن کو سخت بیحیائی کی حالت میں بالکل ننگے بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو پھرتے دیکھکر کوئی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور لڑکیاں اِن کو کچھ تعجّب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں بلکہ عورتیں بڑے اعتقاد سے اِن کو خیرات لاکر دیتی ہیں۔ اور اُن کو یہہ یقین ہے کہ یہہ لوگ بڑے ہی مقدّس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

مشہور و معروف سرمد کا ذکر

میں دیر تک سَرمَد نام ایک مشہور فقیر سے جو دہلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگا مادر زاد پھرا کرتا تھا نفرت کرتا رہا۔ اُس نے نہ تو اورنگ زیب کی دھمکیوں ہی کو مانا اور نہ اُسکے وعدوں ہی کو! اور آخر اِسی وجہ سے کہ اُسنے کپڑے پہننے سے بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی رکھّا اُس کا سر اُتار گیا۔ *

---

* سَرمَد کاشان کا رہنے والا اور قوم کا یہودی تھا مگر مسلمان ہوگیا تھا اور صاحب علم اور تجارت پیشہ تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہہ بتقریب تجارت اپنے وطن ایران سے شہر ٹھٹھہ واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک مہاجن کے لڑکے پر جسکا نام ابھے چند تھا عاشق ہوگیا اور تمام مال و دولت کھو بیٹھا اور دیوانگی کی سی حالت ہوگئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال و دولت سے ہاتھ اُٹھا اُسی کے رنگ میں رنگیا۔ اور شاہجہاں کے عہد میں دونو بالاتفاق دہلی میں آئے اُسوقت کے اکثر لوگ اُس کو بڑا خدا رسیدہ اور عارف موحد اور صاحب کشف سمجھتے تھے۔ چونکہ دارا شکوہ بھی جو فقیر دوست تھا اکثر سرمد کے پاس آتا جاتا۔ اور بادشاہ سے اُسکے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا اسلیئے شاہجہاں نے عنایت خاں

ہندو فقیروں کی عبادات اور ریاضت کے بعض سخت اور غیر معمولی طریقوں کا ذکر اور اسکی نسبت مصنف کے ابتدائی خیالات

بہت سے فقیر لمبی لمبی تیرتھ جاترا کرتے ہیں اور اس موقعہ پر وہ صرف ننگے ہی نہیں ہوتے بلکہ بڑی بڑی لوہے کی زنجیروں سے جیسی کہ ہاتھیوں کے پانوؤں میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں، لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سے فقیروں کو دیکھا ہے کہ جو کسی خاص تپشیا کی خاطر سات آٹھ روز تک بغیر اسکے کہ کبھی بیٹھ جائیں یا پڑ جائیں سیدھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور بجز اسکے کہ رات کے وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نامے ایک امیر کو اس کے تفحص حال کے واسطے مامور کیا اور اُس نے سرمد کو دیکھ بھال کر بطور عرض حال یہہ شعر پڑھا ع برسر مدبرہنہ کرامات تہمت است + کشفے کہ ظاہر است از وکشف عورت است" جب شاہجہاں کو اورنگ زیب نے قید کر لیا۔ اور دارا شکوہ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تو مُلّا شیخ عبد القوی کو جو بڑا عالم تھا اور اعتماد خاں کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب رکھتا تھا حکم ہوا کہ سرمد کو کپڑے پہننے کا حکم دیوے۔ پس سرمد طلب ہوا۔ اور مُلّا نے اُس سے پوچھا کہ "عریاں چرا میباشی" سرمد نے اُس کا یہہ ظریفانہ جواب دیا کہ "شیطان قوی ست" پس مُلّا نے اور علمار کی اتفاق رائے سے اسکے قتل کا فتویٰ لکھا۔ اور بادشاہ نے اسکو منظور کیا۔ لکھا ہے کہ جب جلّاد تلوار لیکر سامنے آیا تو سرمد نے کہا " سر جدا کرد ازتنم شوخیکہ با ما یار بود + قصّہ کوتہ کرد ورنہ دردسر بسیار بود" اور عاقل خاں رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالمگیری میں لکھا ہے۔ کہ جب جلّاد قتل کرنے لگا تو سرمد نے نہایت بے تکلفی اور بیغمی کی حالت میں اخیر وقت یہہ شعر پڑھا " عریانی تن بود غبار رہ دوست + آن نیز بہ تیغ از سر ما وا کردند" سرمد کو شعر گوئی میں بھی اچھا دخل تھا۔ چنانچہ اُس کا دیوان رباعیات جو چھوٹا سا ہے۔ انہیں دنوں یعنی ۱۸۸۰ء اٹھارہ سو اسی میں جبکہ یہہ کتاب تیار کی جا رہی ہے شہر دہلی میں چھپ بھی گیا ہے۔ سرمد کی قبر مسجد جامع دہلی کے قریب ہی ہے اور لوگ اُس پر اکثر پھول چڑھاتے اور روشنی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور سرمد کے قتل کی نسبت ابتک عام گمان یہہ ہے کہ محض دارا شکوہ کی دوستی اس بیچارہ کے قتل کا باعث ہوئی تھی۔ فقط — م ح

پِنڈت گھٹنے ایک طناب کے سہارے آگے کو جھک جائیں اور کوئی سہارا نہیں لیتے اور اس عرصہ میں اُنکی پنڈلیاں سوجکر رانوں کے برابر ہوجاتی ہیں۔ بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ گھٹنوں ہاتھوں کے بل سر نیچے اور پاؤں اوپر بڑے استقلال سے کھڑے رہتے ہیں!

میں ایسی ہی اور بہت سی حالتوں کے نام لے سکتا ہوں جن میں کہ یہہ بے نصیب لوگ اپنے جسم کو بیفائدہ دُکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی صورتیں تو ایسی سخت و مشکل ہیں کہ ہمارے مُلک کے نٹ بھی ان کی نقل نہیں کر سکتے۔ اور یہہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہہ تمام باتیں تقوی اور دینداری کے ایک مفروضہ خیال سے کیجاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے کسی حصّہ میں بھی تقوی اور دینداری نے اپنا سایہ تک نہیں ڈالا!

جب میں پہلے پہل ہندوستان میں آیا تو ان لوگوں کے یہہ بیحد توہمات دیکھکر حیران رہگیا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کی نسبت کیا رائے قائم کروں بعض اوقات تو میں اس خیال کی طرف مائل ہوتا تھا کہ یہہ فقیر اگر حکمائے قدیم یونان کے اُس پرانے اور بدنام فرقہ کے جنکا نام ”سینے نکس*“ (یعنی کلبیین) تھا باقی نہیں ہیں تو اُن کا بقیّہ تو ضرور ہیں۔ بشرطیکہ ان میں

* زبان یونانی میں لفظ سینے نک کے معنی کٹ کھنے کُتّے کے ہیں۔ اور حرف (س) علامت جمع کی ہے۔ چونکہ اس قدیم فرقے کے حکما کو اپنے اس طرز زندگانی پر بڑا گھمنڈ تھا کہ ہم مال و دولت اور علوم فنون اور حرفت و صناعت اور لہو و لعب سے نفرت کرتے ہیں اسلئے بلحاظ انکی ترش روئی اور بدمزاجی کے اِن کا یہہ لقب پڑ گیا تھا۔ س۔ م۔ ح

سینے نکس (س ے ن ک س) Cynics (کلبیین ک ل ب ی ی ن)۔

حیوانیت اور جہالت کے سوا اَور کوئی بات دیکھ پاتا - یا اگر مجھے اِن میں آدمی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیت کی بھی دکھائی دیتی - کبھی مجھے یہہ خیال گزرتا تھا کہ اگرچہ یہہ گمراہ ہیں مگر ہیں سچے فقیر - لیکن آخرکار معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں یہہ لوگ تقوی اور تقدّس سے جہانتک خیال کیا جاے بالکل معرّا ہیں - مینے پھر یہہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی اِن پر قوی اثر رکھتی ہے - اور اِن کو بھلی معلوم ہوتی ہے - یا یہہ کہ خودپسندی جو انسان کے ہر کام میں ملی ہوئی ہے - اور جو دیوجانس* کی بھی

---

* Diogenes دیوجانس جو حکماء یونان میں مشہور حکیم گزرا ہے مذکورہ بالا ننگ فرقہ میں سے تھا اور اسی وجہ سے اہل عرب اُسکو دیوجانس کلبی کہتے ہیں - یہہ شہر کارنتھ کا رہنے والا تھا اور چارسو بتیس ۴۱۲ برس قبل از سن عیسوی پیدا ہوا تھا اور چھیانوے ۹۶ برس کا ہوکر سن تین سو چوبیس ۳۲۴ قبل از سن عیسوی میں فوت ہوا - یہہ تارک الدنیا تھا اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنے اور ایک لکڑی کا پیپا سر پر اُٹھائے ننگے پانوں پڑا پھرا کرتا تھا اور جو کچھ مل جاتا کھالیتا اور جہاں چاہتا سو رہتا اور کبھی اُس لکڑی کے پیپہ میں بیٹھ کر آرام لے لیتا تھا ! لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم نے شہر کارنتھ کو فتح کیا اور اسکی ملاقات کو گیا تو اُسوقت یہہ سو رہا تھا - سکندر نے ٹھوکر مار کر کہا کہ تو پڑا سوتا ہے اور تیرا شہر مینے فتح کرلیا - اِس نے جواب دیا کہ شہروں کا فتح کرنا بادشاہوں کا کام ہے لیکن لات مارنا گدھوں کی خصلت ہے - سکندر نے خفا ہوکر کہا کہ شاید تو یہہ سمجھتا ہے کہ تجھکو کبھی مجھسے غرض پڑیگی اور یہہ ممکن نہیں ہے - اِسنے کہا کہ مجھکو اپنے غلام سے کبھی غرض نہ پڑیگی - سکندر نے پوچھا وہ کون ہے ؟ کہا تو ! کیونکہ حرص و شہوت کو مینے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو اُن کا غلام ہے ! ایک روز سکندر نے اِس سے پوچھا کہ نیکی کس طرح حاصل کیجاسکتی ہے ؟ جواب دیا نیک کام کرنے سے ! اور تو تو ایک دن میں وہ کچھ حاصل کرسکتا ہے جو اَور لوگ برسوں میں نہیں کرسکتے ! لکھا ہے کہ ایک روز سکندر جو اسکی مُلاقات کو گیا تو یہہ اپنے اُس لکڑی کے پیپہ میں بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا -

پُرانی گدڑی میں ایسی ہی صاف معلوم ہوتی تھی جیسے کہ افلاطون‡ کے خوشنما لباس میں۔ اِن تمام اعجوبہ کاریوں کی پوشیدہ باعث ہوگی۔

سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت فرمائیے۔؟ جواب دیا کہ بس یہی خدمت ہے کہ آپ پرے ہٹ جائیں اور میری دُھوپ روکیں فقط ماخوذ از ناسخ التواریخ و جام جم۔ س م ح

---

‡ افلاطون چارسو برس قبل سن عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور اکیاسی برس کا ہوکر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا اوستاد تھا۔! بس اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ یہہ کیسا شخص تھا۔! ابتداءِ عمر میں اس کو کُشتی اور شعرگوئی کا شوق تھا۔ اور بہت ہی خوب شعر کہتا تھا۔ مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اوّل سقراط سے اور اُسکی وفات کے بعد مصر وغیرہ میں تحصیل علوم کرتا رہا۔! یہہ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیگانہ سے برابر احسان اور نکوئی سے پیش آتا تھا۔ اِسنے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اکسٹھ کتابیں اپنی تصنیفات سے دُنیا میں چھوڑیں۔ مرنے کے بعد یہہ اُس باغ میں دفن کیا گیا جو اسکی ملکیت سے تھا۔ اور اسکی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ اور ایک لوٹا اور سونے کا ایک کان کا بندا تھا جسکو بچپن میں پہنا کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کا کوئی بنانے والا اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے موجود ہے۔ اور اپنی مخلوقات کو جانتا ہے۔ اور ازل میں اُسکے وجود کے ساتھ کوئی ظلّی وجود نہ تھا مگر چند مثالیں جن سے اسکی مُراد چند مجرد اور بسیط چیزیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں اور تمام جسم اور مادّی صورتیں انہیں کُلیات بسیط کی جُزئیات ہیں اور اس جہان میں جو کچھ موجود ہے وہ اُس جہان یعنی عالم مثال کا نمونہ ہے اور یہہ کہ ہر اثر کے لیے ایک موثر کا ہونا ضروری ہے جو اپنی کسی طور پر اُس اثر سے مشابہت رکھتا ہو۔! مطلب یہہ کہ عالم مثال یا عالم مجردات عالم کلّی ہے اور عالم مادّی یا عالم مرکبات عالم جزئی ہے۔۔ جو کچھ اس عالم جزئی میں ہے وہ اُس عالم کلّی کا نمونہ ہے۔

(ماخوذ از ناسخ التواریخ) س م ح

ہندو فقیروں کا نہایت سخت ریاضتیں کرنا اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے جنم میں ان کا نہایت عمدہ ثمرہ ملیگا۔

مینے سنا ہے کہ یہہ فقیر بڑی بڑی سخت تپشیا اس امید پر کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں راجہ ہوجاینگے۔ اور اگر راجہ بھی ہوے تو ہماری حالت زندگی ایسی تو ضرور ہوگی کہ ہمکو ان سے بھی زیادہ آرام و عیش حاصل ہوں۔ لیکن جیسے کہ اکثر ان سے میرا قول تھا یہہ کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے کاٹا جاے حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرور ایسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہوگی جیسی کہ یہہ زندگی ہے۔ اور جس میں زیادہ آرام اور خوشی ملنے کی امید نہیں کیجا سکتی۔ خواہ کوئی شخص اودے پور کے رانا ہی کے رتبہ کو کیوں نہ پہنچ جاے اور خواہ اسکی حالت ہندوستان کے دو طاقتور راجاؤں جے سنگہ اور جسونت سنگہ ہی کے مشابہ کیوں نہ ہوجاے! مینے ان سے کہدیا کہ میں تو ایسی جلدی تمہارے فریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ یا تو تم سخت احمق ہو یا تمکو خراب ارادوں کی تحریک ہے جنکو تم ہوشیاری کے ساتھ دنیا سے چھپاتے ہو۔

بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بود و باش اور مراقبہ اور حالت محویت کا بیان اور اسکی نسبت مصنف کی راے

بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشن ضمیر سنت اور کامل جوگی اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں۔ اور ان کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہہ فقیر ہمارے راہبوں کی طرح آبادی سے دور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ کوئی ان کو بھوجن لاکر دیدے تو لیلیتے ہیں۔ اور اگر نہ لائی تو لوگوں

کو یہہ خیال ہے کہ بغیر بھوجن کے بھی یہہ مہاتما سادھو زندہ رہ سکتے ہیں اور اپنی پہلی فاقہ کشیوں اور نفس کُشیوں کی بدولت یہہ خدا کے بھروسہ پر جیتے ہیں

یہہ مقدس جوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں۔ انکا یہہ ادعا ہے اور ایک فقیر نے جسے لوگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ ہماری روحیں گھنٹوں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں۔ ہمارے حواس ظاہری معطّل ہو جاتے ہیں۔ اور جوگیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل العیان سفید اور چمکدار نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہمکو دنیا کے الجھیڑوں سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے۔ اور سرور خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہو جاتے ہیں جو قابل بیان نہیں۔ اور میرے اُن مقدس سنت صاحب نے جو مجھے یہہ کیفیّت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گھنٹوں ایسی محویّت کی حالت میں ہو جاتا ہوں۔

جو لوگ جوگیوں کے پاس آتے جاتے ہیں اُن میں سے کسیکو ان لاف و گزاف کے استغراقات کے سچ ہونے میں کلام نہیں۔ مگر میرے خیال میں یہہ امر ممکن ہے کہ انسان کا دل ہمیشہ کی تنہائی اور فاقہ کشیوں کی وجہ سے کمزور ہو کر اس قسم کے تخیّلات میں پڑ جاتا ہوگا۔ یا اِن فقیروں کے یہہ استغراقات اُن طبعی بے خودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ جنکی نسبت کارڈن* کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اِس حالت میں ہو جاتا تھا۔

* جیروم کارڈن ملک اٹلی کا رہنے والا سن پندرہ سو ایک (۱۵۰۱) عیسوی میں پیدا ہوا

ط ج یرُوم کارڈن Jerome Cardan ط اِٹلی Italy

جوگیوں کے تصوّر اور دھیان جانے کے طریقہ کا بیان۔

یہہ خیال اِس وجہ سے بالتخصیص قریب القیاس ہے کہ یہہ لوگ اپنے اِن اشغال میں کسی نہ کسی ترکیب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ حواس کو بتدریج روکنے کی غرض سے وہ اپنے لیئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کا بیان ہے کہ بہت سے دنوں تک کھانا پینا ترک کرنیکے بعد کسی تخلیہ کی جگہہ میں تنہا بیٹھنا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیئے۔ اور جب کچھ عرصہ تک اِس کے عامل ہو جائیں تو پھر دونوں آنکھوں کو بتدریج نیچے کو کریں۔ اور اِس طرح پر دھیان جمائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی پھننگ اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھلائی دینے لگیں۔ اور یہہ تصوّر کا طریق علی الاتصال اُسوقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ نورِ عرفان صاف جلوہ گر ہو جائے۔ ! یہہ تصوّر اور مراقبہ اور اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ

جیروم کارڈن

ہوا تھا اور اپنے زمانہ کا ایک مشہور طبیب اور ریاضی داں اور فلسفی تھا۔ اِس عجیب شخص کے سوانح عُمری بھی عجیب ہی ہیں۔ اس کا باپ شہر میلان[عہ] میں ایک اچھا ذی مقدور شخص تھا مگر جیروم اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت سے مصیبتوں اور افلاس میں رہا ہوں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہہ اپنے باپ کا شرعی بیٹا نہ تھا اور جب وہ حمل میں تھا تو اِسکی ماں نے ہرچند اسقاط کے لیئے کئی دفعہ کوششیں کیں مگر یہہ سخت جان بچہ ہرگز نہ نکلا اور آخرکار جب نکلا تو اِس طرح پر کہ اُسکی ماں کا پہلو چیر کر نکالا گیا۔ روز پیدائش سے یہہ بیچارہ ضعیف القویٰ تھا اور اِس کے علاوہ اِس کے باپ کے گھر میں اسکے ساتھ کئی طرح کی بدسلوکیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ مگر تحصیل ریاضیات میں اسنے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اور اگرچہ ابتدا میں فرانسسکن[عہ] گروہ کے تارک الدنیا درویشوں میں شامل ہو گیا

عہ م ی ل ان Milan عہ ف ر ان س س ک ن Franciscan

ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں میں ایک بڑی بھاری راز کی بات ہے اور میں اس کو راز اسلیئے کہتا ہوں کہ وہ اِن باتوں کو آپس ہی میں پوشیدہ رکھتے ہیں! اور ایک ہندو پنڈت کی مدد کے بغیر جس کو دانشمند خان نے نوکر رکھ لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپا نہ سکتا تھا مجھکو یہہ معلومات ہرگز حاصل نہ ہوتیں اور ایک یہہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا

جوگیوں کے درویش صورت دکھائی دینے کی وجہ۔

اِن فقیروں کی صورتیں جو بظاہر درویشانہ نظر آتی ہیں۔ اِس کا بڑا سبب میرے گمان میں یہہ ہے۔ کہ ریاضات شاقہ اور مدّتوں کے برت اور فاقہ کشیاں اور سخت

تھا مگر تھوڑے دنوں بعد اسنے اُس گوشہ نشینی کے طریق کو ترک کرکے بہت شوق سے علم طب اور علم فلسفہ کو حاصل کرنا شروع کیا یہانتک کہ اُلی کے ایک مشہور و معروف مدرسہ طبّی سے ایم۔ ڈی کی ڈگری یعنی خطاب ڈاکٹری حاصل کیا۔ اِس مدرسہ میں یہ ایسا مستعد طالب علم تھا کہ اپنے مدرس کی غیر موجودگی میں اقلیدس اور منطق کی جماعتوں کو خود تعلیم دیا کرتا تھا اور آخر اسکے علم و فضل و طبابت کی شہرت اسقدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے اُمرا اور بادشاہوں سے بھی اسکی ملاقاتیں ہوئیں اور کئی جگہہ اُمرا نے اپنے طبّی مدارس میں اس کو مدرّس وغیرہ بھی مقرر کیا۔ مگر اس کا قدیمی رفیق افلاس اسکے ساتھ تھا۔ یہانتک کہ ایکبار سنہ پندرہ سو ستر ۱۵۷۰ء میں زیرباری قرض کے باعث کچھ عرصہ تک قید بھی رہا۔ اور جب وہاں سے رہائی پائی تو پوپ گریگوری سیزدہم[1] کے پاس چلا گیا جس نے ازراہ قدردانی اس کو اپنے مدرسۃ الاطبا کا ایک ممبر مقرر کرکے گزر اوقات کے لیئے کچھ پنشن بھی کر دی۔ اور اسنے بقیہ عمر کو روم[2] ہی میں بسر کرکے بعد انتقام اپنی

[2] Rome [1] Pope Gregory

حالت افلاس ان کو دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

ہندو فقیروں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے راہبوں کے طریق ریاضت کا مقابلہ

ہمارے یورپ کے درویشوں اور راہبوں کو ہرگز یہہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ان باتوں میں ہندو جوگیوں یا دگر ممالک ایشیا کے مذہبی فرقوں سے وہ کبھی فوقیت لیجا سکتے ہیں۔ چنانچہ مثلاً اگر طریق عبادت و ریاضت اور روزہ داری وغیرہ میں ارمنی قبطی یونانی نسطوری جیکوبٹ یعنی یعقوبی اور میرونٹ عیسائیوں کو بنظر مقابلہ دیکھا جائے تو ہمارے یورپین زاہد بالکل مبتدی معلوم ہوں گے۔ مگر ہاں اُس تجربہ کی رو سے جو مجھے ہندوستان میں ہوا ہے یہہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ جسقدر تکلیف فاقہ اور روزہ رکھنے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کتاب سوانح عمری کے سنہ ہندرہ سو چھہتر ۱۵۷۶ء عیسوی میں قضا کی! یہہ شخص احکام نجوم کا اسقدر معتقد تھا کہ ایک بار اُسنے مُلک سکاٹلینڈ Scotland کے ایک مشہور و معروف پادری کو جو سخت مریض تھا۔ اور جسکو جرمنی کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اپنے معالجہ سے تندرست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اسکو یہی خیال تھا کہ چونکہ مینے اُسکی جنم پتری کے حساب کو خوب طرح سمجھ کر علاج کیا تھا محض اسیوجہ سے یہہ فائدہ ہوا ہے! اسکے شدتِ اعتقادِ نجوم کی نسبت اسکے زمانہ کے دو مشہور عالموں نے ایک یہہ روایت بھی کی ہے کہ اُسنے اپنی جنم پتّری کی رو سے اپنی عُمر کی ایک حد قرار دے رکھی تھی۔ پس جب وہ وقت قریب آیا چونکہ یہہ بھلا چنگا تھا اور کوئی بیماری وغیرہ نہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا اس وجہ سے آپکو یہہ خیال پیدا ہوا کہ مُبادا میری جنم پتّری کا حساب غلط ہو جاے! اِسلیئے اسقدر بھوکھا مرنا شروع کیا کہ آخر جنم پتری کی مدعا مل گئی! اسکی تصانیف کے رسالے اور کتابیں طبعیات۔ ریاضیات علم ہیئت۔ فن احکام نجوم۔ فصاحت و بلاغت۔ تاریخ اخلاق

فرنگستان کے سرد مُلکوں میں ہوتی ہے ہندوستان وغیرہ میں اُتنی نہیں معلوم ہوتی۔

مہنوس اور شعبدہ باز اور ضمیر بتلانے والے رستے جوگیوں کا ذکر

اَب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو اُن فقیروں سے جنکا بیان اوپر ہو چکا ہے بالکل مختلف ہیں مگر ہیں یہہ بھی عجیب لوگ! یہہ ہمیشہ تمام مُلک میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہہ ظاہر کرتی ہیں کہ گویا اُنکی زندگی کیسی بیفکر بسر ہوتی ہے۔ اور بڑے رازداں ہونے کا ادّعا کرتے ہیں۔ عموماً لوگوں کا یہہ خیال ہے کہ یہہ مقبول شخص سونا بنانا جانتے ہیں۔ اور پارہ کو ایسے عمدہ طور سے تیّار کر سکتے ہیں کہ ہر صبح کو ایک دو چاول کی برابر کھانے سے بیمار آدمی تندرست اور توانا ہو جاتا ہے۔ اور معدہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ شوق سے جتنا چاہے کھائے اور آسانی سے ہضم ہو جائے۔ اور صرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲

منطق نیچرل ہسٹری یعنی علم ماہیت وحقایق طبعیات۔ موسیقی علم الادویہ فن تشریح وغیرہ میں بہ تعداد ایک سو بائیس ۱۲۲ ہیں۔ اور ان میں طرح طرح کے بیان ہیں۔ مگر اس شخص نے مسائل علمیّہ کے ساتھ اپنے مبالغہ آمیز تخیلات اور بیہودہ تصورات کو اُن سب میں شامل کر دیا ہے۔ اور بسبب اسکے کہ وہ سن طفولیت سے آخر عمر تک بدسلوکیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا اُسکے مزاج میں تلخی وتندی اور انتقام پسندی کی عادت تھی اور اسکی خصلت اور مزاج اس درجہ نرالا اور انوکھا تھا کہ لوگ اُسکو عموماً پاگل اور خبطی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو نوع انسان سے بالکل علٰحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اسکو پکا یقین تھا کہ میرے ساتھ ہمیشہ ایک ایسی روح جسکو میں بھوتنی کہتا ہوں حاضر رہتی ہے اور اُسکے باعث سے میں جب چاہتا ہوں عالم ارواح سے بات چیت کر لیتا ہوں (ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹانیکا) س م ح

یہی نہیں ہے۔ بلکہ اِس قسم کے دو جوگی جب کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور اُن میں تقابل کا جوش پیدا ہوتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب طاقتیں ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آیا "سیمن میگس*" بھی باوجود اپنی تمام شعبدہ بازیوں کے ایسے عجیب کام کرسکتا تھا یا نہیں۔ وہ کسی شخص کے دل کا بھید تبلادینے اور گھنٹہ بھر میں درخت کی ایک شاخ کو زمین میں گاڑ کر اُس میں پتے اور پھول پھل لگادیتے ہیں اور پاؤ گھنٹہ سے کم عرصہ میں انڈے کو بغل میں لیکر جو جانور کوئی چاہے وہی پیدا کردیتے ہیں جو کمرے میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگتا ہے۔ اور بہت سے اور ایسے ہی تماشے کرتے ہیں جنکے بیاں کی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ جو کچھ اِن شعبدہ بازوں کی نسبت بیان کرتے ہیں میں اُسکے سچ ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دیسکتا۔ میرے آقا نے اِنمیں سے ایک کو بُلایا اور وعدہ کیا کہ اگر تو کل کو میرے دل کی بات تبلادیگا۔ تو میں تین سو روپئے تجھے دونگا۔ اور اِس خیال سے کہ میری طرف سے بے ایمانی کا گمان نہ ہو میں اُس بات کو ابھی تیرے روبرو کاغذ پر لکھدونگا۔ اُسی وقت مینے بھی یہہ کہا کہ اگر تو میرے دلکی بات تبلادیگا پچیس۲۵ روپئے میں بھی نذر کرونگا۔ مگر وہ غیب گو پھر ہمارے مکان کے پاس بھی نہ پھٹکا۔!!! ایک مرتبہ پھر مینے ایک شعبدہ باز کو کسی بات پر بیس۲۰ روپیے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی محروم و مایوس ہی رہا! اگرچہ

* Simon Magus کہ اس شخص کا حال یا وصف تلاش کے کہیں نہیں ملا۔ س مرح

میں انکی ہر بات کی کُنہ کو پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن یہہ میری بدقسمتی تھی کہ مینے کبھی کوئی ایسا عجیب تماشا نہ دیکھا جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اور جب میں کسی ایسے تماشے کے ہوتے جانکلتا تھا جسکو دیکھکر لوگ متحیر تھے تو یہہ عموماً میری بدقسمتی تھی کہ میں اُن سے بہت سے سوال کیا کرتا اور اُن کا امتحان کیے جاتا تا وقتیکہ مجھے یقین نہ ہوجاتا کہ اس میں کیا فریب ہے یا کیا ہتھ پھیری ہے! مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مینے ایک شخص کا فریب پکڑ لیا تھا! جسنے دعویٰ کیا تھا کہ کٹورا دوڑانے سے میں اُس شخص کو بتلادونگا جسنے میرے آقا کا روپیہ چرایا تھا۔

عین بت کے سادھوؤں اور اُنکی ناپارسائی اور اس غلط فہمی کا ذکر کہ اپنے فرقہ کے لیئے ہم بھی بمنزلہ پادریوں کے ہیں

لیکن بہرحال ایسے فقیر بھی ہیں جو ان فقیروں سے جنکا ہم ذکر کرتے آئے ہیں بہت چپ چاپ اور شایستہ صورت معلوم ہوتے ہیں اور اُنکی زندگی کا طرز اور طریق عبادت بھی اتنا فضول نہیں ہے! یہہ ایک دھوتی باندھے ہوئے جو انکے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے جو دائیں بغل کے نیچے سے ہوکر بائیں کاندھے پر جاگرتی ہے سر و پا برہنہ گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے ہیں۔ اور اسکے سوا اور کوئی کپڑا انکے بدن پر نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہمیشہ دُھلے* ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بہرصورت صاف معلوم ہوتے ہیں۔ عموماً وہ بڑے اعتدال کے طریق کے ساتھ دو دو ہوکر پھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک

* یہہ لوگ نہاتے تو نہیں البتہ کپڑا تر کرکے بدن کو اُس سے ہمیشہ صاف کریتے ہیں۔ م ح

چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا* پیالہ ہوتا ہے۔ جسکے تین پائے اور دو دستے ہوتے ہیں۔ یہہ اَور فقیروں کی طرح دکان دکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلّف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں اُنکی بڑی آؤبھگت ہوتی ہے۔ اور اِن کا آنا گھر والوں کے واسطے موجب برکت گنا جاتا ہے۔

اِن پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو کچھ حال گزرتا ہے اگرچہ اُسکو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام اُن کو لگا دے تو اُسکا خدا ہی حافظ ہے۔ مگر اِس بات کو اِس مُلک کی رسم خیال کیا جاتا ہے۔ اور اِسی وجہ سے اِن کے تقدّس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گھروں کی عورتوں کے ساتھ اِن فقیروں کے جو جو معاملات گزرتے ہیں اُنکے بیان پر میں چنداں زور دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں! لیکن بڑی ہنسی کی بات حقیقت میں یہہ ہے کہ یہہ بے ادب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات میں اِن کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلالیا کرتا تھا اور اِن سے بڑے خلق اور مدارات سے بولتا۔ اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا۔ چنانچہ فوراً آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرکے وہ بول

* یہہ ظرف مٹی کا تو کم اور اکثر روغن کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن مثل لوٹے کے ہوتا ہے جسکی اکثر نہایت چھوٹے چھوٹے تین پائے بھی ہوتے ہیں اُسکو اُنکی اصطلاح میں پاترا اور پاتری کہتے ہیں۔ س م ح

کہنے لگتے تھے" یہہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں"

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ کا ذکر۔

میں ان فقیروں کا بہت کچھ ذکر کر چکا اور اب مجھے ان کے دھرم شاستر اور اَور علوم کی پوتھیوں کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جو اب ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کل برہمنوں کی عام زبان تھی ناآشنا ہوں اور باوجود اس کے سنسکرت کی پوتھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو یہہ کچھ تعجّب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میرے آقا دانشمند خان نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلّق تھا۔ اور تین سال کے عرصہ میں صرف یہی شخص میرا ہمیشہ کا ہم صحبت نہ تھا بلکہ اُسنے اَور کئی بڑے بڑے ودیاوان پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی۔ جنکو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔! جب میں اپنے آقا کو پیکیٹ[1] اور ہاروے[2] کے علم تشریح کے معلومات جدیدہ کا حال سُناتے

---

[1] ڈاکٹر پیکیٹ (Pacquet) ایک فرانسیس طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر (montpellier) واقع فرانس کا تھا۔

[2] ڈاکٹر ولیم ہاروے (Harvey) قوم انگریز سے تھا۔ یکم اپریل سنہ پندرہ سو اٹھتر (۱۵۷۸ء) عیسوی کو

نباتات تمک جانا اور گیسینڈی اور ڈسکارٹس* کے فلسفہ پر (جسکا بنے

Gassendi

(۱) اس نامور محقق نے سنہ سولہ سو سینتالیس (۱۶۴۷ء) عیسوی میں برخلاف عقیدہ جمہور اطبار متقدمین کے یہہ نئی بات نکالی کہ جگر کو خون بنانے سے کچھ تعلق نہیں بلکہ عروق ماساریقا سے مفوت کیلوس اول شکل ایک سفید رطوبت کے ایک بڑی رگ میں سے ہوکر قلب کے دائیں خانہ میں جاکر مبتدل بہ خون ہوجاتی ہے - !!! س م ح

(۲) شہر فوک سٹون (۱) واقع صوبہ کینٹ (۲) میں پیدا ہوا - انیس ۱۹ برس کی عمر میں کیمبرج (۳) کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کرکے شہر پاڈوا (۴) واقع ملک اٹلی کے مدرسہ طبی میں جو اس زمانہ میں بہت مشہور مدرسہ اس فن کا تھا داخل ہوا - اور بڑے بڑے نامی اُستادوں سے تعلیم پاکر چوبیس برس کی عمر میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی - سنہ سولہ سو پندرہ (۱۶۱۵ء) میں یہہ شخص انگلستان کے ایک طبی مدرسہ میں فن تشریح اور جراحی کا لیکچرار مقرر ہوا - اور یہاں اسنے اپنی تحقیقات کے جدید مسئلہ دوران خون کو ظاہر کیا - اور کئی برس تک انگلینڈ اور یورپ کے اور ملکوں کے ڈاکٹروں کے ساتھ بحث مباحثے کرکے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا - ڈاکٹر ہاروے اپنی لیاقتوں کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس (۵) اوّل کا طبیب مقرر ہوا - اور اس کے بعد بادشاہ چارلس (۶) اوّل کا بھی بہت اعتماد رہا - اور جبکہ اسکی شہرت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی تیسری جون سنہ سولہ سو ستاون (۱۶۵۷ء) کو اسّی برس کی عمر میں مرض فالج سے قضا کی ! حقیقت یہہ ہے کہ ان دونوں محققوں کے ان نئے مسائل خصوص ہاروے کے مسئلہ دوران خون نے فن طب میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا طبابت قدیم کے اصول ہی کو بدل ڈالا ہے ! (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا - س - م ح -

* ڈس کارٹس جسکو ڈی کارٹس بولتے ہیں مشاہیر حکمای فرانس سے ہے جو سنہ پندرہ سو چھیانوے (۱۵۹۶ء) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سنہ سولہ سو پچاس (۱۶۵۰ء) عیسوی میں مرا - یہہ پہلا شخص تھا جسنے علم مناظر و مرایا کے مسائل کو دلائل ہندسی سے ثابت کیا - اور خواص مقناطیس کے باب میں تجربات کثیر حاصل کئے اور بسبب اپنی خاص رایوں کے مجدد علم Descartes

(۱) ف و ک س ٹ و ن Folkstone (۲) ک ی ن ٹ Kent
(۳) Cambridge (۴) Padwa (۵) James (۶) Charles

پنے آقا کو فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا اور پانچ چھ سال تک بالتخصیص یہی شغل تھا) گفتگو کرتے کرتے تنگ ہو جاتا تھا تو اسوقت ہم اپنے پنڈت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ ہاں پنڈت جی! اب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سنائیے! چنانچہ وہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اثنائے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا تھا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخرکار ہم اُس کی کہانیوں اور لڑکوں کی سی دلیلوں سے ناخوش ہو گئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

فلسفہ مشہور ہے۔ اثبات نفس ناطقہ کی بحث میں اسنے یہ لکھا ہے کہ ہم ہر شے کے وجود کی نسبت شک کر سکتے ہیں لیکن اپنے شک سے وجود کی نسبت شک نہیں کر سکتے اور شک کرنا خود بمنزلہ درک ہونے کے ہے اور مدرک ہونا صاحب ادراک کے وجود کی دلیل ہے۔ پس ہمارا یہ کہنا کہ ہم ہیں۔ یا ہم ذی وجود ہیں ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم اُن کو زبان پر لائیں یا اسکے تصور کو دل میں جگہ دیں ہر حال میں اسکی صحت پر ہمکو اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس کہنے سے ہمکو نہ صرف اپنے وجود ہی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذی ادراک ہونیکا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے میں ایک ایسی غیر مادی شے پاتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے منزہ ہے تو ضرور ہے کہ اسکے لیے کوئی علت ہو۔ کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہے اور چونکہ ناقص کامل کی علت نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے ہم جو ایک مادی اور ناقص وجود ہیں اسکی علت نہیں ہو سکتے اور اسلیئے ضرور ہے کہ ہمارے سوا اسکی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہو جسکی عظمت اور کمال اور قدرت سے یہ معلول ہمیں خبر دیتا ہے۔ اور جس وجود نے بذریعہ اپنے اس معلول کے ہمارے نفس پر اپنا ایک نشان منقش کر دیا ہے۔ مگر اس نشان سے خود اس علت کا وجود مراد نہیں ہے پس ہمارا ہونا ہمکو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔ س م ح

هندوؤں کے چار بید اور ان کے نام

ہندوؤں کا یہہ ادعا ہے کہ خدا نے جسکو وہ اچر[۵۳] (یعنی غیر متحرک) کہتے ہیں۔ ہمارے واسطے چار بید[۵۴] بھیجے ہیں (بید ایک لفظ ہے جسکے معنی علم کے ہیں) چنانچہ اُن کا قول ہے کہ بید میں سب علوم ہیں۔ اوّل بید کا نام اتھربن بید ہے دوسرے کا یجُر بید تیسرے کا رگ بید چوتھے کا سام بید۔

---

۵۳ مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجے کے موافق غالباً غلطی سے لفظ اتیشر کو جسکے معنی خدا کے ہیں اچر سمجھا ہے۔ اور اسی بنیاد پر اصل کتاب میں توسین کے اندر اسکے معنی غیر متحرک کے لکھے ہیں کیونکہ مصنف کی تحریر میں جو حروف شین ایچ حرف شین و شت کے تلفظ کے لیے مستعمل ہوئے ہیں انکا اکثر یہہ تلفظ زبان انگریزی میں حرف چے یعنی جیم فارسی کا ہے۔ س۔م۔ح

۵۴ جس طرح برہما کی عمر کا شمار بے انتہا برسوں سے کرتے ہیں اُسی طرح بیدوں کی نسبت اہل ہند کا یہہ اِدّعا ہے کہ لاکھوں برس سے ہیں۔ مگر یورپ کے محققوں نے بڑی چھان بین کے بعد انکی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی قرار دیا ہے اور ان کی اس راے کا صحیح ہونا بہت پختگی کے ساتھ ایک مقام سے جسکو سر اڈورڈ کالبروک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ تشریح اسکی وہ یوں لکھتے ہیں۔ کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ پترے کی ترتیب معلوم ہووے اور اُس سے فرایض منصبی کے اوقات دریافت ہوجایا کریں۔ پس وہ صریح اور قطعی دلیل جسپر انہوں نے اپنی مذکورہ بالا راے قایم کی ہے یہہ ہے کہ جو مقام راس سرطان اور راس جدی کا اس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی میں ان دونوں راسوں کا تھا۔ پس کچھ شک نہیں ہے کہ بیدوں کی تالیف اِسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن صاحب) س م ح

ہندووں کے چار برنوں اور انکے باہم شادی کے ممنوع ہونے کا ذکر

بید کا قول ہے کہ تمام لوگ جیسے کہ وہ حال میں ہیں چار قوموں پر تقسیم ہوں گے۔

اوّل برہمن یعنی حاملان شریعت **دوسرے** چھتری یعنی جنگجو **تیسرے** بیش یعنی سوداگر اور دوکاندار جنکو عرف عام میں بنیا بولتے ہیں۔ **چوتھے** شودر یعنی دستکار اور مزدور۔! اور ان مختلف قوموں کو آپسمیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی برہمن کی چھتری کے ہاں شادی نہیں ہوسکتی۔ علیٰ ہذا اور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

تناسخ ارواح اور جیو ہتیا یعنی قتل حیوانات کی ممانعت اور گائے بیل کے ادب کا بیان۔ اور اسکی نسبت مصنف کی رائے۔

ہندو لوگ تناسخ ارواح یعنی آواگون کے مسئلہ کے قائل ہیں اور جانداروں کے مارنے اور کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ مگر چھتری اس سے مستثنےٰ ہیں۔ بشرطیکہ وہ گائے اور سؤر کا گوشت نہ کھائیں کیونکہ ہندو ان دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً گائے کا اس خیال سے کہ اُسکی دُم پکڑکر اُس دریا (یعنی بیترنی) سے پار ہوتا ہے جو دُنیا اور آخرت کے مابین حائل ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے پرانے وقتوں میں ایسے قانون بناے تھے اُنہوں نے مصر کے چرواہوں کو اسی طرح بائیں ہاتھ سے بھینس یا گائے کی دُم پکڑے ہوئے اور اُن کے ہانکنے کے لئے دائیں ہاتھ میں لاٹھیاں لئے ہوئے دریائے نیل سے پار ہوتے دیکھا ہوگا۔! یا گائے کا ایسا بڑا لحاظ غالباً اس وجہ سے ہوگا کہ وہ ایک نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے۔ اور دودھ اور گھی جو انکی بڑی غذا

ہے اس سے حاصل ہوتا ہے اور یہہ کہ بیل زراعت کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اور اس وجہ سے گویا کہ گائے بیل انکی زندگی کے محافظ ہیں یہہ بات بھی قابل بیان ہے کہ چراگاہوں کی قلت کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے مویشی کا پالنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ سال میں آٹھ مہینے گرمی ایسی سخت پڑتی ہے اور زمین ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے مارے سوروں کی طرح تمام قسم کے خس و خاشاک اور نجاستیں چر جاتے ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح گوشت کھایا جائے تو تمام جانور فوراً نابود ہو جائیں اور ملک بالکل بے زراعت رہجائے۔

گاؤکشی کی ممانعت کے باب میں جہانگیر کے ایک حکم کا ذکر

چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے جہانگیر نے برہمنوں کی درخواست پر چند سال کے لیئے گاؤکشی کی ممانعت کردی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ انہوں نے ایک ایسی ہی عرضی اورنگ زیب کو بھی دی تھی اور اسکی منظوری کی خاطر بہت سا نذرانہ دینا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو ملک کے بہت سے حصے ویران اور بے تردد رہے اسکی وجہ یہی تھی کہ بیل کم اور گراں قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم راجاؤں کو جنہوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہہ امید ہو گی کہ گوشت کھانے کی ممانعت کر دینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہو گا۔ اور جب انکو قطعاً یہہ حکم دیا جائیگا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں تو وہ آپسمیں بھی بیرحمی کے مرتکب نہوں گے تناسخ

کا مسئلہ بھی جانوروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا باعث ہوا کیونکہ انکو یہہ یقین ہے کہ کسی جانور کو مار ڈالنا یا کھالینا بعینہٖ کسی اپنے باپ دادا کی مار ڈالنے کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس سے بڑھکر اور کوئی گناہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے ملک میں بجز تھوڑی مدت جاڑے کے موسم کے گائے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش بھی نہیں ہوتا

ترکال سندھیا اور روزمرہ کے اشنان کے فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے موافق اشنان کے فرض ہونے کی وجہ

بید کی بموجب ہر ہندو کو فرض ہے کہ رات دن میں تین مرتبہ صبح دوپہر اور شام کو مشرق کی طرف مونہہ کرکے پوجا اور تین ہی مرتبہ اشنان کرے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو ضرور ہی نہانا چاہیئے۔ اور ٹھہرے ہوئے پانی کی نسبت بہتے پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب کی بات ہے !!! یہاں غالباً یہہ اسی بات کا لحاظ کیا گیا ہوگا جسکا ہندوستان جیسی گرم ولایت میں کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ازبس فائدہ مند اور ضروری تھا مگر جو لوگ سرد ولایت میں رہتے ہیں یہہ قانون انکے مناسب حال نہیں ہے۔ اور مینے اپنے سفر کی حالت میں اکثر لوگوں کو اس قانون کی پابندی کے باعث دریاؤں اور تالابوں میں کودتے اور غوطے لگاتے اور اگر یہہ میسر نہوں تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ڈول ڈالتے اور اس وجہ سے جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات مینے اُن کے مذہب پر یہہ اعتراض کیا کہ اُسمیں یہہ ایک ایسا قانون ہے جسکا سردی کے موسم میں سرد ولایتوں میں عمل میں لانا ناممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سی میرے جی

میں صاف یہہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہہ کچھ خدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانی ایجاد ہے۔ انہوں نے یہہ منشی کا جواب دیا کہ ہم یہہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون ہر جگہہ برتا جا سکتا ہے بلکہ خدا نے یہہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم غیر شخص کو اپنے مذہب میں نہیں ملا سکتے۔ اور ہم یہہ بھی نہیں کہتے کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے۔ یہہ تمہاری حالتوں اور حاجتوں کے مناسب ہوگا۔ کیونکہ خدا نے جنت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کر دیئے ہیں۔ میں نے انکو اس بات کا یقین دلانا ممکن سمجھا کہ تمام روئے زمین کے واسطے عیسائی مذہب ہی بنا ہے۔ اور تمہارا مذہب محض ایک قصہ اور بیہودہ بناوٹ ہے۔

برہما بشن مہیش کی پیدایش اور صفات کا بیان۔

بید کا قول ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ دنیا کو پیدا کرے تو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے پہلے اُسنے یہہ تین دیوتا پیدا کئے برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ برہما کے معنی تمام موجودات میں رچے ہوئے کے ہیں۔ بشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے کے ہیں۔ مہادیو کے معنی بڑا دیوتا۔ !!! برہما کے ذریعہ سے اُسنے دنیا کو پیدا کیا۔ بشن کے وسیلہ سے وہ اُسکو قائم رکھتا ہے۔ اور مہادیو کے ہاتھوں وہ اسکو نیست و نابود کریگا۔ اور خدا کے حکم سے برہما نے چار بیدوں کو رچا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی مورت چومکھی ہوتی ہے۔

بید میں تثلیث کے مسئلہ کے موجود ہونیکا گمان

یوروپین پادریوں سے میری گفتگو آئی ہے

جنکو گمان تھا کہ ہندو بھی اُس اسرار کا جو تثلیث کے مسئلہ میں ہے کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہہ تین وجود اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ دراصل ایک ہی خدا ہے۔

برہما بشن مہیش کی جو حقیقت پنڈتوں نے بیان کی اُسکی فہم سے مصنف کی قاصر رہنے کا ذکر۔

یہہ ایک مسئلہ ہے کہ جسکی نسبت میںنے پنڈتوں کو نہایت طولانی بحث کرتے سُنا ہے۔ لیکن اُنکا بیان ایسا اُلجھا ہوا ہوتا ہے کہ اُنکی راے صاف طور پر میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی۔ بعض اُن میں سے یہہ کہتے ہیں کہ تین وجود جنکا ذکر ہے حقیقت میں تین مستقل وجود ہیں۔ جنکو وہ دیوتا کہتے ہیں مگر وہ یہہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ لفظ دیوتا سے اُنکی اس جگہہ کیا مُراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم بُت پرست جینائی[1] اور نیومینا[2] دونام لیا کرتے تھے اور میری راے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُنکی مراد ان الفاظ سے کیا ہے۔ ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہہ دیوتا بمنزلہ اُسی جینائی اور نیومینا کے ہونگے۔ بعض نہایت ذی علم پنڈتوں نے گفتگو آنے پر یہہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہہ تین[3] وجود ایک ہی خدا سے مُراد ہے جو تین مختلف صفتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ پالنے والا۔ اور نابود کرنے والا۔ لیکن انہوں نے یہہ نہیں کہا کہ خدا بلحاظ ان تین[3] علحدہ علحدہ صفتوں کے کسی قسم کے جدا جدا وجودوں کا اپنے وجود واحد میں جامع ہے۔

(1) Genii (2) Numina

برہما بشن مہیش اور ان کے اوتاروں کی بابت فادر روآ نام ایک مشنری مقیم آگرہ کا بیان

فادر روآ نے جو آگرہ میں ایک جرمن جیسوٹ مشنری تھے اور سنسکرت خوب جانتے تھے مجھ سے کہا کہ ہندوؤں کی پوتھیوں میں صرف یہی نہیں لکھا کہ تین دیوتا ملکر ایک خدا ہے بلکہ یہہ بھی ہے کہ دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ اوتار لیا ہے یعنی مجسم ہوکر دنیا میں ظہور کیا ہے - انہوں نے یہہ بھی کہا کہ جب میں شہر روم کو واپس جاتا ہوا شیراز میں ٹھہرا وہاں کارمیلائٹ فرقہ کے ایک پادری نے عمدہ طور سے اس بات کو تحقیق کردیا کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں!

ہندو کہتے ہیں کہ انکی تثلیث کے دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ دنیا میں اسوجہ سے اوتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوے تھے اُن سے لوگوں کو چھوڑایا - جسمیں سے آٹھویں دفعہ کا اوتار لینا بہت مشہور ہے - کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیا دیتوں کی طاقت سی مغلوب ہوگئی تو بشن نے آدھی رات کیوقت کنواری لڑکی کے پیٹ سی پیدا ہوکر اوتار لیا اور دنیا کو نجات دی - اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی بارش ہوتی رہی اور فرشتے گاتے رہے - یہہ بات کسیقدر عیسائی مذاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھکر یہہ کہانی کچھ اور ہو جاتی ہے - کیونکہ ساتھ ہی یہہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس اوتار نے ایک دیت کو مارنا شروع کیا جو آسمان کی طرف اُڑگیا اور وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اُسنے آفتاب

(1) Father Roa (2) Carmelite

کو ڈھانک لیا - اور جب نیچے گرا تو تمام زمین کانپنے لگی اور وہ اپنے ہی بوجھ سے اسقدر زمین میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا - اس قوی الجثہ دیت کے ساتھ لڑتے لڑتے بشن جی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے لیکن ان کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ پھر اُٹھے اور دُنیا کو اس بلا سے چھوڑا کر آسمان پر چلے گئے - اور چونکہ ان کے پہلو میں زخم آگیا تھا اسلئے وہ عموماً زخمی پہلو* والے کے نام سے مشہور ہیں ! ہندو یہہ بھی کہتے ہیں مگر بید سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو مسلمانوں کے ظلم سے بچانے کے واسطے دسواں اوتار اور ہوگا - اور ہم عیسائی لوگوں کے اندازہ کے بموجب یہہ اُسوقت ہوگا جبکہ دجّال ظہور کریگا - ہندو کہتے ہیں کہ مہادیو بھی دُنیا میں آئے ہیں - اور اُنکی نسبت یہہ روایت ہے کہ کسی راجہ کی لڑکی جب سن بلوغ کو پہنچی تو اسکے باپ نے پوچھا کہ تو کس سے شادی کرنا چاہتی ہے - اور جب اُسنے یہہ جواب دیا کہ میں بجز کسی دیوتا کے اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی - تو مہادیو آگ کا روپ دھارکر راجہ کے

---

* اگرچہ ہمنے اپنے بعض دوست پنڈتوں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ بشن پُران کی جس کتھا سے ڈاکٹر برنی ار نے یہہ مضمون لیا ہے اُس سے صحت اور تشریح اسکی کیجائے خصوصاً بشن ہمنے نام میں سے بشن کا وہ لقب صحیح کرکے لکھا جاتا جس کے معنی بلحاظ اُس کتھا کے زخمی پہلو والے کے ہوں - مگر اطمینان کے لایق کوئی بات حاصل نہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح غیر ملک کے لوگ بعض اوقات غلطیاں کیا کرتے ہیں اُسی طرح یہاں بھی کچھ خلط مبحث ہوگیا ہے اور سری کرشن جی جو بشن کے اوتار تھے کچھ تو اُنکی ولادت وغیرہ کی کتھا اور کچھ بشن کی کتھا کو باہم ایسے طور پر ملا دیا گیا ہے کہ جس سے کسی اصل کتھا کے ساتھ یہہ بیان مطابق نہیں ہوتا - (س م ح)

سامنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اس پر مسرّت واقعہ کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کرنے پر راضی ہوگئی۔ اور مہادیو اس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بلائے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ راجہ کے وزیروں کی رائے شادی کی نسبت نہیں ہے تو انہوں نے اوّل اُنکی داڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر اُن سب کو مع راجا کے خاندان کے جلا کر بھسم کر دیا اور اسکے بعد راج کنیاں سے شادی کر لی۔ بشن جی کی نسبت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا اوتار شیر کا دوسرا سؤر کا تیسرا کچھوے کا۔ چوتھا سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بونی برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں مچھ کا۔ آٹھواں جو اُوپر بیان ہو چکا ہے نواں بغیر دُم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑی بہادر کا ہوگا[۵] ! مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ فادر رُوآ کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور اُنہوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا بیشک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بُنیاد ہے۔

---

۵ مصنف نے پادری رُوآ کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہ مضمون لکھا ہے اسمیں کئی غلطیاں ہیں۔ جسکو ہم پنڈتوں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ شیر کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دوئم یہ کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ پادری رُوآ نے بیان کیا ہے۔ سوئم یہ کہ بغیر دُم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین اکبری میں بہت سی شرح وبسط کے ساتھ درج ہے! ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے ہیں۔ اوّل پُورن اوتار دوئم اَنش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علی وجہ الکمال ذات الٰہی کے مظہر ہوئے ہیں۔ اور اَنش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من وجہٍ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ شمار اوتاروں کا چوبیس تک بھی مانتے ہیں مگر منجملہ اُنکے

مصنف کے ایک رسالے اور فادر کرکر کی ایک کتاب کا ذکر

کچھ عرصہ ہوا کہ مینے مذہب ہنود کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی مورتوں کی تصویریں مع سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری کتاب کا جو لب لباب تھا وہ فادر کرکر کی کتاب سے کہ چاینا السٹریٹا* میں موجود ہے - اور فادر کرکر کو فادر رُوآ سے جب وہ روم میں تھے معلومات کا ایک معتدبہ حصہ حاصل ہوا تھا - اسلیئے میں آپکو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہہ مجھے یہہ ضرور کہنا چاہیئے کہ لفظ انکارنیشن + (یعنی ظہور ربانی بحیثیت اوتار) جسکو اُس محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھکو نیا معلوم ہوا - کیونکہ پہلے مینے اس لفظ کو ٹھیک اِن معنوں میں بولے جاتی کبھی نہیں سنا تھا -

لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے

بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ جن مختلف مورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں اِن میں خدا ظہور فرماتا رہا ہے - اور مندرجہ بالا عجایبات اُسنے انہیں صورتوں میں پورے کیئے ہیں -

ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں

بعض پنڈتوں کا یہہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سورما اور بہادروں کی روحیں جنکو ہم فرنگستان والے ہیرو کہتے ہیں اُن مختلف جسموں میں جن کا اوپر

حاشیہ - دس اوتار منفصلہ ذیل بالاتفاق مانے جاتے ہیں اول مچھ دوم کورم سوم باراہ چہارم نرسنگھ پنجم بامن ششم پرسرام

* China Illustrata + Incarnation

ذکر دو ہے آتی رہی ہیں۔ اور وہی دیوتا ہو گئے ہیں یا اگر قدیم بُت پرستوں کی اُن اصطلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جاے تو وہ طاقت ور دیوتا نیومینیا جینائی ڈیمن (یعنی دیو) خواہ یہہ کہو کہ سپرٹ (یعنی روح) اور فیری (یعنی پری) بنگئے۔ کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بجز الفاظ مذکورہ بالا میں بیان نہیں کرسکتا۔

ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح انسانی پرم آتما یعنی ذات الٰہی کا ایک جز ہے۔

لیکن جب یہہ خیال کیا جائے کہ ہندوؤں کا یہہ اعتقاد ہے کہ ہماری روحیں ذات الٰہی کی جزو ہیں تو یہہ دوسرے معنی بھی قریباً پہلے ہی معنی بن جاتے ہیں۔

بعض ہندوؤں کے نزدیک اوتار اور راکھس کے لفظ سے خدا کی مختلف صفتیں مراد ہیں۔

بعض پنڈتوں نے یہہ عمدہ تشریح کی کہ جن اوتاروں یا راچھسوں کا ہماری پوتھیوں میں ذکر ہے ان کے معنی پوشیدہ ہیں اور ان سے یہہ غرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہوں نہ یہہ کہ اِن کے لفظی معنی لئے جاویں۔

بعض پنڈتوں کے نزدیک اوتاروں کے قصے محض مذہبی افسانے ہیں۔

بعض نہایت فاضل پنڈتوں نے آزادانہ صاف طور پر یہہ کہا کہ اِن اوتاروں کے قصہ سے زیادہ لغو اور کوئی قصہ نہیں ہے اور اُن احبارجوں نے جنہوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں

(۶) پرسرام ساتواں (۷) رام یعنی رامچندر جی مہاراج آٹھویں (۸) سری کرشن مہاراج نہم (۹) بودھ دسواں (۱۰) کلکی جسکا ابتک ظہور نہیں ہوا۔ س ام ح

ان کو صرف اس غرض سے ایجاد کرلیا تھا کہ لوگ کسی نہ کسی قسم کے مذہب کے پابند رہیں۔

اتما اور پرم آتما کے ایک ہونے پر مصنف کا اعتراض

ہندوؤں کا عموماً یہہ عقیدہ ہے کہ ہماری روحیں ذات باری کے جزو ہیں اور باوجود اسکے اس منطقی برہان کو نہیں سمجھتے ہیں کہ درحالیکہ وہ خود خدا ہیں پھر اپنے اوپر کس لیئے کسی پوجا پاٹ اور مذہبی پرستش کو قائم کرتے اور اگنت اور نرک اور سرگ کو مانتے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے قوی اعتراض کے بھی پنڈت لوگ یہہ کہتے ہیں۔ کہ اس سے اوتاروں کے وجود اور انمایت میں ہرگز کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی۔ بلکہ انکی حقیقت کو بطور ایک مذہبی اسرار کے ماننا ضروریات سے ہے۔

ہنری لار صاحب اور ابراہام راجر صاحب کی عمدہ کتابوں کا ذکر جو ہندوؤں کے علوم و فنون کے باب میں ہیں

ہنری لار صاحب[1] اور ابراہام راجر صاحب[2] کا اتنا ہی ممنون ہوں جتنا کہ فادر کرکرز اور فادر روآ کا کیونکہ اگرچہ مینے ہندوؤں کی نسبت بہت سے حقایق جمع کیئے تھے مگر بعد ازان۔ ان صاحبوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں دیکھا کہ انہوں نے حقایق و حالات مذکورہ کو ایک نہایت نظم و ترتیب سے لکھا ہے۔ جن کو بغیر بڑی مشقت اور جانکاہی کے میں اس خوبی سے نہیں لکھ سکتا۔ اسلیئے میں ہندوؤں کے علوم و فنون کی نسبت بلا لحاظ نظم و ترتیب ایک سیدھے اور

(1) Henry lar (2) Ibraham Rager

عام طور پر مختصراً لکھتا ہوں

شہر بنارس ہندوؤں کا دار العلم ہے

شہر بنارس* جو دریائے گنگا کے کنارے ایک خوبصورت موقع پر اور ایک بڑے خوشنما اور نہایت ہی زرخیز ملک میں واقع ہے۔ ہندوؤں کا دار العلم خیال کرنا چاہیئے۔ اور یہہ ہندوستان میں اُسی مرتبہ کی جگہہ ہے جیسا کہ یونانیوں کے لیئے شہر ایتھنز[1] تھا۔

* مترجم انگریزی نے کرنل جارج فاسٹر[2] صاحب نامے ایک انگریز سیاح کی تحریروں سے شہر بنارس کی نسبت ایک حاشیہ لکھا ہے جسکو دلچسپ سمجھکر ہم بھی اپنے اس ترجمہ میں بطور خلاصہ نقل کرتے ہیں قولہ۔ شہر بنارس اپنی دولتمندی اور عالیشان عمارتوں اور کثرت آبادی کی وجہ سے اُن شہروں میں جو بالفعل ہندوؤں کے قبضہ میں باقی ہیں اوّل درجہ کا شہر گنا جاتا ہے۔ اِس شہر میں ہندوؤں کے بیشمار دیوتاؤں کے بیشمار مندر ہیں اور یہہ شہر ہندوؤں کے باقی ماندہ علوم و فنون کا گویا مخزن ہے۔ جب کوئی شخص گنگا کے راستہ سے اس شہر کو آتا ہے تو اُسکو آٹھ میل کے فاصلہ سے ایک مسجد کے دو بلند مینار نظر پڑتے ہیں۔ جسکو اورنگ زیب نے مہادیو کے ایک قدیمی مندر کی بنیادوں پر تعمیر کرایا تھا! ہندوؤں کی ایسی متبرک جگہہ پر ایسی باشان و شوکت اسلامی عمارت کے بنانے سے جو اپنی بلندی کی وجہ سے بزبان حال اپنے غلبہ اور فتحمندی کو جتا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل میں یہہ بیہودہ خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیر کروں۔ اگر فی الواقع اُسکی یہی خواہش تھی تو وہ حقیقت میں کامل طور پر کامیاب ہوا !!! ان میناروں پر سے تمام شہر بخوبی نظر آتا ہے۔ جو گنگا کے مشرقی کنارے پر طولاً ڈھائی میل اور عموماً ایک میل تک عرض میں آباد ہے۔ اکثر مکانات اس شہر میں پتھر کے بہت اونچے اونچے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی چھ منزل اور کوئی سات منزل تک ہے۔ یہہ پتھر جو اس نواح میں بکثرت دستیاب ہوتا ہے۔ اُس قسم کا ہے جو فرنگستان میں پورٹ لینڈ[3] کی کان سے نکلتا ہے۔ لیکن شہر کے گلی کوچے جنمیں یہہ اونچی اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی ہیں ایسے تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں بھی برابر نہیں چل سکتیں۔ علاوہ اُس مضر حبس کے جو

(1) Athens (2) George faster (3) Part land.

بنارس میں پنڈتوں کے طرز بود باش اور تعلیم و تعلّم کا بیان

یہاں برہمن اور پنڈت ہر مُلک سے آتے رہتے ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنی اوقات تحصیل علوم اور مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ اس شہر میں ہماری یونیورسٹیوں کی طرح کوئی کالج یا باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں بلکہ قدیم زمانہ کے مکتبوں کی سی حالت ہے۔ اُستاد یعنی پنڈت شہر کے مختلف حصّوں میں اپنے اپنے گھروں اور خصوصاً شہر کے باہر باغوں میں جہاں رہنے کی بڑے بڑے ساہوکاروں نے اِن کو اجازت دے رکھی ہے رہتے ہیں۔ بعض کے پاس چار شاگرد ہوتے ہیں بعض کے پاس چھ سات۔ اور جو بڑا ہی فاضل پنڈت ہو اُسکے پاس بارہ یا پندرہ مگر اس سے بڑھکر تعداد نہیں ہوتی۔ یہہ ایک معمولی بات ہے کہ یہہ شاگرد دس بارہ سال تک اپنے اپنے اُستادوں کے زیر تعلیم رہتے ہیں مگر اس عرصہ میں اُنکی تعلیم بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے کیونکہ عموماً

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ

اِن مکانات کے بے ڈھنگے پن سے ہوا میں پیدا ہوتا ہے گرمی کے موسم میں اُس پانی سے جو شہر میں بہت سی جگہہ بھرا رہتا ہے ناقابل برداشت بو آتی ہے۔ اور یہی پانی مع اپنے کناروں کی زمین کے اہل شہر کی حوایج ضروریہ کے لیئے مختص ہے۔ اسکے علاوہ میل کچیل جو اہل شہر اپنے گھروں سے نکال کر گلی کوچوں اور رستوں پر ڈالدیتے ہیں اُسی جگہہ پڑی رہتی ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں ستھراپن بہت ہی کم ہے۔ اور یہہ ایک اور ذریعہ ہے جو اور بدبوؤں میں شامل ہوکر باعث کثرت عفونت ہو جاتا ہے۔ یہہ شہر اپنی عمدہ عمارات کے سبب اُن تمام بڑے بڑے شہروں پر فوق رکھتا ہے۔ جنکے دیکھنے کا مجھے ہندوستان میں اتفاق ہوا ہے۔ بشرطیکہ اُسکی گلیاں ایسی بیقاعدہ اور تنگ اور طرز تعمیر ایسا گنجان نہوتا جنے عمارات شہر کی زیب و زینت کے لطف کو کھو دیا ہے۔ (م م ح)

ہندوستانیوں کی طبیعت زیادہ تر انکی غذا اور ملک کی گرمی کی وجہ
سے کاہل ہوتی ہے اور چونکہ ان میں نہ تو مسابقت کا جوش وغیرہ ہی
ہوتا ہے اور نہ یہہ اُمید ہوتی ہے کہ اگر معمولی اندازہ سے کچھ زیادہ
کمال حاصل کرینگے تو کوئی بارآور پیشہ اور اعزاز یعنی خطاب فضیلت حاصل
ہوسکتا ہے - اسلئے یہہ لوگ معمولی اور سُست طور پر اپنی تحصیل کو جاری
رکھتے ہیں اور ایام طالب علمی میں انہیں کھانے کو صرف کھچڑی ملتی ہے
جو بعض دولتمند ساہوکاروں کی طرف سے اِن کے لیئے تیار ہوا کرتی ہے

زبان سنسکرت اور اُسکی قدامت کا بیان

سب سے اوّل سنسکرت سکھلائی جاتی ہے جو
ایک ایسی زبان ہے جسکو صرف پنڈت ہی جانتے ہیں - اور اُس بولی سے
جو آجکل ہندوستان میں بولی جاتی ہے بالکل مختلف ہے - فادر کرز کرنے
جو ایک الف بے تے چھپوا کر مشتہر کی ہے وہ سنسکرت ہی کے حروف ہیں
اور اُن کو یہہ حروف فادر روآ سے حاصل ہوئے تھے - لفظ سنسکرت
کے معنی خالص یا منجھی ہوئی زبان کے ہیں - اور چونکہ ہندوؤں کا یہہ اعتقاد
ہے - کہ خدا نے چار بید برہما کے ذریعہ سے سنسکرت ہی میں بھیجے تھے
اسلئے وہ اِسکو دیو بھاشا یعنی زبان مقدس یا زبان الٰہی کہتے ہیں - اُن کا
قول ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کس دلیل سے ہے کہ یہہ زبان ایسی ہی قدیم
ہے جیسے کہ خود برہما اور برہما کی عمر کا شمار لاکھوں برس سے کرتے ہیں -
لیکن چونکہ انکی مذہبی کتابیں جو حقیقت میں نہایت پُرانی ہیں - اِسی زبان میں
ہیں اسلئے اسکے غایت درجہ قدیم ہونے کو نہ ماننا ناممکن ہے - سنسکرت

میں فلسفہ اور طب کی کتابیں نظم میں ہیں اور اِن کے سوا بہت سی اور طرح طرح کی کتابیں بھی ہیں کہ جن سے بنارس میں ایک بہت بڑا کمرہ بالکل بھرا ہوا ہے۔

پورانوں کی تعلیم اور بیدوں کی ضخامت اور کمیابی وغیرہ کا ذکر۔

جب طالب علم اس قدیم اور مشکل زبان کی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور میں اسے مشکل اسوجہ سے کہتا ہوں کہ اسکی صرف و نحو اچھی نہیں ہے۔ تو عموماً پُرانوں کو پڑھتے ہیں۔ جو بیدوں کی تشریح یا اختصار ہوتا ہے۔ یہہ کتابیں جو مجھے بنارس میں دکھلائی گئی تھیں اگر وہ بید ہی تھے تو بڑی ضخامت کی ہوتی ہیں اور یہہ ایسی نایاب ہیں کہ میرے آقا کو باوجود بڑی تلاش اور شوق خریداری کے ایک کتاب بھی نہیں ملی۔ ہندو اِنکو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مبادا مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ اور جیسا کہ اکثر ہوا ہے جلادی جائیں

* "اکثر ہوا ہے" کہنا صحیح نہیں ہے۔ مؤلف کتاب آئینہ تاریخ نما جو زمانہ حال کے قابل لوگوں میں سے جین مت کا ایک بہت باخبر ہندو مصنّف ہے اور جسکا طرز تحریر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نسبت نہایت متعصبانہ ہے۔ اور جس نے اُن کے عیب چُن چُن کر اپنی کتاب میں درج کئے ہیں باوجود بڑی تلاش اور جستجو کے اُسکو بھی اس قسم کی صرف ایک ہی بات ملی ہے۔ چنانچہ کتاب فتوحات فیروزشاہی کے حوالہ سے وہ لکھتا ہے کہ "کچھ ہندوؤں نے ملکر موضع کوہانہ میں بُت خانہ بنایا تھا۔ پس مَیں نے (یعنی فیروزشاہ تغلق نے) حکم دیا کہ اُنکی پوتھیاں اور تمام بُت اور پوجا کے برتن سب اُسی جگہہ پھونک دیئے جائیں" مگر ہندوؤں پر کیا منحصر ہے فیروزشاہ نے تو شیعہ مذہب کے مسلمانوں کی کتابیں بھی جلوادی تھیں ۔ چنانچہ [illegible]

فلسفہ کی تعلیم کا ذکر

پُرانوں کے بعد بعض طالب علم تحصیل علم فلسفہ پر اپنا جی لگاتے ہیں - مگر حقیقت یہہ ہے کہ وہ اسمیں ترقی بہت کم کرتے ہیں اور یہہ تو میں بہت ہی لکھ چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں سست اور کاہل ہوا کرتی ہیں - اور جیسا کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں کسی معزز پیشہ میں ترقی کرنے کی خاطر لوگوں کو شوق ہوا کرتا ہے وہ اِن کو مطلقاً نہیں ہوتا -

بہت شاستر اور ان کے پیروؤں کا بیان

ہندوستان میں جو بڑے بڑے اچارج (حکیم) ہوے ہیں اُن میں چھ شخص بہت نامور ہیں جو ہندوؤں کے علیحدہ علیحدہ چھ* فرقوں کے بانی ہیں - اور اِس اختلافِ عقائد کے

[illegible] لکھتا ہے کہ " فرقہ شیعہ کے بعض لوگوں نے اہل سنّت کو اپنے مذہب میں لانا چاہا تھا اور کتابیں اور رسالے بھی اس باب میں لکھے تھے - تب میںنے (یعنی فیروز شاہ نے) ان سب رافضیوں کو گرفتار کیا اور جو اُن کے سردار تھے اُن کو سیاست میں ڈالا - اور اُنکی تمام کتابوں کو آگ سے جلوا دیا - اور مسبوق الذکر مؤلف اِس سے چند صفحے پہلے طبقات ناصری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ " قطب الدین ایبک کے زمانہ میں بختیار خلجی نے شہر بہار کو جب فتح کیا تو ہندوؤں کا وہاں ایک کُتب خانہ نہایت عظیم الشان دستیاب ہوا - لیکن قتل عام ہوجانیکے باعث سے کوئی آدمی اُن پوتھیوں کا مضمون بتانے والا نہ مل سکا " جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بختیار نے اُن پوتھیوں کو جلوایا نہیں بلکہ برعکس اسکے وہ اِن کے مضمون سے واقف ہونا چاہتا تھا - س م ح

* مصنف نے جن چھ فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہہ ہیں - اوّل نیائشاسک یعنی ... شاستر کے پیرو جسکی بنیاد جیمنی رشی سے ہے - اسکی دو شاخیں ہیں ایک قدیم جو جیمنی کے عمل کی پیرو ہے - دوسری جدید جسکا بانی بیاس جی کو بتاتے ہیں اور ... کہلاتے ہیں - تیسرا نیائک یعنی منطقی فرقہ جسکا بانی گوتم ہوا - اِس

+ [illegible]

باعث اُنکے پیروؤں کے باہم ازبس رشک اور بحث مباحثہ رہا کرتے ہیں - کیونکہ ہر فرقہ کے پنڈت یہی ادعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور بید کے موافق ہیں -

بودھمت اور اُسکے پیروؤں کا ذکر

اور ساتواں فرقہ بودھ مت کے پیروؤں کا ایک ہوگیا ہے جسکی بارہ شاخیں ہیں - لیکن اس فرقہ کے لوگ شمار میں ہندو فرقہ سے نہیں ہیں جیسے اور فرقوں کے ہیں اور انکو مخالف المذہب اور دہریہ کہا جاتا ہے - اور قابل نفرت اور حقیر شمار کئے جاتے ہیں اور یہہ لوگ ایک الگ طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں جو انہیں سے مخصوص ہے

First Principles

پیدایش وجود کے باب میں ہندوؤں کے مختلف مذاہب کا ذکر

ہندوؤں کی تمام پوتھیوں میں درست پرنسپلز یعنی اصول ومبادی اشیاء کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں -

بعضے اجزاے لایتجزی کو کائنات کی اصل مانتے ہیں

چنانچہ بعضے تو یہہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے ناقابل التقسیم اجسام سے مرکب ہے - اور یہہ ناقابلیت انقسام اسوجہ سے نہیں ہے کہ وہ سخت یا غیر متخلخل اور ٹھوس وغیرہ ہیں - بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بدرجہ غایت چھوٹے ہیں اور

فرقہ کے بعض [illegible] کے مسائل منطق سے ملتے [illegible] ہیں [illegible] ایک [illegible] بانی [illegible] ہے [illegible] پانچواں [illegible] جسکا بانی کپل منی ہوا چھٹا [illegible] شاستر کا [illegible] جسکو [illegible] تمام [illegible] یہہ دونوں فرقے [illegible] ان سب فرقوں کے مسائل کی تفصیل اگر کوئی دیکھنی [illegible] مباحث کی [illegible] کے چھے حصے [illegible] ان سے [illegible]

[illegible]

اِس خیال پر وہ اپنے اور بہت سے تصوّرات کی بنیاد قائم کرتے ہیں جو کسی قدر ڈیمی ماک رِی ٹس* (ذی مقراطیس) اور اپی کیورس کے Epecurees Demacritus خیالات سے مشابہ ہیں۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور ناتحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ اِن کا مطلب سمجھنا مشکل ہے۔ اور خواہ کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہیں۔ لیکن اگر انکی بیحد نافہمی پر غور کیا جاے تو اسمیں محل شبہ ہے کہ آیا یہہ بیہودگی اُن کتابوں کے اصل مصنفوں سے منسوب ہونی چاہیئے یا کہ اُنکے اِن مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر منسوب ہو سکتی ہے

---

* ڈیمی ماک رِی ٹس یونانی حکیم جو سنہ عیسوی سے چار سو اکہتر برس پہلے پیدا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اسکی تقلید کی ہے اور علوم حکمیہ اس سے سیکھے ہیں۔ چنانچہ اپی کیورس بھی جسکا ذکر متن میں ہے۔ اِسی کا شاگرد تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بُنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا ہیں جو باعتبار اپنی طبیعتوں کے ہم شکل اور باعتبار صورتوں کے مختلف اور ایسے سخت ہیں کہ اُنکی تقسیم صرف وہم ہی سے ممکن ہے۔ اور یہہ کہ یہہ اجزا باعتبار شمار کے غیر متناہی اور ایسی خلا کے اندر جسکی کوئی حد نہیں پھیلے ہوئے اور دائم الحرکت ہیں۔ پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہہ اجزا آپس میں ٹکراتے اور کبھی خاص صورت پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور انکے اس اتفاق اور اجتماع ہی سے جہان کا وجود ہے۔ ! اور یہہ کہ ہمارے اس جہان کے مانند بے شمار جہان ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے ساتھ خلاء غیر متناہی کے اندر موجود ہیں۔ لیکن اسکی رائے میں امورات جزئی یعنی حیوانات اور نباتات کے وجود کا سبب اجزا مذکور کا اتفاقاً باہم ٹکرانا اور مجتمع ہو جانا نہیں ہے۔ اِسکے شاگرد اپی کیورس کی بھی یہی رائے ہے اور اُسکا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہہ اجزا حقیقتاً آپس میں نہیں جاتے بلکہ صرف باہم چمٹ جاتے ہیں اور اجسام محسوسہ کے اندر بالفعل موجود اور ایک دوسرے سے متمیز رہتے ہیں پس اجسام محسوسہ کا اتصال حقیقی اتصال نہیں ہے بلکہ صرف ان اجزا کی باہم چمٹی رہنے کا نام ہے [ماخوذ از تاریخ التواریخ]

بعض مادہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں

بعض کا قول ہے کہ ہر چیز "مےٹر"[1] اور "فارم"[2] یعنی مادہ صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی پنڈت مادہ اور صُورت کو صاف صاف بیان نہیں کرسکتا۔ اور مادہ کی بابت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کرسکتے ہیں۔ بہرحال اُن کا بیان صرف اسیقدر قابلِ فہم ہے کہ اُس سے مجھے ظاہر ہوگیا کہ یہہ لوگ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اُتنا بھی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہماری مدارس میں جبکہ قوّت مادّیہ میں سے صورت نوعیہ کے ظہور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علموں کو ایک معمولی طور پر سمجھا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ مصنوعی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ملائم مٹی بطور مادّہ کے ہے اور کمہار اُسکو پھرا پھرا کر جو طرح طرح کی شکلیں بنالیتا ہے یہہ صورت ہے۔

بعضے عناصر اربعہ اور اکاش کو موجودات کی اصل جانتے ہیں۔

بعض کی یہہ راے ہے کہ ہر چیز عناصر اربعہ اور "نتھنگ" (ن تھ ن گ) یعنی اکاش سے مرکب ہے۔ لیکن وہ عناصر کے استحالہ یا آپسمیں مل جانے کے نسبت کچھ نہیں کہتے۔

لفظ اکاش کا لفظ پرائی ویشن کے قریب المعنی ہونا۔

اور نتھنگ[3] یعنی اکاش کی جو ہمارے لفظ پرائیویشن[4] یعنی عدم مطلق کے قریب المعنی ہے کئی قسمیں بتلاتے ہیں۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں کہ نہ تو وہ خود سمجھتے ہیں نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔

---

(1) Matter (2) Form (3) Nothing

(4) Privation

بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصل اوّل ہے۔

بعض نور اور ظلمت ہی کو اصل اوّل مانتے ہیں۔ اور اس رائے کی تائید میں وہ ایسے بیہودہ دلائل پیش کرتے ہیں جو صحیح فلسفہ کے خلاف محض ہیں اور ایسی ایسی طول طویل قیل و قال کرتے ہیں کہ جسکو صرف عامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سن سکتے ہیں

بعض کے نزدیک ایک یا چند پرائی ویشنوں ہی اصل اصول ہیں

بعض ایک یا چند پرائی ویشنوں ہی کو اصل اصول تسلیم کرتے ہیں۔ جنکو وہ نتھنگ سے جدا سمجھتے ہیں اور جنکی تعداد کی نسبت ایک ایسا غیر حکیمانہ طول طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی جزوی باتوں کی خاطر ان کے مصنفوں نے قلم اٹھاکر کچھ لکھا ہو۔ اور اسلیئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ انکی کتابوں میں یہ بیہودہ باتیں موجود ہوں۔

بعضے سم بندھ ہی کو اصل سمجھتے ہیں

بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جسکو پنڈت لوگ سمبندھ کہتے ہیں۔ اور اسکی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لائق ہوتی ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک اصول مبادی اشیا ازلی و ابدی ہیں

ان تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے کہ یہ ازلی و ابدی ہیں۔ انکا نفس سے کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی سمجھے ہوے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم علما کے دلوں میں خیال تھا۔ مگر البتہ وہ کہتے ہیں کہ ایک آچارج نے اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شرح اور بسط سے تحریر کیا ہے۔

ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر

علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بجاے اسکے کہ کوئی باترتیب کتاب ہو ان کو صرف نسخوں کے مجموعے کہنا چاہیئے۔ اور ان میں سب سے پرانی اور بڑھ کی کتابیں نظم میں لکھی ہوئی ہیں۔

ہندوؤں کے طریق معالجہ کے اہل یورپ سے مختلف ہونے کا ذکر اور اسکی مثالیں اور اسکی نسبت مصنف کی رائے

میں اس طرز کو بیان کرتا ہوں جسمیں کہ ان کا طریق علاج ہمارے طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ اور وہ اختلاف مندرجہ ذیل مسلمہ اصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے بیمار کو غذا کی کچھ بڑی ضرورت نہیں۔ اور فاقہ سب سے بڑا علاج ہے اور اس مرض میں شوربے یا یخنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہہ دو چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوراً خراب ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک بجز خاص خاص اور نہایت ضروری موقعوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا اندیشہ ہو یا جب کبھی گردہ یا جگر یا سینہ میں ورم پیدا ہو جاوے فصد نہ لینی چاہیئے۔ اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیبوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ہاں صرف اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہہ طریقے کارگر ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض معالجات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں

اور مغل اور اور مسلمان طبیب جو ابو علی سینا اور ایوروس (یعنی ابن* رشد) کے پیرو ہیں

* ابن رشد کا نام محمد تھا اور اسکے اجداد میں سے رشد نامے ایک شخص کی نسبت سے محمد ابن رشد

وہ بھی ہندوؤں کی طرح اِن طریقوں - خصوصاً یخنی یا شوربے سے پرہیز کرانے کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں -

مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں

مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں فصد لینے کا عمل زیادہ ہے - کیونکہ جہاں انکو مندرجہ بالا ورام کا اندیشہ ہوتا ہے - عموماً ایک دو مرتبہ خون نکلوا ڈالتے ہیں اور یہہ عمل وہ گو آ اور پیرس کے زمانہ حال کے اطبا کی طرح جزوی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدمائے اطبا کی طرح اٹھارہ یا بیس[20] اونس یعنی دس گیارہ چھٹانک تک خون نکلوا ڈالتے ہیں یہانتک کہ بعض اوقات غش کی نوبت ہوجاتی ہے -

---

بقیہ حاشیہ

کہلاتا تھا - یہہ اُن لوگوں کی نسل میں سے تھا جنہوں نے سنہ ترانویں[92] ہجری مطابق سنہ سات گیارہ ۷۱۱ عیسوی میں ملک اسپین کو فتح کرکے ممالک اسلامیہ میں شامل کیا تھا - یہہ ملک اسپین کے مشہور شہر کاردوآ (قرطبہ) میں جہاں اسکے باپ دادا قاضی رہے تھے سنہ پانسو بیس[520] ہجری مطابق گیارہ سو چھبیس ۱۱۲۶ عیسوی میں پیدا ہوا تھا - ! یہہ نہایت مشہور حکماء عرب میں سے تھا - اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندسہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا - اسکے زمانہ میں علم فلسفہ اہلِ عرب میں کمال کو پہنچ گیا تھا - اور اسکے بعد قوم عرب کی تاریخ میں کوئی بڑا فلسفی نہیں پایا جاتا اسکی اکثر تصنیفیں زبان عربی اور عبری میں ہیں - چونکہ اسنے کتب ارسطو کی شرحیں لکھی تھیں اسلئے شارح حکمت ارسطو کے معزز لقب سے جسکا وہ حقیقتاً مستحق تھا مشہور آفاق تھا - بعض آزادانہ رایوں کے ظاہر کرنے کیوجہ سے لوگوں نے اسکو الحاد سے منسوب کرکے اسکو اسکے مولد کارڈوآ سے جلاوطن کرادیا تھا - مگر اسکے کمال نے سلاطین وقت کی مہربانی کو پھر اپنی طرف کھینچ لیا - اور دربار مراکش (مراکو) میں پھر آحاضر ہوا - جہاں کہ وہ سنہ ۱۱۹۸ - گیارہ سو اٹھانویں[98] یا ننانویں[99] عیسوی میں مرگیا -

(ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برطانیکا و تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران)

س م ح

پس وہ گیلین* (جالینوس) کی ہدایت کے موافق اور جیسے کہ ہمنے اکثر دیکھا ہے بیماری کو ابتدا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت

یہہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح کو بالکل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ کبھی کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی زندہ بھیڑ یا بکری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آقا کو دوران خون کا طرز اور وہ رگیں دکھلاؤں جنکو ہیگٹ نے دریافت کیا تھا اور جنمیں ہو کر کیلوس کا خلاصہ قلب کے دائیں خانہ میں پہنچتا ہے تو ہندو ہمارے گھر سے حیران اور خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے تھے۔ مگر باوجود اسکے کہ ہندو اس فن سے محض ناآشنا ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان کے

---

* کلاڈیئس[1] گالی نس جسکو انگریزوں نے گیلین[2] اور عربوں نے جالینوس بنایا ہے۔ ملک ایشیا کے شہر پرگمس[3] کا رہنے والا تھا یہہ نامور شخص ۱۳۱ء عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور نوّے[9] برس کا ہو کر مرا۔ جالینوس اپنے باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ریاضیات اور فن تعمیرات اور علم ہیئت میں بہت سر برآوردہ اور دقایق فلسفہ ارسطاطالیس سے بخوبی ماہر تھا۔ جالینوس نے سترہ برس کی عمر سے پہلے حکما کے چند مختلف طبقات کے مسائل فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور وہ لکھتا ہے کہ جب میں اس عمر تک پہنچا تو میرے باپ نے خواب دیکھا تھا کہ اس لڑکے کو علم طب کی تعلیم ہونی چاہیئے۔ مگر اسنے صرف انیس برس کی عمر میں اوّل ایک اُستاد سے جسکا نام وہ بتانا نہیں چاہتا فن طب کی تحصیل شروع کی اور پھر اسی زمانہ کے بعض اور مشہور و معروف حکما سے جو فن تشریح اور علم الادویہ میں نامور تھے ان فنون کی تعلیم پائی ابھی بیس برس کی عمر بھی نہ ہوئی تھی کہ اسکا وہ مہربان اور شفیق اُستاد مر گیا۔ بعد ازیں اسنے بہت سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علماے فلسفہ و طب مشہور تھے سفر کیے اور آخر کار شہر

[1] کل ال اڈی اس گ ال ی ن س۔ [2] گ ی ل ی ن [3] پ ر گ م س

(1) Galenus, Claudius (2) Galen (3) Pergamus

جسم میں پانچ ہزار رگیں ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور غور سے اُنہوں نے انکا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر

علم ہیئت کا یہہ حال ہے کہ ہندو اپنے پتروں کی رو سے خسوف اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگرچہ انکے بیان میں فرنگستانی اہل ہیئت کی سی باریکی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔

چاندگہن کے سبب کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ

لیکن خسوف کی نسبت بھی انکا وہی بیہودہ اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہے یعنی یہہ کہ ایک کالا اور ناپاک اور شریر راکھس جس کا نام راہو ہے چاند کو پکڑ لیتا اور اُسکو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے

ہندو چاند کو باذات نورانی جانتے ہیں

اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے ڈیڑھ لاکھ میل

اسکندریہ میں جاکر بعض استادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور اٹھائیس برس کی عمر تک وہاں رہ کر ایسا ہوگیا کہ جو علوم اُس زمانہ میں اُستادوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ سب سیکھ لیئے اور اپنے شہر پرگمس میں واپس آکر انتیس[۲۹] برس کی عمر میں بڑی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اسنے ایسے ایسے زخمیوں کو اچھا کیا جنکے زخم مہلک سمجھے جاتے تھے اور چونکہ بتیس[۳۲] برس کی عمر میں اُسکے شہر میں کچھ بغاوت ہوگئی تھی اسلیئے وہ شہر روم کو چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پرگمس میں پھر آکر آخر کار روم میں ہی جا ٹھہرا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا طبیب خاص رہا تھا مگر وفات اُسکی شہر پرگمس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی ایسی اصطلاحیں قائم کر گیا ہے کہ ابتک بھی وہی چلی آتی ہیں۔ اور یہہ بڑے شوق اور سرگرمی سے ہمیشہ مردہ اور زندہ حیوانوں کو چیر چیر کر دیکھتا رہتا تھا۔ اور اگرچہ زمانہ حال کا فن تشریح اُسکی معلومات سے بہت بڑھا ہوا ہے

اونچا ہے - اور وہ ایک بالذات نورانی جسم ہے اور اُس سے انسانوں کی دماغ میں امرت پہنچتا ہے جو دماغ سے اُترکر آگے اور اعضا میں سرایت کرتا ہے - چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لایق ہوجاتے ہیں -

ہندوؤں کے نزدیک چاند اور سورج بھی دیوتا ہیں -

اِن کو یہہ بھی یقین ہے کہ چاند سورج اور ستارے یہہ سب دیوتا ہیں -

خیالی پہاڑ سُمیر کا ذکر

اور جب سورج سُمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے - اُسوقت رات ہوجاتی ہے - سُمیر ایک خیالی پہاڑ ہے - جسکو فرض کرلیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اُلٹے کوزے کی طرح واقع ہے - اور معلوم نہیں کے ہزار کوس بلند ہے - پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے ہٹکر نہیں آتا اُسوقت تک دن نہیں نکلتا -

علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفی کا ذکر -

علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناواقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دُنیا چپٹی اور مثلث شکل کی ہے اور اسمیں سات ولایتیں ہیں جو باعتبار اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص سمندر سے گھری ہوئی ہے - اور کہتے ہیں کہ ایک سمندر دودھ کا

لیکن وہ اپنے وقت میں یکتائے روزگار اور اپنے تمام متقدمین سے اسمیں ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اُس قدیم زمانہ میں اُسکی وفات کو فن تشریح کی وفات کہنا کچھ بیجا نہ تھا -

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) س م ح

ہے دوسرا شہد کا تیسرا گھی کا چوتھا شراب کا اور آگے اسیطرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہانتک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ سمیرپت میں ہے جو وسط میں واقع ہے - اوّل ولایت جو سمیر کے نہایت قریب ہے اوّل درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُنسے کم درجہ کے دیوتا ہیں - اور اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جنکے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے رتبہ میں کم ہیں - اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جسمیں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں - ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ دُنیا بہت سے ہاتھیوں* کے سروں پر اُٹھائی ہوئی ہے جنکی اتفاقیہ حرکت سے بھونچال آجاتا ہے -

ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی راے

اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جنکی اسقدر شہرت ہے یہی تمام بیہودہ باتیں بھری ہوئی ہیں جنکو مینے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ اِن کے علم و عقل کی نسبت دیر سے ایک ایسی تعریف اور مدح سرائی کرتے چلے آئے ہیں - اور بالضرور مجھے اپنے تئیں اِس امر پر

* ہاتھیوں کے سروں پر دُنیا کے اُٹھائے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سُننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اسکی کچھ صحت معلوم ہوئی - البتہ سیس ناگ یعنی ہزار سر والے مقدس سانپ کے سر پر اس دُنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا ضرور مانا جاتا ہے -! اور ایک عام روایت یہہ بھی ضرور زبان زد ہے کہ ایک بیل کے سینگوں پر یہہ پرتھوی قائم ہے - اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے -

س م ح

داخل کرنے میں دقت پیش آتی کہ فی الواقع حقیقت حال یہی ہے بلکہ میں ان باتوں پر غور کرتا کہ اوّل تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے چلا آتا ہے جسکا حال کچھ معلوم نہیں - اور پھر انکی مذہبی اور علمی کتابیں سب سنسکرت زبان میں ہیں جو مدت دراز سے ایک مذہبی زبان ہو گئی ہے جسکو کوئی نہیں بولتا - اور اب صرف پڑھے لکھے لوگ ہی سمجھتے ہیں اور اسکی اصل نامعلوم ہے - غرض کہ ان تمام باتوں سے بہت ہی قدامت اور کہنگی ثابت ہوتی ہے *

مصنف کا بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت ان کے جوابات۔

جب میں دریائے گنگا سے نیچے کے ملک کی طرف جاتا تھا تو میں بنارس میں ہوکر گزرا اور ایک سب سے بڑے پنڈت سے جو اس مشہور دار العلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو اسکی فضیلت کے لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اسکے واسطے دو ہزار روپیہ سال کی پنشن مقرر کر دی تھی - وہ ایک موٹا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اسکی پوشاک یہہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑھی باندھے رہتا ہے - جو پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہے - اور ایک کسیقدر بڑی سی سرخ ریشمی چادر کاندھوں پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے! میںنے دہلی میں اس شخص کو بادشاہ اور امرا

* مصنف کے نزدیک یہہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے اصلی حقایق پر ایک تاریکی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور اُسکے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے - س م ح

کے روبرو بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور دہلی کے بازاروں
میں وہ مجھے یا تو پیدل یا پالکی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ
میرے آقا کے پاس اِس اُمید پر آتا رہا کہ وہ اورنگ زیب سے سفارش کر کے
اسکی پنشن بحال کرا دے جو اورنگ زیب نے جسکو اپنی دینداری دیکھانیکا
بڑا شوق تھا تعصب مذہبی کی وجہ سے تخت پر بیٹھتے ہی بند کردی تھی! مینے
اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کر لی تھی۔ اور میری اُس سے اکثر دیر
تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اُن سے بنارس میں ملا تو وہ نہایت
خلق اور مدارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا بتخانہ دیکھلانے لیگیا۔ جہاں
اُسنے اور بھی بڑے بڑے چھ پنڈتوں کو بلالیا تھا۔ جب مینے اپنے تئیں
ایسی عمدہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس بات کی تحقیق کروں کہ انکی رائے
بُت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ مینے اُن سے کہا کہ میں ہندوستان کو اب
چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے
انسان کے نزدیک بھی خلاف عقل ہے اور آپ جیسے اچاریوں کے شایاں
نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بیشک مختلف
مورتیں مثلاً برہما۔ مہادیو۔ گنیش۔ اور گوری جی کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے
بڑے دیوتا ہیں۔ اور اِن کی مورتوں اور علاوہ بریں اَور بہت سے دیوتاؤں
کی مورتوں کا جو اِن سے درجہ میں کم ہیں ہم بڑا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ
اِن کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے پھول چاول گھی
زعفران خوشبوئیں اور اَور ایسی ہی چیزیں انپر چڑھاتے ہیں مگر باوجود

اسکے ہمارا یہہ اعتقاد نہیں کہ یہہ مورتیں خود برہما یا بشن ہیں۔ بلکہ یہہ قریب قریب انکی عملی مورتوں یا شبیہوں کے ہیں اور ہم انکا ادب صرف اس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جنکی یہہ مورتیں ہیں۔ اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ مورت کے لیئے۔ ہمارے مندروں میں تو مورتیں اسلیئے رکھی جاتی ہیں کہ دلکو قائم رکھنے کیواسطے جب تک نظر کو کسی خاص چیز پر نہ جمایا جاوے تب تک پوجا عمدہ طور سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن حقیقت میں اعتقاد ہمارا یہی ہے کہ خدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے۔ اور صرف وہی سبکا مالک اور سب سے بڑھکر ہے۔ پنڈتوں نے جو جواب مجھے دیا مینے اسکو کم زیادہ کرکے نہیں لکھا۔ لیکن مجھے شک ہے کہ انہوں نے اس مدعا کو عمداً ایسے قالب میں ڈھالکر بیان کیا تھا کہ جو روسن کیتھلک ✻ فرقہ والوں کے خیالات کے مشابہ ہو جاوے۔ کیونکہ اور برہمنوں کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے

عمر دنیا کی نسبت ان پنڈتوں کا بیان

پھر مینے دنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت پنڈتوں نے ہمارے معتقدات سے بھی بڑھکر اسکی قدامت ظاہر کی۔ یہہ تو

✻ تعجب ہے کہ مصنف نے ہندوؤں کی پرستش کے طریقہ کو تو اعتراض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنی طرز عبادت کی بیہودگی پر جو گرجاؤں میں حضرت مسیح اور حضرت مریم کی شبیہیں اور پطرس حواری کے جوتے کی نقل رکھتے اور انکو مقدس جانکر انکی پرستش اور ہندوؤں کی طرح دھوپ دیپ کرتے اور گھنٹے بجاتے ہیں غور نہ کی اور انجیل مقدس کی اس آیت پر عمل کیا جو لکھا ہے "تو اگر اپنی بھائی کی آنکھ سے تنکا نکالنا چاہی تو اول اپنی آنکھ کا شہتیر نکال" افسوس انسان خواہ کیسا ہی عقلمند اور ذی علم کیوں نہو اسکو اپنے مذہب کے رسوم اور عقائد کی برائی کبھی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اسکی طبیعت ہمیشہ غیروں ہی کی عیب جوئی پر توجہ اور مائل رہتی ہے اور ان کے ہزاروں خوبیاں بھی اسکو برائی اور عیب ہی معلوم ہوتی ہیں ۔ م ح

نہیں کہا کہ دُنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں۔ مگر جو عمر اُنہوں نے تبلائی۔ اُس سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ اُسکو قدیم سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہہ بیان تھا کہ دُنیا کی عمر چار جگوں سے شمار کیجاتی ہے اور اُن کا جُگ ہمارے قرنوں کی طرح سَو برس کا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جُگوں کا شمار کروڑ برس سے کرتے ہیں۔ جو جو عمر اُنہوں نے ہر جگ کی علٰحدہ علٰحدہ طور پر تبلائی وہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں ہے لیکن ایسا یاد پڑتا ہے کہ پہلا جُگ جس کو ست جُگ کہتے ہیں لاکھ برس تک رہا۔ پھر بارہ لاکھ سے زیادہ سال تک ترتیا جگ رہا۔ پھر (اگر میری کچھ غلطی نہو تو) آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک دوآپر جگ رہا۔ اور یہہ میں بھول گیا کہ یہ تھا یعنی کل جگ جواب ہے کتنے لاکھ برس تک رہیگا۔ پنڈتوں نے کہا کہ پہلے تینوں جگ اور بہت سا حصہ چوتھے جگ یعنی کل جگ کا گذر چکا ہے۔ اور جس طرح کہ ان جگوں کے خاتمہ پر دنیا کا کم رہتی رہی ہے چوتھے جگ کے ختم ہونے پر ایسا نہوگا بلکہ دُنیا "مہا پرلے" ہوکر نابود ہو جائیگی۔ اور تمام چیزیں اپنے اپنے مبدا کی طرف عود کر جائیں گی۔! جب میں نے پنڈتوں کو اس بات کے لیے مجبور کیا کہ وہ دُنیا کی عمر مجھے ٹھیک ٹھیک بتلائیں تو اُنہوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا مگر جب میں نے دیکھا کہ وہ بیچارے اس میں بالکل اُلجھے ہوئے ہیں اور صرف لاکھوں کی تعداد کی نسبت اُنکا اختلاف ہے تو میں نے اپنے تئیں اسی عام واقفیت پر مطمئن کر لیا کہ یہہ دُنیا نہایت ہی قدیم اور اسکی عمر کا حساب بڑا ہی تعجب انگیز ہے! جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وجوہات پوچھتا ہے جن سے کہ دُنیا کے بیحد پُرانا ہونے پر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں۔ تو وہ ایک قسم کے بیفائدہ

افسانے سنانے لگتا ہے۔ اور آخر یہ کہدیتا ہے کہ بید میں ایسا ہی لکھا ہے*

دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت ان پنڈتوں کا بیان

پھر میں نے اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اُن سے دریافت کیا مگر اُنکا بیان نہایت منتشر پایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں نیک۔ بد۔ اور نہ نیک نہ بد۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا آگ سے بنے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نور سے۔ اور بہتوں کی یہ رائے ہے کہ وہ بیاپک ہیں (اور لفظ بیاپک کے معنی میں بجز اسکے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا بیاپک ہے ہماری روح بیاپک ہے۔ اور جو چیز بیاپک‡ ہے وہ لازوال ہے) اور زمان و مکان سے مبرا و منزہ ہیں۔ اُس فاضل فقیر اور اُسکے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض پنڈت دیوتاؤں کو اجزاء ذات الٰہی کہتے ہیں۔ اور بعض کی یہ رائے ہے کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

لنگ شریر کا مسئلہ جو شاستروں میں ہے اُسکی نسبت ان پنڈتوں کا بیان

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اُنسے لنگ شریر کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جسکو اُن کے بعض مصنف مانتے ہیں۔ مگر جو واقفیت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل ہوچکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے نباتات اور درختوں اور حیوانات کے بیج نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ابتدائی آفرینش

---

* عیسائیوں بلکہ مسلمانوں کے پاس بھی بجز اسکے کہ توریت مقدس کا حوالہ دیں دنیا کی عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔ م م ح

‡ فارسی خواں ناظرین کو لفظ بیاپک "با ہمہ و بے ہمہ" کے مرادف المعنی سمجھنا چاہئے۔ م م ح

سے انکا وجود چلا آتا ہے - اور وہ ادھر اُدھر بکھرے ہوئے اور دوسرے مادوں میں ملے جُلے پڑے رہتے ہیں اور نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج بالکل ویسے ہی کامل ہیں جیسے کہ خود وہ نبات یا درخت یا حیوان جسکے وہ بیج ہیں - لیکن وہ اپنی اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ اُنکے جُدا جُدا اجزا اُسیوقت صاف طور پر نظر آسکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مناسب جگہہ پر لائے جائیں اور وہاں پرورش کے مادہ کے پہنچنے سے بخوبی نمایاں ہوں اور ترقی پائیں - پس ہر ایک سیب یا ناشپاتی کے درخت کا بیج لنگ شریر یعنی سیب یا ناشپاتی کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری اجزا میں کامل ہے - علی ہذالقیاس ایک گھوڑے یا ہاتھی یا آدمی کا بیج لنگ شریر یعنی ایک چھوٹا گھوڑا یا ہاتھی یا آدمی ہے جسکے واسطے صرف جان اور پرورش کے مادہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ صاف طور پر اپنی صورت مرئیہ عرفیہ کو حاصل کر سکے

وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر

اب میں آپکو ایک اور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا حال سناتا ہوں - تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اس مسئلہ کی بابت ہندوستان میں بڑا شور و غل تھا یہانتک کہ بعض پنڈتوں نے اسکو شاہجہاں کے بیٹوں دارا شکوہ اور سلطان شجاع کے بھی ذہن نشیں کر دیا تھا - آپ اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ اکثر قدیم حکما لائف گوِنگ پرنسپل یعنی وحدت وجود کے مشہور و معروف Life giving Principle مسئلہ کے قائل ہیں اور انکا قول ہے کہ ہم تم جتنی جاندار مخلوقات ہیں سب ایک ہی وجود واحد کے اجزا ہیں - چنانچہ اگر ہم غور سے ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہمپر یہہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ وہ بھی اسی رائے

کی طرف مائل تھے - اور یہی عقیدہ ہندوستان کے قریباً تمام پنڈتوں کا ہی
اور یہہ وہی مسئلہ ہے جسکی نسبت صوفیوں اور اکثر علماء ایران کے باہم لڑائی
جھگڑے رہا کرتے ہیں - اور جسکو گلشن* راز میں جو ایک فارسی نظم کی کتاب ہے
بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے ! فلڈ[۵] کی بھی یہی راے تھی جسکو
ہمارے نامور گیسینڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رد کیا ہے - یہہ

* اس کتاب کے مصنف شیخ نجم الدین محمود ہیں جو تبریز کے قریب چبتر نام ایک گانو کے رہنے والے اور مشاہیر مشایخ صوفیہ سے تھے - یہہ کتاب اُنہوں نے ۷۱۷ھ سات سو سترہ ہجری کے ماہ شوال میں بعض مشایخ خراسان کی فرمایش سے تصنیف کی تھی جیسا کہ خود اُنکے اس شعر سے جو سبب تالیف کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے "گزشتہ ہفت و دہ از ہفت صد سال ز ہجرت ناگہاں در ماہ شوال" یہہ کتاب بڑے رتبہ کی سمجھی جاتی ہے - اور اسلیئے اکثر بزرگوں نے اسکی شرحیں لکھی ہیں - لیکن شرح موسوم بمفاتیح الاعجاز جو ۸۷۷ھ آٹھ سو ستتر ہجری کے خاتمہ میں لکھی گئی تھی اور جسکے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن یحیی لاہیجانی ہیں - جو فقراے سلسلہ نوربخشیہ کے بانی سید محمد نوربخش کے اعظم خلفا میں سے تھے - سب سے عمدہ سمجھی گئی ہے چنانچہ علامہ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے - کہ جب مصنف نے اس شرح کو لکھکر دیکھنے کے لیئے ملا عبد الرحمن جامی کے پاس ہرات میں بھیجا تو اُنہوں نے اپنے جوابی خط کے شروع میں اپنی یہہ رباعی لکھکر بھیجی رباعی اے فقر تو
نوربخش ارباب نیاز + خرم ز بہار خاطرت گلشن راز + یک رہ نظرے بر سر قلیم انداز
شاید کہ برم رہ بحقیقت ز مجاز + س م ح

[۵] Robert Fludd رابرٹ فلڈ قوم کا انگریز تھا اور ۱۵۷۴ء پندرہ سو چوہتر عیسوی میں پیدا ہوا تھا - یہہ اپنے زمانہ میں ایک مشہور طبیب اور ایک ایسے فرقہ حکما کا پیرو تھا جو یہہ خیال رکھتے تھے کہ ہماری روحیں سیدھی اُس مبدا فیاض سے تعلق رکھتی ہیں اور وہاں سے گوناگوں استفاضہ معلومات اور اسرار غیبی کا کرتی رہتی ہیں - اسی شخص کے تخیلات کا بیان جنکا وہ معتقد تھا مختصر طور پر کراہت

ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مہتوس لوگ اکثر اُسکے سبب سے خراب و برباد ہوئے ہیں - ہندو پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طول دیتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ خدا یا اُس اعلیٰ وجود نے جسکو وہ اپنی زبان میں اَبْشِر کہتے ہیں صرف یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دنیا کی ہر ایک مادی اور جسمانی چیز کو بھی اِسیطرح اپنی ذات سی پیدا کیا ہے - اور اس مسئلہ خلق عالم کو وہ اس طرحپر خیال نہیں کرتے کہ علتِ تامّہ کا وجود معاً مستلزم وجود معلولات کا ہوتا ہے - بلکہ اس طرح پر تصوّر کرتے ہیں جیسے مکڑی جب چاہتی ہے اپنے ہی اندر سے جالا تن دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اُسکو سمیٹ لیتی ہے - پس اِن خیال بند فلسفیوں یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدائش صرف اِسکا نام ہے کہ خدا نے اپنی ہی ذات کو پھیلا دیا ہے - یا یہہ کہ ایک مکڑی کا تار ہے جو اُسنے اپنے اندر

بقیہ فٹ نوٹ

مشکل ہے - چنانچہ منجملہ اُن کے اُسکا ایک یہہ عقیدہ تھا کہ وہ اس عالم میں دو طرح کی قوتوں کو مؤثر سمجھتا تھا - ایک قوت انقباضی - دوسری انبساطی اور اِنپر کتنے ہی جنات کو متوکل جانتا تھا - اور اُن کے خاص طور کے اجتماعات کو باعث وجود امراض قرار دیتا تھا - اور اس بات کا بھی معتقد تھا کہ مِکرَاکوزم[1] کو جسکا ترجمہ عالم صغیر یا انسان کیا جا سکتا ہے - مکراکوزم یعنی عالم کبیر یا نیچر[2] سے ایک خاص مشابہت اور مناسبت ہے - اِسکے معتقدات خواہ کیسے ہی فضول اور لایعنی تھے - مگر چونکہ اسنے اُنکو بہت عمدگی سے معقولات کے پیرایہ میں بیان کیا تھا - اسلئے اُس زمانہ کے حکما کو بالضرور اُنکی نسبت متوجہ ہونا پڑا یہانتک کہ اوّل کیپلر[3] نام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسنڈی نے اُسکی تردید میں سن سولہ سو انتیس ۹ میں کتابیں لکھیں فقط (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح

---

(1) Microcosm (2) Nature (3) Kepler

سے نکالدیا ہے۔ اور فنا یہہ ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی میں کھینچ لے۔ چنانچہ قیامت کے دن جسکو وہ پرلے یا مہا پرلی کہتے ہیں۔ اور جسکی نسبت انکا یہہ عقیدہ ہے کہ اُسوقت تمام چیزیں نابود ہو جاوینگی خدا اپنے تمام اُن تاروں کو جو اُسنے اپنے اندر سے نکال کر پھیلا دئیے تھے بالکلیہ اپنے اندر کھینچ لیگا۔ اسلیئے انکی راے ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے یا سُنتے یا سُونگھتے یا چکھتے یا چھُوتے ہیں اِن میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا محض ایک خواب و خیال ہے۔ پس جو طرح طرح کی چیزیں بذریعہ حواس ظاہری محسوس ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں۔ یعنی وہ سب حقیقتاً خدا ہیں جیسے کہ اکائی کے عدد کو بار بار دوہرانے سے دس بیس۔ سو اور ہزار کے اعداد بن جاتے ہیں اور دراصل وہ ایک ہی عدد ہے۔ لیکن اگر تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات الہی کے پھیل جانے اور پھر سمٹ جانیکی کچھ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی وجہ دریافت کرو۔ یا یہہ پوچھو کہ خدا جو غیر جسمانی اور بقول تمہارے بیباک اور غیر متغیر ہی تو پھر کسطرح اسقدر اجسام متعددہ اور ارواح مختلفہ میں تقسیم ہو گیا ہی تو وہ اسکی عجیب مثالیں بیان کرینگے۔ مثلاً یہہ کہ خدا بمنزلہ ایک بڑے سمندر کے ہے جسمیں بہت سے بلبلے تیرتے رہتے ہیں۔ خواہ یہہ بلبلے کہیں چلے جائیں مگر وہ ہمیشہ اُسی سمندر اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ بیٹھ جائیں تو جس پانی سے وہ بنے تھے وہ اُسی سمندر میں مل جائیگا۔ *

* مترجم کہتا ہے کہ اِس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے۔

یا وہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو بیشمار شیشوں پر پڑ رہی ہے۔ پس اگرچہ ہر جگہہ اُس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے مگر جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے اُنکی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہو جاتی ہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں سے ہو کر اُن چیزوں پر پڑتی ہے غرضکہ وہ تمہیں ایسی ایسی ناقابل تشفی تشبیہیں دیکر جنکو خدا سے کچھ بھی نسبت نہیں اور جو صرف جاہلوں کے فریفتہ کرنیکے لایق ہوتی ہیں ٹال دینگے۔ اور تمہارا جواب شافی کی اُمید کرنا بیفایدہ ہے۔ اگر کوئی اُنکو یہہ جواب دے کہ مثلاً جو حباب ایک پانی پر ہیں اگرچہ ویسے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں کئی پانی ایک نہیں ہیں اور اسی طرح تمام دنیا پر آفتاب کی روشنی گو ایک سی ہے لیکن سب جگہہ وہی نہیں ہے۔ اور علی ہذالقیاس تمہارے ان تمام تصورات پر اور بھی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح تشبیہوں اور استعاروں کو لے بیٹھیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

مصنف کے خط کا خاتمہ

اب میں بلحاظ اُس تمام بیوقوفی اور اُس طفلانہ خوف و ہراس کے جسکا میںنے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور بلحاظ اُس متوہمانہ اتقا اور ہمدردی کے خیالات کے جو سورج کو اُس بدطینت اور کالی بلا سے نجات دلانے کی غرض سے سورج کی نسبت ظاہر کیئے جاتے ہیں۔ اور بلحاظ اُس دکھاوے کی پاٹھ پوجا اور اشنان اور پُن دان اور خیراتوں کے جو برہمنوں کو دیجاتی یا دریاؤ

دریا سے حباب کہے ہے سدا تو اور نہیں میں اور نہیں ہمکو سمجھ اپنی سی جُدا تو اور نہیں میں اور نہیں

میں پھینکی جاتی ہیں۔ اور بلحاظ عورتوں کی اُس مجنونانہ جراٗت کے کہ اپنے ایسے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ بھی جل کر مرجاتی ہیں کہ جنسے اُنکی حیات میں وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تھیں۔ اور بلحاظ فقیروں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال واشغال کے۔ اور سب سے اخیر میں بلحاظ بیدوں اور ہندوؤنکی پوتھیوں کی اُس تمام خرافات کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے نکتہ چین اشخاص سفر کے مصائب اور تکالیف اُٹھائے بغیر گھر بیٹھے ہی اپنی تحریروں کے ایسی ایسے سرنامے وغیرہ گھڑنا اور بیان کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر میرا یہہ خط جو میرے ان دور دراز سفروں اور اسقدر تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود مآل ہے اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو میں اسکا عنوان قرار دوں تو کیا میں ایسا کرنے کی نسبت کوئی وجہ نہیں رکھتا؟ اور وہ الفاظ یہہ ہیں کہ "کیسے ہی فضول اور بے معنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں جگہہ پا ہی جاتے ہیں"

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ چیپل صاحب کے نام کا ملفوفہ خط اُن کے حوالہ کر دینگے۔ یہہ چیپل صاحب ہی تھے (Chapelle) جنھوں نے پہلے پہل آپ کے نامور اور دلی دوست گیسنڈی صاحب سے میری ملاقات کرائی تھی جو میرے حق میں بہت ہی مفید ہوئی ہے۔ اُنکی اس عنایت کا میں اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر مجھکو لیجائیگی مجھے محبت کے ساتھ وہ ہر جگہہ یاد رہینگے۔!

میں آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں۔ اور نہ صرف اسوجہ سے کہ آپ میرے حال پر نظر عنایت مبذول فرماتے رہے ہیں عمر بھر آپکا ادب کرتا رہونگا۔ بلکہ اس سبب

* اس سبب سے کہ اس خط میں ہندوستان کے متعلق کوئی امر درج نہ تھا اسکا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ س م ح

سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے فائدہ مند صلاحیں دیتے رہے ہیں جنسے میرے سفر میں مجھے بہت مدد ملی - اور میں اس باعث سے بھی آپکا بڑا احسان مند ہوں کہ آپنے بے غرضانہ اور محض اپنی عنایت سے دُنیا کے اِس بعید حصّہ میں جہاں میرا شوق مجھکو لے آیا ہے میرے لیئے عمدہ عمدہ کتابیں بھیجدی ہیں - حالانکہ جن لوگوں سے مینے کتب مذکورہ کے لیئے درخواست کی تھی - اور جنکو اُن کی قیمت کا روپیہ مقام مارسیلیس Marseilles میں میرے زرِ امانت سے مل سکتا تھا - اور جن پر بلحاظ اہلیت اور انسانیت کے یہہ بات فرض تھی کہ کتب مطلوبہ میرے پاس بھیجدیتے وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھکر ہنسا کیئے گویا کہ اُنہوں نے مجھے ایسا گیا گزرا سمجھ لیا جسکا پھر کبھی مونہہ ہی نہیں دیکھنا -

A letter to Monsieur De La Mothe le Vayer,

مُصنّف کا خط بنام مانسِئیور ڈی لا ماتھی لی وے آر

جسمیں شہر دہلی اور آگرہ اور شہنشاہ مغل کے دربار اور
ہندوستانی لوگوں کے ذہن و ذکا اور رسم و رواج
کا بیان ہے مورخہ یکم جولائی ۱۶۶۳ء بمقام دہلی

صاحب من - میں خوب جانتا ہوں کہ جسوقت میں فرانس کو واپس آؤنگا تو سب سے پہلے آپ مجھ سے یہہ پوچھیں گے کہ بمقابلہ پیرس اُس ملک کے دارالسلطنتہ شہروں آگرہ اور دہلی کی وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا

کیا حال ہے! پس آپ کے شوق کی وجہ سے میں اوّل انہیں امور کا بیان کرتا ہوں - اور اُنکے ضمن میں بعض اَور حالات بھی گزارش کرونگا - جن کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ آپ غالباً اُنکو بھی دلچسپ تصوّر کرینگے -

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے مختلف الوضع ہونے کا سبب

اِن دونوں شہروں کی خوبصورتی کی نسبت کچھ کہنے سے پہلے مجھے یہہ بیان کرنا لازم ہے کہ اہل فرنگ مقیم ہند کو حقارت کے ساتھ یہہ کہتے دیکھکر کہ اِن دونوں اور نیز ہندوستان کے اور شہروں کی عمارتیں فرنگستان کی سی خوش وضع نہیں ہیں مجھے حیرت ہوئی - لیکن وہ اسپر غور نہیں کرتے کہ عمارات کی قطع اور وضع ہر ایک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے! مثلاً جس وضع کی عمارت پیرس اور لندن یا اَمسٹرڈم میں فائدے اور آرام کے اعتبار سے وہاں کے لایق ہے دہلی اور آگرہ میں بالکل ناکارآمد ہے! چنانچہ بفرض امکان اس امر کے کہ یہہ شہر ہندوستان میں آجائیں اور یہاں کے شہر وہاں جارہیں تو اُنکی عمارات کو توڑ پھوڑکر بالکل ایک نئی قطع پر بنانا ضروری ہوگا - بے شبہ فرنگستان کے شہر بہت خوبصورت اور اُس مُلک کی سرد آب ہوا کے موافق ہیں - لیکن دہلی بھی اپنی وضع پر اس گرم مُلک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش وضعی سے خالی نہیں -

ہندوستان کی گرمی اسقدر شدید ہے کہ کوئی اَور تو کیا خود بادشاہ بھی زانووں کی حفاظت کے لیئے پاتابے نہیں پہنتا - اور صرف ہلکے سلیپر کیطرح کی ایک چیز پہنتا ہے جسے پاپوش کہتے ہیں - اور سر کی محافظت کے لیئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی پگڑی ہوتی ہے - اور اَور لباس بھی اسیطرح کا

ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرہانے کے تکیہ پر مشکل سے ہاتھ یا سر رکھا جاتا ہے! اور چھ مہینے سے زیادہ ہر ایک متنفس مکان کے باہر بغیر کسی قسم کے سایہ کے سوتا ہے! عوام کا یہہ حال ہے کہ گلیوں اور کوچوں ہی میں پڑے رہتے ہیں اور بڑے بڑے تاجر اور آسودہ حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چبوترے پر جسکو پہلے سے پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ اب اس حالت میں اگر بالفرض پیرس کے مشہور محلے سینٹ جیکس یا سینٹ ڈینس مع اپنی بند وضع اور بیشمار منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آجائیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اُن میں یہاں کوئی رہ سکیگا۔ بارات کو جبکہ ہوا کے حبس سے گرمی کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے کوئی سو سکیگا؟! فرض کیجے کہ ایک شخص گھوڑے پر پھر پھرا کر گھر میں آیا ہے۔ اور گرمی اور گرد کے مارے اودھموا ہو رہا ہے۔ اور حسب معمول پسینہ میں تر بتر ہے تو کیا ہی لطف ہو اگر اُسکو تنگ و تاریک زینہ سے چڑھکر چوتھی یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر واں ایسے کمرہ میں ٹھہرنا پڑے کہ جہاں مارے گرمی کے دم ہی گھٹ جائے! ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف کے سامان نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے آکر فوراً تھوڑا سا تازہ ٹھنڈا پانی یا نیبو کا شربت پی لینا اور کپڑے اُتار کر اور موہنہ ہاتھ دھوکر سایہ میں پلنگ پر لیٹ جانا اور ایک دو خدمتگاروں کو یہہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پنکھے لیکر جھلنا شروع کریں۔

شہر دہلی کا ذکر

اب میں آپکو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ پھر آپ

خود غور کرسکیں گے کہ یہہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں۔ ! قریب چالیس برس کے گزرے کہ شہنشاہِ حال کے والد شاہجہاں نے اپنی دائمی یادگار کے لیے پُرانی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اُس کا نام اپنے نام پر شاہجہان آباد* یا اختصار کے لیئے "جہان آباد" رکھا۔ اور اسکے دار السلطنت بنانیکے لیئے یہہ وجہ ظاہر کی کہ گرمی کی شدّت کے سبب سے آگرہ بادشاہ کے قیام کے لائق نہیں ہے لیکن اس سبب سے کہ اسکی تعمیر کے لیئے اکثر مصالحہ پُرانی دِلّی کے آس پاس کے کھنڈروں سے بہم پہنچایا گیا تھا پردیسی آدمی پُرانے اور نئے شہر میں تمیز نہیں کرتے اور دونوں کو دہلی ہی کہتے ہیں! لیکن ہندوستان میں اکثر یہہ نیا شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے۔ ! بہر حال آسانی کے لیئے ہمنے بھی اہل یُورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

شہر دہلی ایک ہموار زمین پر جمنا کے کنارے پر جو لوائر کے برابر ایک دریا ہے ہلالی صورت میں آباد ہے۔ اور اُس طرف کے سوا جدھر دریا کے سبب سے (جسپر کشتیوں کا پُل بندھا ہوا ہے) محفوظ ہے۔ حفاظت کے لیئے سب طرف پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے! اور اگر اُن برجوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر پناہ کے کنارے بنے ہوئے ہیں اور اُس کچے پشتے

---

* شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ اسکی آبادی شاہجہاں کے جلوس کے بارہویں سال مطابق سنہ ۱۰۴۸ھ اور سنہ ۱۶۳۸ء میں شروع ہوئی تھی اور خافی خاں نے اپنی کتاب منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ تاریخوں میں سے جو شعرائے اسکی بابت کہی تھیں بادشاہ کو یہہ مادہ پسند آیا (شد شاہجہاں آباد از شاہجہان آباد) جسکو صاحب آثار الصنادید اپنی سند پر میر یحییٰ کاشی کا نکالا ہوا بتاتے ہیں۔ س م ح

سے جو قریب چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے اونچا ہے قطع نظر کیجائے تو یہہ بہت نامکمل ہے - کیونکہ نہ تو اُسکے گرد خندق ہے اور نہ کوئی اَور بچاؤ کا سامان ہے -

یہہ حصار اگرچہ شہر اور قلعہ دونوں پر محیط ہے لیکن اُسکی وسعت اسقدر نہیں کہ جتنی لوگ خیال کرتے ہیں ! کیونکہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اِسکے گرداگرد پھر گیا ہوں - حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی گھنٹہ ایک لیگ فرانسیسی یعنی تین میل سے زیادہ نتھی [51] میں اس تخمینہ میں شہر کے گرد نواح کی آبادیوں کو جو بہت سی ہیں - اور بہت دور تک لاہوری دروازہ کی جانب بستی چلی گئی ہیں اِسمیں شامل نہیں کرتا - اور نہ پُرانی دلّی [52] کے آثار بیشمار

---

[51] صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۱۲ جلوسی مطابق ۱۰۴۹ھ موافق ۱۶۳۹ء شاہجہاں کے حکم کے بموجب مٹی اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوکر یہہ فصیل تیار ہوئی - مگر دوسرے برس برسات میں اکثر جگہہ سے گر پڑی اسواسطے ازسرنو چونہ اور پتھر سے بننے کا حکم ہوا - اور سات برس کے عرصہ میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہوکر تیار ہوگئی - طول اسکا چھ ہزار چھ سو چونسٹھ گز کا ہے - اور چار گز کی چوڑی اور نو گز کی اونچی ہے - اور اسمیں ستائیس برج دس دس گز کے قطر سے ہیں ۱۸۰۳ء میں جب سرکار عالیہ انگریزی کا تسلط ہوا تو یہہ اکثر جگہہ سے ٹوٹ رہی تھی جسکو بہت خوبی سے درست کرایا گیا - اور اجمیری دروازہ کے باہر جو غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نظام الملک آصف جاہ کا مقبرہ تھا جو مدرسہ کرکے مشہور ہے اسکو بھی اندر لے لیا گیا - اور قریب ۱۸۱۱ عیسوی کے اُسکے گرد بھی شہر پناہ بنائی گئی - س م ح

[52] صاحب آثار الصنادید کی تحقیق کے موافق پہلے اس شہر کا نام اندرپت تھا - وہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہہ نام بدل کر کب سے دلّی ہوگیا - مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ "یہہ بات مشہور ہے کہ راجہ دلیپ نے جو چندر بنسیوں میں کا ایک راجہ ہے

بقیہ کو اور نہ اُن تین چار چھوٹی چھوٹی بستیوں کو جو شہر کے نواح میں ہیں۔ کیونکہ انکو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اسقدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر بیچوں بیچ ایک سیدھا خط کھینچا جائے تو ساڑھے چار میل سے زیادہ ہو اور اگرچہ باغات وغیرہ کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ شہر کا کل دور کسقدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے۔

بقیہ حاشیہ: اپنے نام پر دلی آباد کی" لیکن یہہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اسواسطے کہ ہندوؤں کی اگلی پوتھیوں میں باوجودیکہ راجہ دلیپ کا ذکر ہے مگر کہیں دلی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جہاں لکھا ہے اندرپت ہی کر کے لکھا ہے۔ اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "سنہ ۳۰۷ ہجری مطابق سنہ ۹۱۹ء میں تونوردوں کے خاندان میں سے ایک راجہ نے شہر اندرپت کے برابر دہلی شہر بسایا" اور اسی مصنف نے کتاب نزہتہ القلوب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں دہلی نرم زمین کو کہتے ہیں جہاں میخ نہ تھم سکے اس سبب سے وہ بستی دہلی کر کے مشہور ہو گئی۔ مگر اس سنہ میں تونوروں کے خاندان میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دہلی نام پڑ جانا قرین قیاس ہے۔ اس واسطے یہہ بات بھی قابل اعتماد نہیں۔ اور مشہور بات جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے یہہ ہے کہ بقول صاحب مرآت آفتاب نما راجہ ڈہلو قنوج کے راجہ نے اس سبب سے کہ دلی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع رہے ہیں۔ اندرپت میں اپنے نام پر شہر بسایا اور جب سے اس کا نام دہلی مشہور ہوا۔ بلکہ اصلی نام دہلی کا ڈہلو ہے۔ جیساکہ موافق روایت صاحب جواہر الحروف امیر خسرو نے جلال الدین فیروزشاہ کو خطاب کر کے ڈہلو کا لفظ اپنے اس شعر میں باندھا ہے ؎ یا یک سہم تخشش یا زاغ ربقزیا بار گی + یا بقربان وہ کہ گردون شبنم در ڈہلو روم + راجہ ڈہلو راجہ پورس یعنی راجہ فور والی کمایوں کا ہمعصر تھا اور اُسی کی لڑائی میں مارا گیا۔ اور قنوج تک راجہ فور کا عمل ہو گیا۔ اور اسکے بعد سکندر اعظم نے راجہ فور پر ستلج کے کنارے فتح پائی۔ اور گنگا کے کنارے یعنی قنوج تک عمل کر لیا۔ یہہ واقعہ سنہ ۳۲۶ قبل ولادت مسیح علیہ السلام میں ہوا کہ تخمیناً یہی زمانہ دہلی شہر بسنے کا معلوم ہوتا ہے۔ س م ح

* قلعہ جسمیں شاہی محلسرا اور اور بادشاہی مکانات ہیں اور جنکا ذکر میں آیندہ کرونگا قریباً نصف دائرہ کی شکل کا ہے۔ اور سامنے دریائے جمنا بہتا ہے۔ اور قلعہ کی دیوار اور پانی کے مابین ایک ریتلا وسیع میدان ہے جسمیں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھائی جاتی ہے۔ اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کیجاتی ہیں جنکو بادشاہ محل کے جھروکوں میں سے دیکھا کرتا ہے۔

---

* شاہجہاں نے اپنے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۰۴۸ہجری ۱۶۳۸ء میں شاہجہان آباد کی آبادی کا حکم دیا۔ اور بارہویں ذی الحجہ کو قلعہ بننا شروع ہوا۔ اُستاد حامد اور اُستاد احمد معمار جو اپنے فن میں یکتا تھے اسکی تعمیر کے لیئے مقرر ہوئے! پہلے عزت خاں کو اس کا اہتمام ملا۔ اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کُھدیں اور کچھ مصالحہ جمع ہوا۔ اور کہیں کہیں سے بُنیاد اونچی بھی ہو آئی! پھر الہ وردی خاں کو یہہ کام سپرد ہوا اور دو برس ایک مہینے گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار بارہ بارہ گز اونچی ہوگئی! پھر مکرمت خاں کا ذمہ ہوا۔ اور بیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہوگیا اور چوبیسویں ربیع الاول ۱۰۵۸ہجری مطابق ۱۶۴۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اسمیں پہلا جلوس کیا! یہہ ہشت پہل بنا ہے۔ اور اسکا طول ایکہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جسکی کُل زمین چھ لاکھ گز ہوئی۔ اور اس حساب سے یہہ اکبرآباد کے قلعہ سے دوگنا ہے۔ اسکی فصیل پچیس ۲۵ گز اونچی ہے۔ اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے۔! دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ ۱۵ گز اور اوپر سے دس گز کا ہے۔ اسکی خندق چوبیس ۲۴ گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے۔ جسکا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے۔ اس قلعہ کی تعمیر میں پچاس ۵۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اور کتاب مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ صرف میں آیا تھا۔ یعنی پچاس ۵۰ لاکھ قلعہ کے بننے میں اور پچاس ۵۰ لاکھ اُسکے اندر کے مکانوں کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا۔

(از آثار الصنادید) (س م ح)

قلعہ کی دیوار اپنی پُرانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پناہ کے مشابہ ہے۔ لیکن چونکہ یہہ کچھ اینٹ کی اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے مشابہ ہے۔ اس سبب سے شہر پناہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہے۔ اور شہر پناہ سے اونچان اور مضبوطی اور چکلان میں بھی زیادہ ہے اور شہر کے رخ چھوٹی چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور دریا کی جانب کے سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عمیق خندق بنی ہوئی ہے۔ جسکی روکار کے پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں۔ اور جو پانی سے بھری رہتی ہے جسمیں کثرت سے مچھلیاں ہیں۔ ! یہہ عمارت اگرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے۔ لیکن اصل میں یہ کچھ مستحکم نہیں ہے۔ اور میری دانست میں ایک متوسط طاقت کا توپخانہ اسکو فوراً زمین کے برابر کر دیسکتا ہے۔ ! اس خندق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ ہرا بھرا رہتا۔ اور قلعہ کی عظیم الشان اور سُرخ رنگ کی فصیل کے سامنے ہونے کی وجہ سے بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اور اس باغ کے متصل ایک بادشاہی چوک ہے جسکے ایک طرف تو قلعہ کا دروازہ ہے۔ اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آنکر ختم ہوئے ہیں ! جو ملازم راجہ حسب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں اُن کے خیمے اس چوکور میدان میں لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں اور اسلیئے قلعہ کے اندر کا پہرہ امرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے ! اور اس جگہہ صبح کے وقت بادشاہی گھوڑے جو اسکے قریب ہی ایک بڑے اصطبل

میں رہتے ہیں پھرائے جاتے ہیں! اور یہیں سواروں کی فوج کا میر بخشی نو ملازم سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھالتا ہے۔ اور اگر وہ ترکی نسل کے اور اچھے مضبوط اور پیمانہ کے پورے ہوں تو اُن کی ران پر بادشاہی اور اس امیر کا داغ دلوا دیتا ہے جسکی فوج میں وہ بھرتی ہوں۔ اور اس سے یہہ فائدہ ہے کہ اُنہیں گھوڑوں کو دوسرے نو ملازم سوار مستعار لیکر موجودات کیوقت پیش نہیں کر سکتے۔ اسی جگہہ انواع و اقسام کی بیشمار چیزوں کی خرید فروخت کے لیئے گزری لگتی ہے۔ جو پیرس کے پونٹ نی آف* کی طرح ہر قسم کے کٹّالوں اور بھان متیوں اور ہندو اور مسلمان نجومیوں اور رمّالوں کا مرجع ہے اور یہہ فاضل نجومی دُھوپ میں ایک میلا سا قالین کا ٹکڑہ بچھائے بیٹھے رہتے ہیں جنکے پاس علم ریاضی کے کچھ پُرانے آلات ہوتے ہیں۔ اور سامنے ایک بڑی سی کتاب کھلی رہتی ہے۔ جسمیں بارہ برجوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اس طور سے یہہ راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں! اور عوام الناس غیبداں سمجھکر اُن سے رجوع کرتے ہیں۔! اور یہہ ایک پیسہ لیکر بیچارے حمقا کو بتاتے ہیں کہ انکی قسمت میں آیندہ کیا ہونا ہے۔ اور اُن کے ہاتھ اور چہرہ کو خوب دیکھ بھال کر اور کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ گویا واقعی کچھ حساب لگا رہے ہیں! اور یہہ لوگ جس کام کی بابت اُن سے سوال کرتے ہیں اُسکے لیئے وقت اور "ساعت" یعنی مہورت بتاتے ہیں اور نادان عورتیں سر سے پانوتک ایک سفید چادر اوڑھکر اُن کے پاس جمع

* ایک بڑے پُل کا نام ہے جو شہر پیرس میں ندی پر بنا ہوا ہے۔ س م ح

ہوتی ہیں - اور اپنی تمام عمر کے اُمورات کی نسبت اُن سے پوچھ گچھ کرتی اور اپنے تمام دلی بھید اُن سے کہہ دیتی ہیں - جس طرح فرانس میں ایک دسواسن عورت اپنے پادری کے پاس جاکر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گناہ ظاہر کر دیتی ہے - ! اور یہہ بیوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا بدل دینا اِن لوگوں کے اختیار میں ہے ! اِن نجومیوں میں سب سے زیادہ ہنسی کے لایق ایک دوغلہ پرتگیز تھا - جو گوآ سے بھاگ آیا تھا - ! یہہ مسخرہ بھی اپنا قالین بچھائے بڑی تمکنت سے بیٹھا رہتا تھا - اور اسکے پاس بھی بہت سے سائل آتے تھے - حالانکہ وہ کچھ لکھ پڑھ بھی نہ سکتا تھا - اور اُسکے پاس آلات نجوم کی عوض صرف ایک پرانا جہازی قطب نما تھا - اور کتابوں کی جگہہ رومن کیتھلک فرقہ کی نماز کی پرتگیزی زبان میں دو پرانی یا تصویر کتابیں تھیں جنکی تصویروں کو کہتا تھا کہ فرنگستان میں برجوں کی صورتیں اسی طرح کی بناتے ہیں ! ایک دن فرقہ جیسوئیٹ کے پیشوا فادر بوزی صاحب نے اُسکو اس کام میں مشغول دیکھکر پوچھا کہ تو یہہ کیا کرتا ہے تو اُسنے شرمندہ ہونیکی جگہہ یہہ جواب دیا کہ "ایسے بیوقوفوں کا نجومی ایسا ہی چاہیئے" یہہ ذکر میں اُن غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں - لیکن وہ منجم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ اُنکو بڑا علامہ سمجھتے ہیں اور اسی طرح پر یہہ دولتمند ہو جاتے ہیں ! تمام ایشیا میں یہہ بے اصل وہم پھیلا ہوا ہے - اور خود بادشاہ اور بڑے بڑے امیر اِن فریبی غیب گویوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتے ہیں - اور بغیر اِنکی صلاح کے کوئی ادنےٰ کام بھی

شروع نہیں کرتے یہہ نجومی گویا آسمان میں لکھی ہوئی باتیں جانتے اور ہر ایک کام کے کرنیکے لیئے مبارک گھڑی تجویز کرتے اور ہر ایک شبہ کو قرآن سے فال نکال کر حل کرتے ہیں۔

وہ دو بڑے بازار جنکا ابھی ذکر ہوا اور جو اس چوک و میدان میں آکر ملتے ہیں اُن کا عرض قریب پچیس یا تیس قدم کے ہوگا۔ اور جہاں تک کہ نظر پہنچتی ہے وہ سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اور اِن میں سے جو بازار لاہوری دروازہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ بلحاظ وضع عمارت یہہ دونوں بازار ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ پیرس کا بازار معروف بلیس رائل ہے اُسی طرح اُن کے بھی دونوں جانب کی دکانیں محراب دار ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ایک تو انکی عمارت خشتی ہے دوسرے یہہ کہ یہہ ایک منزلی ہیں۔ اور انکی چھتیں بطور ایک مسطح چبوترے کے کام دیتی ہیں۔ اور یہہ بھی تفاوت ہے کہ پلیس رائل کی دوکانوں کے برانڈے اِس قطع کے ہیں کہ اُنمیں داخل ہوکر انسان بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا ہے اور انکی دوکانوں کے برانڈے علحدہ علحدہ ہیں جنکے بیچ میں دیواریں حائل ہیں جنمیں بیٹھکر دن کے وقت اہل حرفہ اور صراف اپنا اپنا کام کرتے اور بیوپاری اپنا مال خریداروں کو دکھاتے ہیں۔ اِن محرابی برانڈوں کے پیچھے اسباب رکھنے کے لیئے کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ جنمیں رات کیوقت سب اسباب رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اوپر بیوپاریوں کے رہنے کے لیئے بالاخانے بنے ہوئے ہیں جو بازار کی طرف سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ اور ہوادار اور آرام کے قابل اور گرد و غبار سے محفوظ ہیں۔

اور ان کے آگے برانڈے کی چھت جو صحن کے طور پر ہے جو لوگ ان میں رہتے ہیں وہ رات کو اسپر سوتے ہیں۔ مگر ایسے بالاخانے سب دوکانوں پر نہیں ہیں۔ اور اگرچہ شہر کی بعض بعض اور اطراف میں بھی اسی طرح کسی کسی دوکان پر اچھے بالاخانے بنے ہوئے ہیں۔ مگر ان اطراف میں کوٹھریوں کے اوپر جو بالاخانے ہیں۔ اکثر ایسے پست بنے ہوئے ہیں کہ بازار میں سے بخوبی دکھائی نہیں دیتے۔ مگر متموّل بیوپاری دوکانوں پر نہیں سوتے۔ بلکہ کام کاج کے بعد اپنے اپنے مکانوں کو جو شہر میں ہیں چلے جاتے ہیں۔!

اِن کے سوا پانچ بازار اَور ہیں۔ اور اگرچہ اُنکی قطع اور وضع بھی اُنہیں کے قریب قریب ہے۔ لیکن ایسے لمبے اور سیدھے نہیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ گلیوں اور کوچوں میں جو بیشمار بازار ہیں اور جو ایک دوسرے کو تقاطع کرتے ہیں اُن میں سے اگرچہ اکثر کے سامنے کی عمارت محرابی طور کی ہے۔ مگر چونکہ وہ ایسے لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں جنکو عمارت کے تناسب کا کچھ خیال نتھا۔ اسلئے اِن میں بہت کم ایسے خوش قطع اور سیدھے اور عریض ہیں جیسے کہ وہ بازار ہیں جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔

شہر کے گلی کوچوں میں جو منصب داروں اور حکامِ عدالت اور دولتمند تاجروں اور اَور لوگوں کے مکانات ہیں۔ اُن میں بھی بہت سی اچھّے خاصے خوبصورت ہیں۔ مگر اینٹ یا پتھر کے بنے ہوئے مکان بہت تھوڑے اور کچّے اور خس پوش زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اسکے عموماً ہوادار اور خوشنما ہیں۔ اور اکثروں میں چوک اور باغیچے ہیں۔ اور بہت آرام کے اور

ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے لمبے اور مضبوط بانس کے چھپروں سے چھائے ہوئے اور کہگل اور سفیدی کئے ہوئے ہیں۔ اور یہہ بیشمار خس پوش اور چھوٹے چھوٹے مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں اِن میں معمولی فوجی سوار اور اَن گنت نفر خدمتگار اور نان بائی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے ساتھ جایا کرتے ہیں رہتے ہیں۔ اور اِن کے سبب سے شہر میں اکثر آگ لگ جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے سبب سے جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے۔ قریباً ساٹھ ہزار چھپروں پر پانی پھر گیا۔ اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں بھی جل بھن گئیں کیونکہ یہہ بیچاریاں ایسی شرماؤ اور اپاہج ہوتی ہیں۔ کہ نامحرم لوگوں سے مونہہ چھپانے کے سوا اِن سے کچھ بن ہی نہیں آتا۔ چنانچہ جو عورتیں اِس صدمہ سے ہلاک ہوئیں وہ اتنی ہمت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں! اِن کچے اور خس پوش مکانوں کے باعث سے میں ہمیشہ یہہ خیال کیا کرتا ہوں کہ سوائے اتنے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اسمیں زیادہ ہیں۔ دہلی گویا چند دیہات کا مجموعہ یا فوج کی چھاونی ہے۔

اُمرا کے مکانات اگرچہ اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں لیکن اَور مقامات میں بھی ہیں اور اِس گرم مُلک میں اُسی مکان کو عمدہ سمجھتے ہیں جسمیں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاصکر شمال کے جانب کی ہوا آتی ہو۔ چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جنمیں ایک اچھا صحن اور باغچہ

اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوں۔ اور خوبصورت تہ خانے ہوں جنہیں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں دوپہر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس نہیں لیا جا سکتا بہت آرام کی جگہہ ہوتی ہیں۔ مگر تہ خانوں کی بہ نسبت اکثر لوگ خسخانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبودار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے اندر اس غرض سے حوض کے قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمتگار لوگ چمڑے کی ڈولچیوں سے انکو باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ چھڑک سکیں اور اس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ جسکے چاروں طرف قد آدم اونچے دالان ہوں جنمیں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو۔ اور ایک بڑے چمن کے اندر* بنا ہوا ہو۔ اور فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جسمیں گھر والوں کے سونیکے لیئے صحن چبوترہ نہ ہو جہاں سے بارش یا آندھی کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے پلنگ کو سرکا کر اندر لیا جاتا ہے۔ یہہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرائت کرجاتی ہے۔ جس سے اکثر ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔

اچھے گھروں میں نشست کا یہہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا ایک بھاری اور قریب چار انگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جسپر گرمی کے

---

* غالباً بارہ دری مراد ہے۔ س۔ م۔ ح

دنوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاڑوں میں ریشمین قالین بچھاتے ہیں - اور دالان کے صدر میں ایک یا دو گدیلے بچھے رہتے ہیں - جنپر ریشم کے ہلکے کام کی سوزنی جسپر سنہری اور روپہلی زری کی دھاریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں پڑی رہتی ہے - اور صاحب خانہ اور معزز اور ممتاز لوگ جو ملاقات کو آتے ہیں اُسپر بیٹھتے ہیں - اور ہر ایک گدیلے پر کمخاب کا ایک گاؤتکیہ بھی لگا رہتا ہے اور اِسکے علاوہ اہل مجلس کے آرام کے لیئے دالان کے گرداگرد کمخاب اور مخمل اور پھولدار ریشمین کپڑے کے غلافوں کے چند اَور تکیئے بھی لگے رہتے ہیں - اور دالان کے چاروں طرف جو زمین سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معقول اور با قرینہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں - اُن میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے جاتے ہیں - اور دالان کی چھت منقش اور مُلمّع کاری کی ہوتی ہے - مگر انسان یا کسی اَور جاندار شے کی تصویر اُسپر نہیں ہوتی - کیونکہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے -

یہہ ہندوستان کے ایک عمدہ مکان کا قریباً صحیح بیان ہے - اور دہلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں - اور میں خیال کرتا ہوں کہ بغیر فرنگستان کے مکانوں کی ہجو کے بلا اندیشہ یہہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں - مگر تاہم خوبصورتی سے خالی نہیں - مگر جو چیز کہ فرنگستان کے شہروں کی زیب و زینت کا باعث ہے وہ خوشنما اور شاندار دُکانیں ہیں جو دہلی میں

نہیں ہیں اور اگرچہ یہہ شہر ایک عالیشان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا مقام ہے - جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی بیش قیمت اشیا کا جمع ہو جانا ایک ضروری امر ہے - تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سینٹ ڈینس ہے جسکا مقابل اور ہمسر غالباً تمام ایشیا میں نہ ہوگا -

یہاں بیش قیمت مال اکثر مال خانوں میں دھرا رہتا ہے - اور فرنگستان کی طرح دُکانیں بھڑک دار اور بیش قیمت اسباب سے شاذ و نادر ہی آراستہ نظر آتی ہیں اور اگر ایک دُکان میں پشمینہ کمخاب اور زری کار مندیلیں اور ریشمین کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی پچیس دکانوں میں گھی تیل دال چاول گیہوں جو وغیرہ بیشمار قسم کے اناج جو نہ صرف ہندوؤں کی معمولی غذا ہے جو کبھی گوشت نہیں کھاتے بلکہ غریب مسلمان اور بہت سے سپاہی بھی یہی کھاتے ہیں ٹوکروں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں البتہ ایک بازار ایسا ہے جسمیں میوہ کھلا رکھا رہتا ہے - اور اُسمیں بہت سی دُکانیں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران بلخ بخارا اور سمرقند کے خشک میوؤں بادام پستہ فندق کشمش بیر اور زرد آلو اور جاڑوں میں سیاہ اور سفید نہایت عمدہ تازے انگوروں سے جو روئی کی تہہ میں لگائے ہوئے ان ملکوں سے آتے ہیں اور ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سردوں سے جو جاڑے بھر بکتے رہتے ہیں بھری رہتی ہیں مگر یہہ میوے بہت مہنگے بکتے ہیں چنانچہ ایک سردہ پونے چار روپیہ کو آتا ہے - لیکن باایں ہمہ اہل دلی کو سب میووں سے زیادہ مرغوب اور پسند ہے ! امرا کے ہاں میوہ کثرت سے خریدا جاتا ہے - چنانچہ

مجھے یاد ہے کہ میرے " آغا " کے ہاں اکثر صبح کے کھانے کے موقع پر کوئی پچاس روپیہ کا میوہ صرف میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں دیسی خربوزہ بہت سستا ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ لذیذ نہیں ہوتا۔ اور بجز اسکے کہ ایران سے بیج منگوا کر ایک اچھی اور کمائی ہوئی زمین میں بویا جائے جیسا کہ اُمرا اکثر کرتے ہیں عمدہ میسر نہیں آتا۔ مگر پھر بھی اچھّا اور عمدہ خربوزہ کمیاب ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین موافق نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہہ تخم بھی بگڑ جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو مہینے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے ملتے ہیں۔ لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ تو کچھ اچھا ہی ہے اور نہ کچھ بُرا۔ اور سب سے عمدہ آم بنگالہ گول کنڈا اور گوآ سے آتا ہے۔ جو فی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اُسکی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تربوز سال بھر رہتا ہے۔ لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ نرم اور بےمزہ ہے۔ اور رنگت بھی اچھّی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی اُمرا کے ہاں اچھا کھانے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیج منگوا کر بڑی احتیاط او رخرچ سے بُواتے ہیں۔!

شہر میں حلوائیوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ لیکن مٹھائی اچھّی نہیں بنتی اور گرد اور مکھیوں سے بھری رہتی ہے۔! نان بائی بھی بہتیرا ہیں مگر اُن کے تنور ہمارے ہاں کے تنوروں سے مختلف وضع کے ہیں اور بہت بُرے ہیں۔ اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب سِکی

ہوئی البتہ جو روٹی قلعہ میں بکتی ہے وہ کسیقدر اچھی ہوتی ہے اور امرا تو
اپنے گھر پر ہی تیار کرا لیتے ہیں - اور اسوجہ سے نہایت عمدہ ہوتی ہے
اور اسمیں دودھ مکھن اور انڈا خوب ڈالا جاتا ہے - اور اگرچہ خوب پھول جاتی
ہے - مگر مزا جلی ہوئی کا سا ہوتا ہے - اور زیادہ تر کیک جیسی ہوتی ہے
اور پیرس کی " گاتس " اور اور روٹیوں کو ہرگز نہیں پہنچتی - اگرچہ بازار میں
کئی قسم کے کباب اور قلیہ وغیرہ بکتا ہے - لیکن اسکا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور
کا گوشت ہے - کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے یا قریب المرگ
بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے - غرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار نہ ہوا ہو عین صحت
نہیں ہے - ! دہلی کے ہر گلی کوچے میں گوشت بکتا ہے - لیکن بکری کے
گوشت کی جگہ یہ دھوکے سے بھیڑ کا گوشت بھی دیدیتے ہیں - پس اس فریب
سے بچنے کے لیئے ہوشیار رہنا چاہیئے - کیونکہ بیل کا گوشت اور خاص کر
بھیڑ کا اگرچہ مزہ میں برا نہیں ہوتا - لیکن گرم ذرا زیادہ ہوتا ہے - اور نفاخ
اور دیر ہضم بھی ہے - ! حلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے - مگر چونکہ
بازار میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے - اسلیئے زندہ جانور خریدنا پڑتا ہے - لیکن
اسمیں یہہ بڑی دقت ہی کہ اس ملک میں صبح کا گوشت شام تک نہیں ٹھہرتا -
دوسرے یہہ کہ جانور دبلے ملتے ہیں - اور اسوجہ سے گوشت بیمزہ ہوتا ہی
- اور قصائیوں کی دکانوں میں دبلی بکریوں کا گوشت ملتا ہے جو اکثر سخت ہوتا
ہے - مگر خاص مجھکو اس امر کی شکایت نا زیبا ہے - کیونکہ جب سے کہ میں ان
لوگوں کے رویّہ سے واقف ہوگیا ہوں ایسا کم اتفاق ہوا ہے کہ مجھکو روٹی

یا گوشت اچھا نہ لاہو - چنانچہ میں خاص بادشاہی باورچیخانہ کے داروغہ کے پاس قلعہ میں اپنا نوکر بھجدیتا ہوں اور وہ خوشی سے عمدہ کھانا دیدیتے ہیں - جسپر اُنکی لاگت اگرچہ کم لگی ہوتی ہے - مگر میں برضامندی ایک اچھی قیمت دیدیتا ہوں - چنانچہ میرا "آغا" مجھسے یہہ سنکر بہت ہنسا کہ میں برسوں سے چوری اور چالاکی سے اپنا گزارہ کرتا ہوں - ورنہ پونے چار سو روپیہ میں جو مجھے آپکی سرکار سے ملتے ہیں فاقوں کے مارے مرجاتا حالانکہ فرانس میں صرف آٹھ آنہ روز میں ایک بادشاہ کا سا کھانا کھا سکتا ہوں -

خصّی مرغ دہلی میں بالکل نہیں دکھائی دیتا - کیونکہ اِس ملک کے لوگ جانوروں پر عموماً رحم کرتے ہیں - اگرچہ انسانوں پر رحم نہیں کرتے - جنکو محلسرا کے کام کے لئے خوجہ بناتے ہیں - لیکن پرند جانور کثرت سے بازار میں بکتے ہیں اور اچھّے اور سستے بھی ہیں - چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جسکا چمڑہ سیاہ ہوتا ہے - اور جسکا نام مینے "حبشی" رکھا ہے وہ بھی بکتی ہے - کبوتر بھی ملتے ہیں مگر بچّے نہیں ملتے - کیونکہ ہندوستان کے لوگ بچّوں کا مارڈالنا بیرحمی کا کام سمجھتے ہیں ! تیتر بھی ملتے ہیں - مگر ہمارے ملک کے تیتر سے چھوٹے ہوتے ہیں - اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑکر دور سے زندہ لاتے ہیں ایسے اچھّے نہیں ہوتے جیسے کہ اَور پرند ہوتے ہیں یہی کیفیت مُرغابیوں اور خرگوشوں کی ہے جو زندہ پکڑے جاکر پنجرے کے پنجرے بھرے ہوئے شہر میں آتے ہیں ! دہلی کی نواح کے ماہی گیر اپنے پیشہ میں ہوشیار نہیں ہیں - لیکن بعض اوقات اچھّی مچھلی بھی بکتی ہے - خصوصاً "سنگھاڑا" اور "روہو" جو اپنے انکی

پائک اور کارپ کی شکل کی ہوتی ہیں مگر جاڑوں میں ماہی گیر مچھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس مُلک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی مچھلی آجاتی ہے تو خواجہ سرا اُسکو فوراً خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بالتخصیص اسکے شائق ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ مگر اُمرا کوڑے کے زور سے جو ہمیشہ اُن کے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے انکو ہر ایک موسم میں مچھلی پکڑنیکو بھیجتے ہیں۔!

اب میرا یہہ بیان سُنکر آپ غور فرما سکتے ہیں۔ کہ کیا کوئی خوش خور شخص پیرس کو چھوڑ کر دہلی کی سیر کو خوشی سے آئیگا۔؟ بیشک امیروں اور دولتمند لوگوں کو ہر ایک شے میسر ہے لیکن یہہ صرف اُن کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور روپیہ کے باعث سے ہے۔! دہلی میں متوسط الحال شخص کوئی نہیں ہے اور یا تو بڑے بڑے عالی رتبہ لوگ ہیں یا ایسے ہیں جنکی زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ میری تنخواہ بھی معقول ہے۔ اور میں خرچ بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسب دلخواہ کھانا نہیں ملتا۔ وجہ یہہ کہ بازار میں اچھی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں۔ جنکو اُمرا نے ناپسند کر کے چھوڑ دیا ہو! شراب جو فرنگستان میں کھانیکا بڑا جزو سمجھی جاتی ہے دہلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ دیسی انگور کی بن سکتی ہے لیکن شرع اسلام اور شاستر کی رو سے برابر ممنوع ہے۔ چنانچہ احمد آباد اور گولکنڈہ میں بعض ڈچ اور انگریزوں کے گھروں میں میں نے پی ہے جو بدمزہ نہ تھی اور

سلطنت مغلیہ میں اگر کبھی عمدہ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا جزائر کناری* کی ہوتی ہے - چنانچہ شراب شیرازی تو ایران سے خشکی کی راہ سے بندر عباس میں پہنچکر بذریعہ جہاز سورت میں آتی ہے - جہاں سے چھیالیس[۴۶] دن کے عرصہ میں دہلی میں پہنچ جاتی ہے - اور جزائر کناری سے ڈچ لوگ سورت میں لاتے ہیں - لیکن یہہ دونوں قسم کی شرابیں اسقدر گران قیمت ہیں کہ بقول اس ملک کے لوگوں کے اُن کی قیمت اِن کے مزہ کو بے لطف کر دیتی ہے - چنانچہ ایک بڑا شیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے - پندرہ[۱۵] یا سولہ[۱۶] روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں آتا - اور جو شراب خاص اس ملک میں بنتی ہے اور جسکو یہاں "عرق" کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے - جو گڑ سے بھبکے میں کھینچکر

---

* یہہ چھوٹے بڑے سات جزیرے ہیں جو شمالی حصہ بحر اٹلانٹک میں واقع ہیں - اِن کا عرض شمالی ستائیس[۲۷] سے لیکر چالیس[۴۰] اور اُنتیس[۲۹] سے لیکر تیس[۳۰] تک اور طول غربی نصف النہار لندن سے تیرہ[۱۳] سے تیس[۳۰] اور اٹھارہ[۱۸] سے لیکر بیس[۲۰] تک ہی - اِن کا رقبہ بحساب انگریزی میل مربع اور آبادی موافق شمار ۱۸۲۵ء حسب ذیل ہے -

			آبادی	رقبہ
(۱)	جزیرہ ٹےناریف	Teneriffe	پچاسی ہزار (۸۵۰۰۰)	۸۷۷،۷
(۲)	؍ کناری کلاں	Grand Canary	اڑسٹھ ہزار (۶۸۰۰۰)	۷۵۸،۳
(۳)	؍ پالاما	Palama	تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰)	۷۱۸،۵
(۴)	؍ لین زےروٹ	Lanzarote	سترہ ہزار چارسو (۱۷۴۰۰)	۳۲۳،۵
(۵)	؍ فیورٹی وین ٹورا	Fuerteventura	تیرہ ہزار آٹھ سو (۱۳۸۰۰)	۳۲۶،۱
(۶)	؍ گومےرا	Gomera	گیارہ ہزار سات سو (۱۱۷۰۰)	۱۶۹،۷
(۷)	؍ ہائی رو	Hierro	چار ہزار چارسو (۴۴۰۰)	۸۲،۲

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے سب سے زیادہ قریب ہی - اور فاصلہ صرف پچاس[۵۰] اور ساٹھ[۶۰] میل کے اندر ہی - اِن کے سوا اَور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں - جو اکثر غیر آباد ہیں !

بناتے ہیں مگر اسکے بکنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر یہہ عرق ویسا ہی تند و تیز ہے جیساکہ پولینڈ کے ملک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اسکا تھوڑا سا بھی زیادہ استعمال کیا جاوے تو لا علاج اعصابی امراض اُس سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس عقلمند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھیگا یا نہایت عمدہ نیبو کے شربت کی۔ جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آجاتا ہے۔ اور کچھ ضرر نہیں کرتا۔ اصل یہہ ہے کہ اِس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینہ کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ اور امراض گردہ اور زکام نزلہ اور چھوٹے چھوٹے تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو

رومیوں کو پہلے پہل شہنشاہ اگسٹس کے زمانہ میں ان کی خبر ہوئی۔ پلوٹارک اور بطلیموس نے بھی اپنے جغرافیوں میں چند سرسبز جزیروں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ایسا ناکمل ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر سے ڈی راس کا ذکر ہے یا کناری کا۔ یہہ سب کے سب بالفعل شاہ سپین کے قبضہ میں ہیں۔ اور لوگوں کی بلند قامتی کے لئے مشہور ہیں۔ آب و ہوا عمدہ خوشگوار اور خشک اور صحت بخش ہے! اپریل سے اکتوبر تک شمالی یا شمالی مشرقی ہوا چلتی رہتی ہے اور مشرقی ہوا کے ساتھ گھر گھڑی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جاڑے کے موسم میں کبھی کبھی جنوبی مشرقی بھی ہوا چلتی ہے۔ جو بر اعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے بہت خرابیاں پھیلتی ہیں۔ اور بعض اوقات اسکے ساتھ ٹڈی بھی آتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ۱۸۱۲ء میں ہقدر ٹڈی آئی تھی کہ زمین پر چار چار فٹ تہ جم گئی تھی۔ انگور یہاں کثرت سے ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشۂ شمال مغرب کے سواحل سے بنائی جاتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح

لوگ ان امراض کے شاکی یہاں آتے ہیں جیسا کہ خود میرا حال تھا وہ بہت جلد بالکل اچھے ہوجاتے ہیں - اور عضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی سی نہ تو سخت ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے برے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں - البتہ اس ملک کے لوگ اگرچہ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن تاہم ویسی ہمت اور جرأت نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرد ملک کے لوگوں میں ہے - اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کاہلی جو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری سمجھنی چاہیئے جسمیں ہر ایک شخص مبتلا ہے - اور جو فرنگستان کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے -

دہلی میں ہنرمند کاریگروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اسکا سبب یہہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صناعی اور کاریگری کی لیاقت نہیں رکھتے - کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور بیشمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں - جنکو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں - اور جنہوں نے شاید کسی اُستاد سے بھی تعلیم نہیں پائی ہوتی - اور بعض اوقات تو یہہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے تقلید کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے - چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیا کے نہایت عمدہ تمنچے اور جنگی بندوقیں ہیں - اور سونیکے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپین سُنار اُن سے بڑھکر شاید ہی بنا سکے -

مصوّری اور نقاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جسے

دیکھکر میں اکثر حیرت میں آگیا ہوں - جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی بیگموں
کی ایک شبیہ جو ایک مشہور اور نامی مصوّر نے ایک ڈھال پر سات برس کے
عرصہ میں تیار کی تھی اُسنے تو بالتخصیص مجھکو حیران کردیا اور مینے اسکو ایک
عجیب کام خیال کیا - مگر ہندوستانی مُصوّر اکثر تصویر میں تناسب اعضا اور اُن حالتوں
کے ظاہر کرنے میں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی
ہیں کچے ہیں - لیکن اگر ان کو ایک اچھا اوستاد اس فن کے اصول کی تعلیم دے
تو یہہ عیوب جلد رفع ہوسکتے ہیں - اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے
اس دارالسلطنت شہر میں دستکاری او ہنرمندی کے اعلی قسم کے نمونوں کا
پایا نہ جانا لوگوں کی کند ذہنی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں
اور کارخانداروں کو کچھ ہمت دلائی جائے تو بیشک مفید اور عمدہ صنعتوں اور
حرفوں کو ترقی ہوسکتی ہے - لیکن ان بیچاروں کو واجبی اُجرت بھی نہیں
ملتی - بلکہ اِن کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے - اور دولتمند لوگ ہر ایک چیز
ارزاں قیمت پر لینی چاہتے ہیں - اور جب کبھی کسی امیر یا منصب دار کو کسی کاریگر
کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے بلوا لیتا ہے - اور بشرط ضرورت بیچارے
سے جبرًا کام لیتا ہے - اور چیز کے تیار ہوجانے پر اُسکی خوبی کے لحاظ سے
نہیں بلکہ صرف اپنی اٹکل سے جو قیمت چاہتا ہے دیدیتا ہے - اور کاریگر
کوڑوں کی مار سے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے - پس اس حالت میں
کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخاندار لوگ ایک دوسرے سے بڑھکر ہنر
دکھانے میں سعی کریں - بلکہ اُن کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنیکے لیئے

کوشش کرنے کی جگہ پر صرف یہہ فکر رہتا ہے کہ کہیں جلدی چھپا چھوٹ جائے اور اسقدر مزدوری ملجائے جسمیں اوقات بسر ہوجائے - اس سبب سے صرف وہی کاریگر اپنے فن میں کسیقدر کمال پیدا کرتے ہیں جو بادشاہ یا کسی صاحب اقتدار امیر کے نوکر ہیں - اور صرف اپنے آقا کیلئے کام تیار کرتے ہیں

قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر

قلعہ میں محلسرائے شاہی اور اور محل ہیں * لیکن آپکو یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ ایسے ویسے ہی ہیں جیسے کہ لوائر یا اسکیوریل ہیں - بلکہ ان کی کوئی چیز بھی فرنگستان کی عمارت کے مشابہ نہیں ہے - اور جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا ہے مشابہ ہونا چاہیئے بھی نہیں کیونکہ انکے لیئے اس ملک کی آب و ہوا کے موافق عمدہ اور شاندار ہونا ہی کافی ہے

دروازہ قلعہ معروف ہتھیاپول کا ذکر

قلعہ کے دروازہ کی عمارت میں کوئی قابل الذکر چیز نہیں ہے بجز اسکے کہ پتھر کے دو بڑے ہاتھی بناکر دونوں جانب کھڑے کیئے ہوئے ہیں جنمیں سے ایک پر چتوڑ کے مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت ہے اور دوسرے پر اسکے بھائی فتا کی جو دونوں بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے - اور جنکی ماں ان سے بھی زیادہ دل چلی تھی اور جو شہنشاہ اکبر سے ایسے لڑے تھے کہ ابدالآباد تک انکا نام رہیگا - اس عظیم الشان بادشاہ نے جب ان کے شہر کو آنکر گھیر لیا تو یہہ بڑے ہی استقلال کے ساتھ اس سے مقابل ہوئے - اور بجائے اسکے کہ اپنے دشمن کی جسکو اپنے زور اور قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اطاعت قبول کریں اپنی اور اپنی ماں کی جان اپنے

* یہہ بادشاہی محل ہیں جنمیں سے پہلا فرانس میں اور دوسرا اسپین میں ہے - مترجم

مُلک پر قربان کر ڈالی۔ اور یہہ اُنکی اُسی بیمثل جانبازی ہی کی وجہ سے تو ہی کہ اُن کے دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر اُنکی مورتوں کا قائم رکھنا مناسب خیال کیا یہہ ہاتھی جنپر یہہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان و شکوہ کی ہیں اور اُنکو دیکھکر رعب اور ادب کا ایک ایسا خیال مجھپر چھا گیا جسکو میں بیان نہیں کرسکتا*

اِس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہوکر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے جسکے بیچوں بیچ پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ یا چھ فیٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا اُس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ پیرس کا پونٹ نی آف ہی جسکو چھوڑکر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محراب دار دالان بنتے چلے گئے ہیں۔ جنمیں مختلف کارخانوں کے داروغے اور اور کم درجے کے عہدہ دار بغیر اسکے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے ہیں اُن سے اُنکو کچھ تکلیف پہنچے بیٹھے ہوے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ اور منصبدار جو رات کو چوکی دینے آتے ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر ٹھہرتے ہیں۔

---

* ماثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی گیارہویں سال جلوس مطابق ۱۰۷۹ھ اُنہیں اشتر جبری سنگ پتھر کے دو پورے قد کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت سے بنے ہوئے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھے اور اسی وجہ سے اُس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اُٹھوا دیئے تھے۔ منشی ان علا نے اپنی مشہور کتاب وقائع میں انی رائے نامے صیغہ حساب تنخواہ کے ایک عہدہ دار کی ہجو میں پتی کے طور پر جو یہہ شعر لکھا ہے ۵۰ آن صورت مہاوت فیلان ہتھیا پول + ارا چہ فیل بند حساب و کتاب کرد اس سے بھی ان ہاتھیوں اور ہتھیا پول کا وجود ثابت ہوتا ہی۔ اگرچہ یہہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہتھیا پول قلعہ شاہجہان آباد کے کون سے دروازہ کا نام تھا۔ صاحب آثار الصنادید نے ان ہاتھیوں کو نقار خانہ کے دروازہ کے آگے بتایا ہی اور لکھا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب سے ہتھیا پول کہتے تھے۔ پس صحیح بات وہی ہے جو ذاکر نے بیر اور جیسا ماثر عالمگیری نے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی لکھی ہے۔ س م ح

اس نہر کا پانی اوّل محلسرا میں جاتا ہے - اور پھر وہاں سے موقع بموقع سب مکانوں میں پہنچتا ہے - اور اسکے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے اور یہہ دہلی سے پندرہ یا اٹھارہ میل کے فاصلہ پر جمنا میں سے کاٹی جاکر بڑی محنت سے میدان اور پہاڑی سخت زمین پر سے لائی گئی ہے *

قلعہ کے دوسرے دروازہ کا ذکر

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے بھی اندر کی طرف ایک لمبی اور خاصی چوڑی سڑک ہے اور اُسکے بھی دونوں جانب ویسے ہی چبوترے ہیں - لیکن محرابدار دالانوں کے عوض دکانیں بنی ہوئی ہیں - اور سچ پوچھیے تو یہہ ایک بازار ہے جو لداؤ کی چھت کی وجہ سے جسمیں اوپر کی طرف روشنی اور ہوا کے لیئے بڑے بڑے گول روشندان بنے ہوئے ہیں - گرمی اور برسات میں بہت آرام کا ہے -

---

* صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے اس نہر کی بابت یہہ لکھا ہے کہ اوّل اسکو سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے سنہ ۶۹۱ ہجری مطابق سنہ ۱۲۹۱ عیسوی میں پرگنہ خضرآباد میں دریا سے کاٹ کر تیس ۳۰ کوس تک پرگنہ سفیدوں میں جہاں اسکی شکار گاہ تھی لاکر چھوڑ دیا تھا - پھر کسی بادشاہ کو اسکا خیال نہ رہا اور یہہ بند ہوگئی سنہ ۹۶۹ ہجری مطابق سنہ ۱۵۶۱ء میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اسکو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر میں لایا - اور نہر شہاب اس کا نام رکھا - مگر ایک مدت بعد پھر بند ہوگئی اور سنہ ۱۰۴۸ ہجری مطابق سنہ ۱۶۳۸ء میں شاہجہاں کے حکم سے سفیدوں تک پھر صاف کی گئی اور وہاں سے آگے شاہجہان آباد تک نئی کھودی گئی - اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی - ایک عرصہ بعد اس کا پھر وہی حال ہوگیا تھا جو تخمیناً سنہ ۱۸۲۰ء مطابق سنہ ۱۲۳۶ ہجری میں سرکار عالیہ انگریزی نے اسکو پھر جاری کیا - اور اجتک یعنی جولائی سنہ ۱۸۵۵ء مطابق ماہ شوال سنہ ۱۲۷۱ ہجری نہایت خوبی اور صفائی سے جاری اور نہر جمن شرقی کے نام سے معروف ہے - س م ح

ان دونوں سڑکوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں ہیں۔ جو اُن مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے موافق اُمرا باری باری ہفتہ میں ایک رات دن چوکی دیا کرتے ہیں۔ یہہ مکانات جہاں اُمرا چوکی دیتے ہیں اچھے عمدہ ہیں۔ کیونکہ یہہ لوگ اُنکو اپنے خرچ سے آراستہ رکھتے ہیں اور یہہ سب بڑے بڑے دیوانخانے ہیں۔ اور اُنکے سامنے باغیچے ہیں جنمیں چھوٹی چھوٹی نہریں اور حوض اور فوّارے بنے ہوئے ہیں۔ جس امیر کی نوکری ہوتی ہے اُسکے لئے کھانا بادشاہی خانے میں سے آتا ہے جسکے آنیکے وقت امیر کو ادائے شکر کے لیے بادشاہی محل کی طرف رخ کرکے تین دفعہ تسلیمات بجالانا یعنی زمین تک ہاتھ لیجاکر ماتھے تک لانا ہوتا ہے۔ ان کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفتروں کے لیے بہت سے دیوانخانے بنے ہوئے اور خیمے لگے ہوئے ہیں اور ان میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے موسوم ہیں۔ جن میں ایک اُستاکار کے ماتحت کسی میں کارچوب اور چکن دوز اور زردوز وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی میں سُنار اور کسی میں مصوّر اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی اور خرّادی۔ اور کسی میں درزی اور موچی اور کسی میں دارائی اور چیرہ اور کمخاب اور باریک ململ بننے والے جولاہے۔ جو پگڑیاں بنتے اور کمر باندھنے کے پھولدار زری کا پٹکے اور زنانے پاجاموں کے لیے ایسا نازک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال میں

بیکار ہو جاتا ہے۔ یہہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے پچیس یا تیس روپیہ
کی قیمت کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا جبکہ اُسپر سوئی سے نہایت
خوبصورت زری کا کام کیا گیا ہو ہوتا ہے۔ یہہ تمام کاریگر علی الصباح
اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہو کر دن بھر کام کرتے اور شام کو اپنے
اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اور انہیں دھندوں میں اُنکی زندگی بسر ہوتی
چلی جاتی ہے۔ اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اُس سے ترقی
کرنے کے لیئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً کاریگر اور چکن دوز
اور زردوزکار اپنے بیٹے کو اپنا ہی پیشہ سکھاتا ہے اور سنار کا بیٹا سنار
ہی ہوتا ہے۔ اور شہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم کرتا ہے
یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے سوا دوسرے پیشہ والے کے ہاں شادی
نہیں کرتا۔ اور اس رسم کی پابندی مسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے
ہیں جیسے کہ ہندو جنکا شاستر یہی حکم دیتا ہے۔ اور اسکے باعث سے بہت سی
خوبصورت لڑکیاں کنواری بیٹھی رہتی ہیں۔ حالانکہ اگر اُن کے والدین پیشہ اور
ذات کا خیال چھوڑ دیں تو اُن کی شادی اچھی جگہ ہو سکتی ہے۔

دربار عام و خاص اور نقارخانہ کا ذکر

اب ضرور ہے کہ میں عام و خاص کا ذکر کروں
جو ان مکانات میں سے گزرنے کے بعد ملتا ہے اور فی الواقع بہت عمدہ اور
عالیشان عمارت ہے۔ یہہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے
چاروں طرف محرابیں ہیں اور پلیس رائل سے مشابہ ہے۔ اور صرف
اسقدر فرق ہے کہ اسکے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے۔ اسکی محرابیں اس

طور پر بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جا سکتے ہیں۔ اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اُس پر ایک بڑا بالاخانہ بنا ہوا ہے جسکے دروازے اسکی طرف کو ہیں اور اس وجہ سے کہ اسمیں نفیریاں اور شہنائیں اور نقارے وغیرہ رکھے رہتے ہیں اس کو نقارخانہ کہتے ہیں۔ یہ دن کو اور رات کو اوقات معینہ پر اکٹھے بجائی جاتی اور نو واردان فرنگ کے کانوں کو نہایت ہی کریہہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دس بارہ نفیریاں اور اسیقدر نقارے ایک ہی دفعہ بجنے لگتے ہیں ان میں سے بڑی نفیری جسکو "قرنا" کہتے ہیں ۹ فٹ لمبی ہے۔ جسکا نیچے کا مونہہ ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں ہے۔ اور لوہے یا پیتل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم ڈیڑھ فٹ قطر کا ہے پس اسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نقارخانے سے کسقدر شور و غل پیدا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اول ہی اول یہاں آیا تو شور کے مارے میرے کان بھرے ہو گئے۔ لیکن عادت ایسی زبردست چیز ہے کہ اب رغبت سے سنتا ہوں خصوصاً رات کیوقت مکان کی چھت پر لیٹے ہوئے جب دور سے اسکی آواز سنائی دیتی ہے تو نہایت بھلی× اور سُریلی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان کے بجانے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور ان باجوں کی آواز کے اونچا نیچا کرنے اور سُریلی اور لئے دار بنانے

× میر حسن نے اپنی بے نظیر مثنوی معروف بہ بدر منیر میں کیا خوب کہا ہے ؎ سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا ۔ کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ ۔ س م ت

ہیں ایسے مشتاق ہیں کہ فاصلے سے سنی جائے تو نہایت پیاری لگتی ہے نقارخانہ ہمیشہ ایک اونچے موقع پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو اسکی آواز سے تکلیف نہ ہو ۔ اس دروازہ کے مقابل جسپہ نقارخانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جسکے ستون اور چھت سنہری کام کے ہیں اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوادار اور تین طرف سے کھلا ہوا ہے ۔ اور اس دیوار کے وسط میں جو محلسرا سے اسکو جدا کرتی ہے قد آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین* بنا ہوا ہے ۔ جہاں ہر روز بادشاہ دوپہر کے قریب آنکر تخت پر بیٹھتا ہے اور دائیں بائیں شہزادے کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے جھلتے یا ادائے خدمات کے لیے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے

* آثار الصنادید میں اسکو نشیمن ظل اللہی یا تخت سنگین کر کے لکھا ہے ۔ اور اسکی کیفیت یوں بیان کی ہے کہ دیوان عام کے مکان کے بیچوں بیچ میں شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز کا مربع تخت ہے جسپہ چار ستون لگا کر بنگلہ کے طور پر اسکی چھت بنائی ہے ۔ قد آدم سے زیادہ اونچی دی ہے ۔ اور اس کے پیچھے جو سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک طاق ہے اسپر ہر قسم کے چرند و پرند کی تصویریں عجب عجب رنگین پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو دوتارا بجا کر گا رہا ہے ۔ یہہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے ارفیوس نامے ایک کلاونت کی ہے جسکی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا ۔ اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چرند پرند اسکی آواز سے مست ہو کر اسکے گرد آن بیٹھتے تھے ۔ اور اس کہانی کے موافق اُسی ملک کے رہنے والے رفیل نامے ایک مصوّر نے جو اس فن میں بے مثل تھا اپنے خیال سے ارفیوس کے گانے کا ایک مرقع کھینچا تھا ۔ یہہ مصور سنہ ۱۵۲۰ع میں مرا مگر اسکا یہہ مرقع اٹلی اور اور فرنگستانی ملکوں میں بہت مروج اور نہایت مشہور ہے اور اب تک اسکی نقلیں موجود ہیں ۔ اور یہہ وہی مرقع ہے جو پتھر کی

میں اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جسمیں تمام
امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہاتھ باندھے
کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسیقدر فاصلہ پر اسی طور سے منصب دار
یعنی چھوٹے امرا کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو جگہہ خالی رہتی ہے
وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلی اور ادنی مفلس و غنی سے بھرا
رہتا ہے کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک متنفس اپنی عرض حال

بیچکی کاری سے یہاں بنایا گیا ہے اور چونکہ اس مرقع کا فرنگستان کے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا
اس سے تیقن ہوتا ہے کہ اس تحفہ کے بنانے میں کوئی نہ کوئی اسی کا رہنے والا فرنگی شریک
تھا۔ اس تخت کی اصل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے بھی نگار رانہ ہے۔ بادشاہ اس تخت
پر دربار عام کے ان اجلاس میں رہتے تھے۔ اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بنا ہوا
اور اس سے ... جسکو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اسپر چڑھکر بادشاہ سے عرض کرتا تھا۔ مگر بادشاہ کے
نشست کا تخت اسقدر اونچا ہے کہ اس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا سر اسکا تخت تک پہنچتا
اس تخت کے آگے تین دالان ہے جو اسی گز لمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے۔ اور
ہر ایک دالان کے نو نو در ہیں اور ان سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں اور نہایت
خوبصورت محرابیں بنائی گئی ہیں۔ اور سفیدی گھونٹکر سنہری نقاشی کی ہے۔ باہر کے
دالان میں بیچ کے در چھوڑکر سنگ مرمر کا کٹہرا لگایا تھا جسپر بہت خوشنما سنہری کلسیاں
تھیں جو اب ایک بھی باقی نہیں یہہ دالان امرا اور وزرا اور وکلا کے حسب مرتبہ کھڑے
رہنے کا تھا۔ یہہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ پر بنا ہوا ہے جسکا ایکسو چار گز
کا طول اور ساٹھ گز کا عرض ہے اسکے بیچ میں یہہ دالان ہے۔ اور باقی تین طرف
چبوترہ ہے جسکے گرد قد آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے جسپر سنہری کلسیاں تھیں
یہہ جگہہ چوبدار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال باڑی
کہتے تھے۔ اور اسکے آگے دو سو چار گز لمبا اور ایک سو ساٹھ گز چوڑا صحن ہے اور اسکے چاروں طرف
قرینہ اور موقع سے مکانات بنے ہوئے ہیں اور شمال کیطرف دیوان خاص میں جانیکا دروازہ ہے مسمی

کے لیئے باریاب ہو سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُسکو عام و خاص* کہتے
ہیں اور ڈیڑھ یا دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور
اس عرصہ میں کسیقدر رنات گھوڑے سامنے کیئے جاتے ہیں تاکہ بادشاہ
خود ملاحظہ کر سکے کہ وہ کیسے آراستہ و پیراستہ ہیں! اور ان کے بعد ہاتھی
آتے ہیں جنکی میلی کھال خوب نہلا دھلا کر سیاہی سے رنگدی جاتی ہے اور
دو لال خط سر سے سونڈ کے اخیر تک جہاں دونوں آکر مل جاتے ہیں کھینچے
جاتے ہیں اور زربفت کی جھول ڈالکر چاندی کے دو گھنٹے جو ایک نقرئی زنجیر
میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں پیٹھ پر سے دونوں طرف لٹکا دیئے جاتے ہیں
اور سفید سُرہ گائے کی دمیں جو بڑی تبت سے آتی اور بیش قیمت ہوتی ہیں
لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی مونچھیں سی معلوم ہوتی ہیں اور دو چھوٹے ہاتھی
جو وہ بھی خوب سجائے ہوئے ہوتے ہیں خدمتگاروں کیطرح ان بڑے ہاتھیوں کے

* خافی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ چونکہ شاہجہاں سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں عام
کے لیئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو اسلیئے
شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ آگرہ اور لاہور اور
برہانپور میں دربار عام کے لیے چالیس چالیس ستون کی عالیشان عمارتیں
بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام و خاص اُن کا نام رکھا۔ چنانچہ آگرہ کا عام و
خاص جب تیار ہو گیا تو ملک الشعرا طالبائے کلیم نے اُسکی تعریف میں یہہ رباعی کہی۔

رباعی

ایں تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست ✦ رفعت حرفے ز زینۂ پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش سرو ست ✦ کا سائش خاص و عام در سایۂ اوست

ساتھ رہتے ہیں اور یہہ ہاتی جھوم جھوم کر اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے زرق برق کے ساز و سامان اور ہیئت ان بان پر نازاں ہیں۔ اور جب تخت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہاوت جو گردن پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے لوہے کی ایک نوکدار چیز چبھو کر انکو بڑھا دیتا اور زبان سے کچھ کہتا ہے۔ اور اُسوقت یہہ جانور گھٹنا ٹیک کر اور سونڈ اوپر کو اُٹھا کر چنگھاڑتا ہے۔ جسکو لوگ اُسکی تسلیمات خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اَور جانور پیش ہوتے ہیں مثلاً سدھائے ہوئے ہرن جو لڑائے جاتے ہیں۔ اور نیل گائیں اور گینڈے اور بنگالہ کے بڑے بڑے بھینسے جنکے سینگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ اُنسے وہ شیر کے ساتھ لڑ سکتے ہیں اور چیتے جنسے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے خوبصورت شکاری کتے جو ملک ازبک (بخارا وغیرہ) سے آتے ہیں۔ اور جن پر سرخ رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں پیش ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ہر قسم کے شکاری پرند جو تیتر کلنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہرن پر بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ جنپر یہہ نہایت تیزی کے ساتھ جھپٹتے اور پنجے اور ٹھونگیں مار مار کر انکو اندھا کر دیتے ہیں! ان جانوروں کے پیش ہونیکے علاوہ اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرائے جاتے ہیں۔ جنکی پوشاک اسوقت روزمرہ کے لباس کی بنسبت ذرا مکلف ہوتی ہے۔ اور گھوڑوں پر پاکھریں پڑی ہوئی اور انواع و اقسام کے زیور مثلاً ہیکل جھبے وغیرہ سے سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اس تماشے سے

بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ مردہ بھیڑیں جنکا پیٹ صاف کرکے بھس بھر دیا
جاتا ہے نوجوان اُمرا منصب دار - گرز بردار - اور عصا بردار - انپر تلوار سے
اپنے کرتب دکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں جونک کاٹنے کی کوشش کرتے
ہیں - لیکن یہہ تمام اُمور دربار کے شروع میں ہوا کرتے ہیں - اور ان کے بعد
زیادہ اہم معاملات پیش ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سوارو
کو صرف دیکھتا ہی نہیں - بلکہ جب سے لڑائی بند ہوئی ہے کوئی سوار یا پیدل ایسا
نہیں جسکو بادشاہ نے بچشم خود نہ دیکھا ہو - اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل
نہ کی ہو - چنانچہ اُسنے کسی کی تنخواہ بڑھادی اور کسیکی کم کردی اور کسیکو بالکل ہی
موقوف کردیا ہے -

اس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ
کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں - اور بادشاہ بذات خود مستغیثوں سے دریافت
حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے - اور ہفتہ میں ایک
دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غربا کی عرضیاں سنتا ہے جو
مستغیثوں میں سے چن لیئے جاتے ہیں اور جنکے پیش کرنیکا کام ایک نیک
اور دولتمند اور مسن شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کی کمرے
میں جسکو " عدالت خانہ " کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھکر داد
رسانی کرتا اور اسمیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا - اور اس سے بخوبی عیاں
ہے کہ ایشائی بادشاہ جنکو ہم اہل یورپ جاہل اور ناتراشیدہ خیال
کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی دادد ہی اور انصاف رسانی سے

جو اُن پر واجب ہی غفلت نہیں کرتے۔

جو حالات اس دربار عام وخاص میں گزرتے ہیں اور جنکا بہنے ابھی ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہ سب معقول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور مکروہ خوشامدگری اور لجاجت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ بھی مجھے آپ پر ظاہر کردینی واجب ہی چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے موںھ سے نکلجاتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کیوں نہ ہو تمام دربار اور بڑے بڑے اُمرا آسمان کیطرف دونوں ہاتھ اُٹھاکر جس طرح کوئی خدا کی رحمت کو لیتا ہے اُس لفظ کو لیکر اور "کرامات کرامات" کہکر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے۔ اور حقیقتاً مغلوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکو یہہ بیت یاد نہو اور وہ اسکو فخریہ طور پر نہ پڑھتا ہو "اگر شہ روز را گوید شب ست ایں بباید گفت اینک ماہ پرویں" یعنی اگر بادشاہ رات کو دن بتائے تو کہدینا چاہیئے کہ دیکھئے وہ چاند اور ستارے نظر آرہے ہیں۔ اور یہہ خوشامدگری کا عیب کیا ادنے کیا اعلیٰ سب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی مغل کو مجھسے معالجہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے مجھکو یہہ کہتا ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے ارسطو اور بقراط اور بو علی سینا ہیں۔ چنانچہ اوّل اوّل تو مینے اِس حرکت کو روکنا چاہا اور کہاکہ جسقدر آپ میری تعریف کرتے ہیں میں ہرگز اِسکے لائق نہیں ہوں۔ اور مجھکو اُن بزرگوں سے کچھ نسبت نہیں۔ لیکن جب دیکھاکہ میرا انکسار اُنکو اور زیادہ مبالغہ کرنے پر آمادہ

کرتا ہے تو جیسا اپنے کانوں کو انکی خوشامدی باتیں سُننے کا ویسا ہی عادی بنا لیا جیسا کہ اُن کے موسیقی باجوں کے سُننے کا۔ اس موقع پر میں ایک لطیفہ آپکو سناتا ہوں اس سے آپکو یہاں کے لوگوں کا خاصہ طبعی معلوم ہو جاۓ گا۔ ایک پنڈت جسکی اپنے آقا سے مہینے ہی مُلاقات کرائی تھی ایک روز اُسنے اپنے ایک اشلوک میں اوّل تو انکو اُن بڑے بڑے عقلمندوں سے جو دنیا میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں زیادہ بتایا۔ اور پھر سیکڑوں مہملات اور واہیات بک کر اپنے کلام کے اخیر میں بڑی سنجیدگی سے یہہ کہا "کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپکے قدموں کے نیچے زمین کانپنے لگتی ہے۔ کیونکہ وہ آٹھ ہاتھی جو اسکو اپنے سر پر اُٹھاۓ ہوۓ ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اُٹھانے کی تاب نہیں لا سکتے" جسکو سنکر میں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے "آغا سے جو میری طرح انکو بھی ہنسی آگئی تھی شوخی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بنا کر کہا کہ آپ ذرا سمجھکر گھوڑے پر سوار ہوا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بھونچال آکر دُنیا درہم و برہم ہو جاۓ جس کے جواب میں اُنہوں نے فوراً یہہ کہا کہ اسیوجہ سے تو میں پالکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے غسل خانہ* کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت ہے۔ اور یہہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کی برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت اور وسیع اور روغنی اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے

نشینیں کی طرح چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر
بیٹھکر وزرات جو ادھر اودھر کھڑے ہوتے ہیں تنہا میں امرا اور صوبہ داروں
کی عرائض سنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔ اور جس طرح
صبح کو عام و خاص کے دربار میں حاضر نہ ہونیکے باعث امرا پر جرمانہ کیا جاتا ہے
یہاں شام کو حاضر نہ ہونے پر سزا ملتی ہے۔ البتہ صرف میرے "آغا دانشمند خاں"
ایک ایسے امیر ہیں جنکو انکے علم و فضل اور شوق مطالعہ اور سرانجام امور ملک
غیرہ کی وجہ سے معافی حاصل ہے۔ لیکن چہارشنبہ کو جو انکی چوکی کا دن ہے
ان کو بھی اور امرا کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے! یہہ دو وقتہ حاضری کی
رسم نہایت پرانی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر
شکایت نہیں کرسکتا کیونکہ خود بادشاہ سوائے کسی ضروری یا سخت بیماری
کی حالت کے دونو وقت دربار میں آنا اپنا فرض جانتا ہے۔ چنانچہ اورنگزیب
کی پچھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار کے دونوں مقاموں میں نہیں تو
ایک میں تو ضرور لوگ اسکو اٹھا کر لے آتے تھے۔ کیونکہ اسنے اقل درجہ رات
دن میں ایک بار لوگوں کو اپنا دیدار دکھانا واجب سمجھا تھا اسلیئے کہ ایسا شدید
بیمار تھا کہ اسکا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا ہی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد
کے پھیل جانے اور شہر میں ہڑتال ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔

اگرچہ غسلخانہ کے دربار کے وقت پر بادشاہ ان امور میں مصروف رہتا ہے
جنکا میں نے ابھی ذکر کیا ہے لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق
یہاں بھی زیادہ تر وہی جانوروں وغیرہ کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر

چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہتا اور سامنے کا صحن بھی مختصر ہے اسلیئے اُمرا کے رسالوں کا ملاحظہ نہیں ہو سکتا - لیکن اسوقت کے دربار کی یہہ خاص رسم ہر ایک منصبداروں کی چوکی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے بڑے قرینے اور ترتیب سے سامنے سے گزر جاتے ہیں - جنکے آگے آگے لوگ "قور" ہاتھوں میں لیئے ہوئے چلتے ہیں جو چند خوبصورت نقرئی چیزیں ہیں جو چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑیوں کے سروں پر لگائی ہوئی ہوتی ہیں جنمیں سے دو بڑی مچھلی کی شکل کی ہیں اور دو ایک مہیب اور خیالی جانور کی صورت کی جسکو "اژدہا" کہتے ہیں اور کچھ شیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض ترازو کی صورت کی اور بہت سی اور بیشمار وضع کی جنکے ایک طرح کے بعید الفہم معنی بناتے ہیں ! ان لوگوں میں بہت سے گرز بردار بھی ہوتے ہیں جو قد آور اور وجیہ دیکھکر بھرتی کیئے جاتے ہیں اور جنکا یہہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچائیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اُسکی تعمیل کریں -

شاہی محلسرا کا بیان

اب میں نہایت خوشی سے آپکو بادشاہی محل سرا کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ قلعہ کی اور عمارات کی کرائی ہے - لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دیدہ بیان کرنی ناممکن ہے - کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہ ہونیکے وقت اگرچہ مجھے کئی دفعہ وہاں جانیکا موقع ملا - اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کی ضرورت سے جو شدت مرض کیوجہ سے معمول

کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر جانیکا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اڑھا دی گئی تھی کہ ایک لمبے سکارف (اوڑھنی) کی طرح پانوں تک لٹکتی تھی اور ایک خواجہ سرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اس طرح لیگیا تھا جیسے کوئی اندھے کو لیئے جاتا ہے۔ اسلیئے آپکو صرف اُسی پر قناعت کرنی چاہیئے جو بعض خواجہ سراؤں سے سنکر میں نے لکھا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ محلسرا میں بیگمات کے مدارج اور حیثیت اور اُنکی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جنکے دروازوں کے سامنے حوض اور سب طرف باغیچے اور دلچسپ روشیں اور سایہ دار جگہیں اور نہریں اور فوارے اور دن کی گرمی سے بچاؤ کی خاطر عمیق تہ خانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لیئے اونچے اونچے صُفّے اور صحن بڑے بڑے بنے ہوئے ہیں اور ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو مطلقاً دخل نہیں ہے۔ اور یہہ لوگ ایک چھوٹے سے بُرج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جسمیں آگرہ کے دونوں بُرجوں کی طرح سونے کے ورق چڑہے ہوئے اور لاجوردی کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں۔*

* آثار الصنادید میں اس بُرج کا نام بُرج طلا یا مثمن بُرج لکھا ہے اور سر سے پانوں تک سنگ مرمر کا بنا ہے جسمیں سونیکا کام اور پرچین سازی اور منبت کاری کی ہوئی ہے اور جو کلس سمیت بام سے بھی اونچی ہے اور ہشت پہلو ہونیکے باعث مثمن بُرج کہلاتا ہے۔ مثمن متصل اس کے خوابگاہ کی عمارت کی طرف میں اور پانچ دریا کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک نشیمن بطور

دربار تخت طاؤس کا بیان

اب قبل اسکے کہ میں قلعہ کا بیان ختم کروں تو دوبارہ عام و خاص کی طرف متوجہ کرتا اور ان سالانہ جشنوں اور درباروں کی کیفیت بتانی چاہتا ہوں جو میں نے اسمیں ہوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھکر کوئی تماشا میں نے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا اُس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام و خاص کے صدر میں مع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اُسکی پوشاک نہایت نازک اور پھولدار ریشمی کپڑے کی تھی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام کڑھا ہوا تھا اور زری کا مندیل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا جسمیں ایک پکھراج ایسا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا ہے۔ اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا۔ اور بڑے بڑے موتیوں کا کنٹھا گلے میں تھا جو ہندوؤں کی مالا کی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا۔

یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے جنکو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں جنمیں یاقوت اور زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ مگر میں اُنکی تعداد اور قیمت بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسیکو اسقدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ اُن کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور اور جواہرات بہت ہی ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اُسکی قیمت چار کروڑ روپے جانچی گئی تھی۔ اور اسکو اورنگ زیب کے باپ شاہجہان نے اسلئے بنوایا تھا کہ بیشمار جواہرات جو خزانہ میں قدیم راجاؤں اور پٹھان بادشاہوں کی

جو آمد سے دریا کے رخ بنا ہوا ہے۔ س م ح

لوٹ اور اُن پیشکشوں کے ذریعے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص موقعوں پر نذر گزرانتے لازم ہیں وقتاً فوقتاً جمع ہو گئے تھے لوگ اُنکو دیکھیں مگر اسکی ساخت اور کاریگری ان جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے البتہ دو مور جو موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور نہایت عمدہ نقشے پر بنے ہیں اور ان کو ایک صناع نے جسکی کاریگری اور ہنرمندی حیرت کے لایق تھی اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا اور جسنے یورپ کے بہت رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دیدیے کر جنکو وہ ایک خاص حکمت سے تیار کرتا تھا خوب لوٹا تھا اور پھر بھاگ کر شہنشاہ مغل کے ہاں پناہ آن لی تھی اور یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی بنایا تھا ۔٭

٭ ملا عبد الحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہنامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے دلچسپ ہے بلکہ ہم اُسکو بیان بلفظ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے ۔

چوں در ایام دراز از اقسام جواہر ثمینہ کہ ہر یک شایستہ گوشوارہ ناہید و کمر بند خورشید است در جواہرخانہ والا فراہم آمدہ بود در آغاز جلوس مقدس بضمیر الہام پذیر منطبع گردید کہ تحصیل چنیں تحف نزبہ وغایب داشتن ایں نفایس عجیبہ مطمح نظر دوربین جز دولت آرای زینت افزائی امرے دیگر نیست ۔ پس در جائے بکار باید برد کہ هم تماشایان از حسن جہاں افروز ایں نتائج بحر و کان بہرہ برگیرند و هم کارگاہ سلطنت را فروغ تازہ پدید آید ۔ حکم شد کہ سوائے جواہر خاصہ کہ در جواہرخانہ مشکوئے مینو مثال می باشد از قسم لعل و یاقوت و الماس و مروارید قیمتی و زمرد کہ دو صد لک روپیہ قیمت آنست بجہ تحویل خازنان بیرون است از نظر اطہر بگذرانند و جواہر ثمینہ گراں سنگ را کہ پنجاہ ہزار مثقال است و مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ بہائے آن شدہ بود انتخاب نمودہ بے بدل خاں داروغہ زرگرخانہ حوالہ فرمودند تا بیک لک تولہ طلائے ناب کہ دو صد و ۲۵۰ پنجاہ ہزار مثقال است د

تخت کے نیچے کے چبوترے پر جسکے گرد چاندی کا کٹہرا لگا ہوا اور
اوپر زری کی جھالر کا ایک پر زر وسیع شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اُمرا نہایت
تکلف پوشاکیں پہنے کھڑے تھے۔ اور مکان کے ستون زربفت سے
منڈھے ہوئے اور ریشمی مشجر کے شامیانے زربفت ملمع اور زری کے
پھندنے لگے ہوئے تھے تنے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمی قالین

مبلغ چہارده لک روپیہ قیمت آن۔ تخت بطول ... عرض ... و ارتفاع
پنج گز سرکاری نموده بجواہر مذکوره ترصیع نمایند ... سقف آن را از درون بیشتر میناکار
و لختے مرصع و از بیرون بلعل و یاقوت و جز آن مرصع فرش ساختہ بزمرد نیا ساطین
دوازده گانہ برافرازد و بالاے آن دو پیکر طاوس کلّل بزواہر جواہر و درمیان ہر دو
طاوس درختے مرصع بلعل و الماس و زمرد و الماس و مروارید تعبیہ کن. و براے عروج
سہ پایہ نردبان مرصع بجواہر آبدار ترتیب دہد! در مدت ہفت سال این تخت عرش مثال بمبلغ
صد لک روپیہ کہ سہ صد وسی وسہ ہزار تومان عراق و چہار کرور خانی رائج ماوراء النہر ست
صورت اتمام یافت۔ از جملہ یازده تختہ مرصع کہ بردور آن براے تکیہ نصب نموده اند تختہ میانگی
کہ خاقان سلیمان مکان بر آن دست حق پرست گزاشتہ تکیہ زده می نشینند ده لک روپیہ
قیمت دارد۔ از جواہر یکہ دریں تختہ نشانده اند لعلے ست در وسط آن بقیمت یک لک
روپیہ کہ شاه عباس والی ایران مصحوب زنبیل بیگ برسم ارمغان نزد حضرت جنت
مکانی ارسال داشتہ بود و آن حضرت در جلدوے فتح دکن بخاقان ممالک ستان
حضرت صاحبقران ثانی بدست علامی افضل خان دکن فرستاده بودند نخست اسم سامی
قطب الملۃ والدین حضرت صاحبقران اوّل و میرزا شاه رخ و میرزا الغ بیگ بر آن منقوش
بود بعد از آنکہ بانقلاب ایام و اقتضاے عوام بدست شاه عباس افتاد او نیز نام خود را بران
مرتسم گردانید۔ چون بحضرت جنت مکانی رسید نام نامی خود را با نام سامی پدر بزرگواران
نگاشتند۔ اکنون باسم گرامی پادشاه ہفت اقلیم شہنشاه تخت و دیہیم آب و تاب تازه د

بچھے ہوئے تھے اور باہر ایک خیمہ جسے "اشپک" کہتے ہیں اور جو اس مکان سے بھی بڑا ہے اسکی چھت کے ساتھ ملا کر لگایا ہوا تھا جو صحن کے نصف تک پھیلا ہوا اور چاروں طرف سے چاندی کی پتیوں سے منڈھی ہوئے کٹہرے سے گھرا ہوا تھا۔ اور چوبیں بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جنمیں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مستول اور باقی چھوٹی تھیں

زینت بے اندازہ دارد - بام خاقانی این مثنوی حاجی محمد جان قدسی* کہ ختمش بر تاریخ است بہ مینائے سبز در دان تخت کتابہ نمودہ اند

مثنوی

زہے فرخندہ تخت بادشاہی | کہ شد ساماں بتائید الہی
فلک روزے کہ میکردش مکمل | ز زر خورشید را بگداخت اول
بحکم کارفرما صرف شد پاک | بہ مینا کاریش مینای افلاک
جز این تخت از زر و گوہر چہ مقصود | وجود بحر و کان را حکمت این بود
زیاتوتش کہ در قیمت بہا نیست | لب لعل بتان را دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ | کہ از پیر جفا تم بدیدہ
بخرجش عالم از زر شد جہاں پاک | گزشت از گنج خالی کیسہ خاک
رساند گر فلک خود را بپایش | دہد خورشید و مہ را رونمایش
سرافرازے کہ سر بر پایہ اش سود | ز گردوں پایہ بر تخت افزود
خراج بحر و کان پیرایہ او | پناہ عرش و کرسی سایہ او
ز انواع جواہر گشتہ الوان | چراغ عالمی مستند آن
در اطرافش بود نگہاے مینا | فروزان چون چراغ از طور سینا
چو میگرد از فرازش گوہر دست | نگین خویش ہم بر پایہ اش بست
شب تار از فروغ لعل و گوہر | تو انہ مہر فلک رو داد اختر
دہد شاہ جہان را بوسہ بر پاے | ازان شد پایۂ قدرش فلک ساے

* فارسی میں ایک بڑے نغز گو شاعر تھے - غیاث اللغات (ص ۳۲۰ ع)

اس عالیشان خیمہ کے باہر کیطرف سرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب
مچھلی پٹن کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی جو ہاتھ سے بنائی گئی تھی۔ اور جسکے
بیل بوٹے ایسے قدرتی طور کے اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ
ایک تختۂ گلزار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب اُمرا کو حکم دیا گیا تھا کہ عام وخاص
کی غلام گردش کی ایک ایک محراب کی زیبایش و آرائش وہ اپنے اپنے
خرچ سے کریں اسلیے بادشاہ کی زیادہ تر رضامندی حاصل کرنیکے خیال سے
ہر ایک نے دوسرے سے بڑھکر اُسکی زیب و زینت میں کوشش کی جسکا نتیجہ
یہہ ہوا کہ تمام در و دیوار سر سے پانوں تک کمخاب اور زربفت میں غرق اور
فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ و پیراستہ ہوگیا۔

جشن کے تیسرے دن اول بادشاہ اور اُسکے بعد اکثر اُمرا بڑے تکلف
کے ساتھ بڑی بڑی ترازوؤں میں جنکے پلڑے اور بٹے سونے کے تھے
تولے گئے اور مجھے یاد ہے کہ یہہ دیکھکر کہ اورنگ زیب کا وزن سال گزشتہ
کی بہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار نے نہایت ہی مسرت ظاہر کی۔
اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں لیکن اس شان و شوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا

گند شاہ دوران بخشش جوان بخت	خراج عالمی را خرج یک تخت
خداوندی کہ عرش و کرسی افراخت	تواند قدرتش تختے چنیں ساخت
اثر یافتہ ست تا کون و مکاں را	بود بر تخت جا شاہ جہاں را
بود تختے چنیں ہر روز جایش	خراج ہفت کشور زیر پایش
چو تاریخش زبان پرسید از دل	بگفت از اورنگ شاہنشاہ عادل

دیگرے ایں تاریخ یافتہ ع (سریر ہمایون صاحبقرانی) " سنہ ۱۰۴۴ھ " (سام ح)

اور نہ اسقدر کبھی خرچ ہوا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کر و فر کے ساتھ جشن کرنے سے یہہ مقصود تھا کہ سوداگروں کو جنکا کمخاب وغیرہ لڑائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکنے میں نہیں آیا تھا کچھ فائدہ ہو جائے اس جشن میں اُمرا کو بہت خرچ پڑا اور آخر کار اُسکا ایک حصہ فوج کے بیچارے سواروں کے سر تھوپا جنکو اپنے اپنے امیر کے حکم سے مجبوراً قبا وں کیواسطے کمخاب خریدنا پڑا

ان سالانہ جشنوں کے موقع پر ایک قدیم دستور ہے جسکو اُمرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی اُنکو ایک عمدہ پیشکش نذر کرنا پڑتا ہے جسکی قیمت بمناسبت اُنکی تنخواہوں کے کم یا زیادہ ہوتی ہے اور بعض اُمرا نہایت ہی عمدہ عمدہ چیزیں نذر کرتے ہیں اور یہہ کبھی بغرض نمایش اور کبھی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست بُرد کی تحقیق و تفتیش کے حکم دینے سے جو اُنہوں نے اپنے برسر عہدہ ہونے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز رہے اور بعض اوقات اُسکے خوش کرنے اور اس طرح پر اپنی تنخواہ بڑھوا لینے کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض تو عمدہ موتی اور ہیرے اور زمرد اور یاقوت پیش کرتے ہیں اور بعض سونیکے مرصع برتن اور بعض بہت سی اشرفیاں جو بارہ بارہ روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقع پر جو اورنگ زیب نے بلحاظ جعفر خاں کے وزیر ہونے کے یا رشتہ داری کی وجہ سے اس کی نو تعمیر حویلی کے دیکھنے کے حیلہ سے اُسکے ہاں گیا تو اُسنے اڑہائی لاکھ روپیہ کی اشرفیاں اور کچھ عمدہ موتی اور ایک لعل جسکی قیمت ایک لاکھ روپیہ آنکی

گئی تھی نذر کیا۔ مگر شاہجہاں نے جو جواہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتا تھا اُسکی قیمت صرف ساڑھے بارہ سو روپیہ سے بھی کم تجویز کی جسکو سنکر بڑے بڑے جوہری جنہوں نے اسکے جانچنے میں بالکل دھوکا کھایا تھا حیران رہگئے۔

مینا بازار کا ذکر

کبھی کبھی ان جشنوں کے وقت محلسرا میں ایک فرضی بازار بھی لگا کرتا ہے جسمیں اُمرا اور بڑے بڑے منصبداروں کی خوبصورت اور دلربا بیبیاں دوکانیں لگا کر بیٹھتی اور عمدہ کمخاب اور نئی نئی وضع اور عمدہ زردوزی کام کی چیزیں اور زری کار مندیلیں اور سفید باریک کپڑے جو امیرزادیوں کے استعمال میں آتے ہیں اور اور بیش قیمت چیزیں فروخت کرنیکو رکھتی ہیں اور بادشاہ اور اُسکی بیگمیں اور شاہزادیاں اور اور عالی رتبہ ناتونیں خریدار بنتی ہیں۔ اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور حسین ہوتی ہے تو اُسکی ماں اُسکو ضرور اپنے ساتھ لیجاتی ہے۔ تاکہ بادشاہ کی نظر پڑجاے۔ اور بیگمات سے بھی تعارف ہو جاے۔ اس میلہ کا بڑا لطف یہہ ہے کہ ہنسی اور مذاق کے طور پر خود بادشاہ ایک ایک پیسہ کے لیئے جھگڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہہ بیگم صاحب بہت گراں فروش ہیں دوسری جگہہ سے اس سے اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کوڑی بھی زیادہ نہ دینگے اُدھر وہ کوشش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور جب دیکھتی ہے کہ بادشاہ زیادہ قیمت نہیں لگاتا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑھ جاتی ہے کہ یہہ کہہ اُٹھتی ہے کہ آپ اپنے برنٹ بیچنے کی خبر لیں اِن چیزوں کی قیمت آپ کیا جانیں اور

یہہ آپ کے لائق نہیں ہیں بہتر ہے کہ کسی اور جگہہ تلاش کریں اور بیگمیں بادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدنا چاہتی ہیں غرض کہ دونوں طرف کی ایسی گفتگو بڑھ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سوانگ سا معلوم ہوتا ہے مگر آخر کار سودا طے ہو جاتا ہے۔ اور بادشاہ اور بادشاہزادیاں اور بیگمیں جو چیزیں ادھر اُدھر سے خریدتی ہیں اُنکی قیمت فوراً دیدیتی ہیں اور روپیوں کی جگہہ اشرفیاں اس طور سے ہاتھ سے ڈال دیتی ہیں کہ گویا دوکاندار یا اُسکی بیوی کے حُسن و جمال نے اُنکو ایسا محو کر دیا ہے کہ روپیوں اور اشرفیوں کی تمیز بھی نہیں رہی اور ویسی ہی بے پروائی سے دوکاندار اُنکو اُٹھا لیتی ہے اور اسی طرح سے یہہ جلسہ دل لگی اور چہل میں ختم ہو جاتا ہے۔!

شاہجہاں عورتوں کی طرف ذرا زیادہ مائل تھا۔ اور اگرچہ بعض امرا کو ناگوار گزرتا مگر وہ ہر ایک جشن کے موقع پر یہہ سوانگ کرایا ہی کرتا اور فی الواقع یہانتک اعتدال سے گزر جاتا تھا کہ اس موقع پر اُن عورتوں کو بھی محل میں بُلا لیتا اور رات بھر وہیں رکھتا تھا جنکو "کنچنی" کہتے ہیں۔ جسکے معنی ہیں سونے سے مُلمّع کی ہوئی اور پھول کی طرح کھلی ہوئی۔ گو یہہ عورتیں بازاری نہ تھیں بلکہ ایک خاص طور کی اور باعزت ہوتی تھیں جو بیاہ شادی کے موقع پر اُمرا اور منصبداروں کے ہاں صرف ناچنے گانے کے لیے جاتی تھیں۔! ان کنچنیوں میں اگرچہ اکثر صاحب حُسن و جمال ہیں اور لباس و پوشاک بھی عمدہ رکھتی ہیں اور گانے میں بھی اُن کو کمال ہے اور ناچنے میں تو اپنے اعضا کو اس خوبی سے لچکاتی اور اس سرعت اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے

اور تال و سم میں بھی درست رہتی ہیں مگر پھر کسبی ہیں۔

شاہجہاں اسی پر قناعت نہ کرتا تھا کہ یہہ عورتیں اس میلہ میں آئیں بلکہ بدھ کے روز جو معمول کے موافق دربار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر رات بھر کے لیئے ٹھہرالیتا اور ان کے ناچنے گانے سے حظ اٹھاتا تھا۔ لیکن اورنگزیب باپ سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ اور اسنے ان کا محل میں آنا بالکل بند کردیا ہے مگر معمول کے موافق چہارشنبہ کو دربار میں حاضر ہونے سے منع نہیں کیا۔ اور صرف دور سے سلام کرکے رخصت ہوجاتی ہیں!

اب چونکہ میں جشن اور مینا بازار اور کنچنیوں کا ذکر کر رہا ہوں تو ایک واقعہ کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جو برنارڈ Burnerd نامے ہمارے ایک ہموطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ میرے نزدیک بھی پلوٹارک*

---

* پلوٹارک Plutarch قدیم زمانہ کا ایک مشہور مصنف ہے۔ یہہ کردنیا کا رہنے والا تھا جو یونان کے ضلع بوتیا میں ایک شہر ہے۔ اسکی پیدایش کا زمانہ ٹھیک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ کلاڈیس رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی ۴۸ء سے لیکر ۵۰ء تک کسی سال میں پیدا ہوا تھا یہہ ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھا اور اسنے ایتھنس حکیم سے فلسفہ کے وہ اصول سیکھے جو نفس ناطقہ اور قواے عقلی سے تعلق ہیں اور اس میں بڑی شہرت حاصل کی علم اخلاق اور علم رجال میں اسکی بہت سی تصنیفات ہیں اور اسکی عمدگی خیالات اور مہارت علمی اور اس خاص طور کی خوبی کا اثر جو اسکی تمام تحریروں میں پائی جاتی ہے پڑھنے والوں کی زبان تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور گرویدہ کرلیتا تھا۔ اسکی تصنیفات میں سے جس کتاب نے اسکو حیات جاودانی بخشی وہ روم اور یونان کے چھیالیس مشہور و معروف لوگوں کا تذکرہ ہے جسکے بہت سے ترجمے فرانسیسی انگریزی اور جرمن وغیرہ میں ہوئے ہیں اسکی وفات کا سال بھی معلوم نہیں مگر قیاس کیا گیا ہے کہ شہنشاہ ہیڈرین رومی کے پانچویں سنہ جلوس میں ستر برس کی عمر میں مرا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (س - م - ح)

کا یہہ قول صحیح ہے کہ " جزوی اور خفیف باتوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات اُن سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و ذکا کے باب میں صحت کے ساتھ رائے قائم کرنے میں بڑی بڑی باتوں کی بہ نسبت زیادہ مدد ملتی ہے " اسلیئے اگرچہ یہہ ایک ہنسی کا قصہ ہے مگر تاہم سُننے کے لائق ہے!

برنارڈ جہانگیر کے اخیر زمانہ میں ایک امی اور فی الواقع ایک نہایت کامل طبیب اور جراح تھا اور بادشاہ اُسپر بہت مہربانی کرتا تھا۔ چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہوجاتا تھا اور دونوں حد سے زیادہ شراب پی لیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے۔ اور بادشاہ کا یہہ حال تھا کہ شب و روز عیش و نشاط میں مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی مشہور و معروف بیگم نورجہاں کو سونپ رکھا تھا جسکی نسبت اُسکا یہہ قول تھا کہ " اُسکی عقل و دانائی سلطنت کے انتظام کے لیئے کافی ہے مجھے دخل دینے کی حاجت نہیں " برنارڈ کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس روپیہ روز تھی مگر شاہی محلسرائیں اور اُمرا کے ہاں معالجہ کے لیئے جانیکے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ نہ صرف اُسکے طبیب ہونیکی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج میں دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھکر اُسکی تواضع کرتے تھے اُسکو بہت کچھ حاصل ہو رہتا تھا مگر وہ روپیہ کی کچھ بھی قدر نکرتا تھا اور ایک ہاتھ سے لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا تھا اور اِس لیئے سب لوگ اُسکو عزیز جانتے تھے خصوصاً

"کنچنی" جسکو اُسنے بہت کچھ کھلایا تھا- پس اُسکے ہاں جو ہمیشہ رات کو ان عورتوں کا جمگھٹ ہوتا تھا یہ ان میں سے ایک نوخیز عورت پر جو نہایت حسین اور ناچنے میں مشہور تھی فریفتہ ہوگیا اور چند طرح طرح کی کوششیں کیں لیکن اس عورت کی ماں کا خیال ہے کہ کم عمری کی وجہ سے اُسکے حسن وجمال کی رنگینی میں فرق نہ آجاوے ایک خط اُسکو اپنی نظر سے جدا ہونے نہیں دیتی تھی اس حالت میں یہ بیچارہ معشوق کے وصال سے مایوس ہو رہا تھا ایک دن جہانگیر نے جو میر دربار تھا اُسکے ایک بے نظیر علاج کے صلہ میں اسکو انعام دینا چاہا تو اُسنے عرض کیا امیدوار ہوں کہ حضور عالی اس انعام سے معاف رکھیں اور بجائے اسکے میری التجا منظور فرمائیں کہ یہ نوجوان کنچنی بڑا باب نشاط کے ساتھ سلام کو حاضر ہوئی ہے مجھے عنایت ہو- تمام دربار اُسکے اس عذر اور ایسی درخواست کے سننے سے جو اُسکے عیسائی اور اس کنچنی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے شاید ہی قابل قبول معلوم ہوتی تھی مسکرایا- لیکن جہانگیر نے جسکو دین اور مذہب کا کچھ بھی خیال نہ تھا ایک بڑا قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اس کنچنی کو اسکے کاندھے پر چڑھا دو اور کہو کہ لیجاوے- چنانچہ فوراً بھرے دربار میں یہ اُسکے کاندھے پر چڑھا دی گئی اور وہ اس انعام کو لیکر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا-

ہاتھیوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر

جشن کا اختتام ہمیشہ ایک ایسے تماشے پر ہوتا ہے جس سے یورپ میں کوئی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی پر جو عامہ خلائق کے سامنے جمنا کی ریتی میں لڑائے جاتے ہیں اور

بادشاہ اور بیگمات اور تمام امرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہ تماشا دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھ فٹ اونچی بنائی جاتی ہے اور اسکے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جنپر دو دو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کیے جاتے ہیں دوسرا آدمی اسلیے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا انکس سے اسکو چلائے۔ اور یہ لوگ کبھی تو انکو بڑا وادیکر اور کبھی برا بھلا کہکر اور بانودوں سے ہول کر آگے بڑہاتے ہیں یہاں تک کہ یہ بیچارے جانور دیوار کے پاس پہنچکر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر خوف آتا اور سر اور سونڈ اور دانتوں کے زخموں سے ان کا زندہ رہنا تعجب معلوم ہوتا ہے۔ یہ لڑائی اکثر رہ رہ کر ہوتی اور مٹی کی دیوار آخر کار گر جاتی ہے اور زبردست اور دلیر ہاتھی اسکو پھاند کر حریف پر حملہ کرتا اور اسکو بھگا دیتا ہے اور ایسا پیچھا دباتا ہے کہ آتشبازی کی چرخیوں کے بغیر جو انکے بیچ میں چھوڑدی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہ جانور بالطبع ڈرپوک ہے اور خصوصاً آگ سے بہت ڈرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشی ہتھیار لڑائی میں برتے جانے لگے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کار آمد رہ گئے ہیں اور اگرچہ سرا ندیپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں۔ مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں لیجانے سے پہلے برسوں تک ڈر کھونے کے لیے انکے کانوں کے پاس بندوقیں اور ٹانگوں میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔

ان عظیم الشان جانوروں کی لڑائی کا تماشہ بڑی بیدردی پر ہوتا ہے
بلکہ اکثر یہہ ہوتا ہے کہ ہاتھی اپنے حریف کے مہاوت کو اپنی سونڈ سے
پکڑ کر نیچے گرا لیتا اور فوراً پانوں سے کچل ڈالتا ہے اور مہاوتوں کا کام ایسا
خطرناک ہے کہ یہہ بدنصیب آدمی اپنے جورو بچوں سے اس طرح پر رخصت ہو
لیتے ہیں کہ گویا مرنے کو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل کو اس خیال سے کسیقدر
تسلی رہتی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُنکی کارگزاری سے راضی ہوا
تو نہ صرف اُنکی تنخواہ بڑھ جائیگی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پچیس روپیے کے
پیسوں کی ایک تھیلی ملجائیگی اور اگر کام آگئے تو اُنکی تنخواہ اُنکی بیوی کو ملتی
رہیگی اور بیٹا اُنکی جگہہ نوکر ہو جائیگا! اس تماشے میں مہاوتوں ہی کی
جان نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان غصے میں بھرے ہوے جانوروں
سے بچنے کے لیئے ایسی سخت بھاگڑ پڑتی ہے کہ پیدل اور سوار اس طرح
پر بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھیوں کے پانوں سے
کچل جاتے ہیں! چنانچہ جب دوسری بار مجھکو اس تماشے کے دیکھنے کا
اتفاق ہوا تو صرف اپنے گھوڑے کی خوبی اور دو خدمتگاروں کی کوشش
کی بدولت بچا تھا۔

جامع مسجد کا ذکر اب موقع ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کیطرف
رجوع کروں جسکی دو عمارتوں کا ذکر کرنا ابتک باقی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے
ایک تو بڑی مسجد ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونیکے

* اس مسجد کی بنیاد ۱۰ شوال ۱۰۶۰ ہجری مطابق ۱۶۵۰ عیسوی شاہجہان کے جلوس ۲۴

سبب سے بہت دور سے نظر آتی ہے اور اسکی بنیاد رکھنے سے پہلے پہاڑی کا سطح خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چوکور میدان کھول دیا گیا تھا جہاں مسجد کی چاروں سمتوں سے چار بڑے بازار آنکر ملتے ہیں چنانچہ اُن میں سے ایک تو صدر دروازہ کے سامنے ہے اور دوسرا عقب میں اور دو دونوں بغلی دروازوں کے محاذی ہیں اور اندر جانیکے لیئے تینوں ضلعوں میں کوئی پینتیس پینتیس بتیس بتیس زینہ پتھر کی خوبصورت سیڑھیاں بنتی چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک پتھر گھڑ گھڑا کر خوب صاف کر کر لگائے گئے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپ کر عمارت خوبصورت ہو گئی ہے۔ اسکے تینوں دروازے سنگ سرخ سے بنے ہیں اور نہایت عالیشان ہیں اور اُن کے کواڑوں پر تانبے یا پیتل کی پتیاں جڑی ہوئی ہیں مگر صدر دروازہ جسپر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں اور بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں زیادہ نشاندار ہے مسجد کے پیچھے کے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جنکے اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دوسروں کی بہ نسبت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

سال جلوس میں رکھی گئی تھی اور ہر روز پانچ ہزار راج مزدور بیلدار اور سنگ تراش کام کرتے تھے اور باوجود اس اہتمام کے چھ برس میں دس لاکھ روپیہ خرچ ہو کر تیار ہوئی اسکے تین گنبد ہیں دو سو ایک گز طول اور سینتیس گز کے عرض میں دالان کو سات محرابیں ہیں اور باہر صحن کیطرف گیارہ دروازے جنمیں سے ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ پانچ ادھر اُدھر والے ذرا نیچے ہیں اور بڑے دروازہ پر کلمۂ یا ہادی بطور طغرا اور باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا لقب اور تاریخ تعمیر اور زر مصارف سب کچھ

بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف یہی حصہ مسقف ہے باقی گنبدوں سے لیکر صدر دروازہ تک بالکل کھلا ہوا ہے جو گرمی کی وجہ سے کھلا رکھنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ میں سفید سنگ مرمر کا (جسپر سنگ موسیٰ کی تحریر سے مصلّے بنے ہوئے ہیں) اور بیرونی میں سنگ سرخ کی سلوں کا فرش ہے

میں قبول کرتا ہوں کہ یہہ عمارت باوجود ان اصول کے جنکو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اسمیں کچھ عیب بھی نہیں پاتا ایک ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا خوبی لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی گرجا اسی نقشے پر بنایا جاوے تو اپنی نرالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب لوگوں کو پسند آوے - ! تینوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا جو

نور اللہ خوشنویس نے خط نسخ سے لکھا تھا سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جنمیں اوپر جانیکے لیے زینے اور سروں پر بارہ دری کی برجیاں بہت دلکشا بنی ہوئی ہیں ! شمالی مینارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ سرخ کا ہی جابجا سے ٹوٹ گیا تھا مگر سرکار عالیہ انگریزی نے سنہ [illegible] ہجری مطابق سنہ [illegible]ع میں اس مینار کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا - اس مسجد میں چونکہ کوئی مکبّر بنا ہوا نہ تھا اور اسوجہ سے امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اسواسطے شاہزادہ میرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے سنہ ۱۲۴۵ ہجری مطابق سنہ ۱۸۲۹ع میں بڑے دروازہ کے بیچ میں ایک مکبّر سنگ [illegible] کا بہت خوشنما بنوا دیا ہے - مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور صحن سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے مصلّے بنا دیے ہیں یہہ بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے ! جانب شمال کے دالان میں کچھ

سنگ مرمر کی ہیں باقی عمار
بنسبت ذرا گرم ہے اور زما
ہندوستان کے لوگوں کا
کچھ مدت بعد اُسمیں پھر پیدا
عجیب ہی اور غلط یا صحیح اسکا
ہیں کان میں پانی بھر جاتا
نہیں دیکھتا۔

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان آکو سناتیں ہیں ... بجا
جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑہنے آجاتا ہے اور جس راستہ سے اُسکا گذر ہوتا
ہے اُسمیں ... سے گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہوجانیکے لیے چھڑکاو

... برکات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف
کہلاتا ہے مسجد کا صحن ایکسو چھتیس گز کے عرض و طول سے اور اسکے بیچ میں
چند ... بارہ گز کا نرے سنگ مرمر کا حوض ہے جسمیں فوارہ لگا ہوا ہے صحن
کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں
اور چاروں کونوں پر بارہ دری کے چار برج ہیں۔ جنوبی اور شرقی دالان کے بیچ
دائرہ ہندسی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں
برنجی کواڑ چڑہے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازہ میں رہنے کے لائق حجرے بنے ہوئے
ہیں اور تینتیس سیڑھیاں ہیں جن پر ہر سے پہر کو مجمع عام ہوتا ہے۔ اور لباطی
اور فالودہ والے اور کبابی اور اصیل مرغ بیچنے والے اور شوقین جوان انڈے
لڑانے والے آکر جمع ہوتے ہیں۔ شمالی دروازہ میں بھی رہنے کے حجرے بنے
ہوئے ہیں اور اسطرف انتالیس سیڑھیاں ہیں۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھتے

...نات تین یا چار سو سپاہی
...پاس چھوٹی یہ چھوٹی مگر بہت
...خلاف ہوتا ہے۔ اور
...عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ
...وقت راستہ کھلا اور
...آگے چلتے ہیں کہ
...سب تیاری ہوجاتی ہے
...سپر سنہری اور منقش کام
...ہے۔ اور کبھی سنہری اور

لاجوردی کام کے تخت رواں پر جو کمخاب یا ارغوانی رنگ کی مخمل وغیرہ سے منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جسکو آٹھ چیدہ اور بہاری بھاری وردیوں والے کہار کاندھے پر اٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے۔ اور

اور سودے والے دوکانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف مداریوں اور قصہ خوانوں کا ہوتا ہے۔ قصہ خوان مونڈھا بچھا کر بیٹھتا ہے اور داستان امیر حمزہ یا قصہ حاتم طائی اور کہیں داستان بوستان خیال سناتا ہے جسکے سننے کو سیکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں ایک طرف مداری تماشا کرتا ہے اور بھان متی کا کھیل ہوتا ہے اور بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بناتا ہے۔ شرقی دروازہ میں بھی مکانات بنے ہوئے ہیں اور اسکے آگے ہمیشہ سیڑھیاں ہیں جنپر ہر روز گزری لگتی ہے۔ جو گویا ہر روز کا میلا ہے۔ بزاز طرح طرح کے کپڑے الگنیوں پر ڈالتے ہیں اور شوقین جوان طرح طرح کے خوش آواز جانور پنجروں میں لیے ہوئے سیر کرتے پھرتے ہیں۔ ایک طرف کبوتر والے کبوتر بیچتے ہیں ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لیے کھڑے ہیں۔ (آثار الصنادید) ص ۲۶

پیچھے پیچھے بہت سے اُمرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعضے پالکیوں پر سوار ہوتے ہیں اور انہیں میں ملے جُلے بہت سے منصبدار اور چاندی کی چھڑیوں والے چوبدار وغیرہ ہوتے ہیں! میں اس سواری کو سلطان روم کی با شان و شوکت سواری سے تشبیہ نہیں دے سکتا اور نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طور کے جلوس سے کیونکہ اسکا تجمل اور عظمت و شان اُور ہی طرح کا ہے مگر کچھ کم شاہانہ نہیں ہے۔

کاروانسرا کا ذکر دوسری قابل الذکر عمارت وہ کارواں سرا ہے جو شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے جسکا میں نے گزشتہ لڑائی کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے بنوائی تھی اور نہ صرف اس شاہزادی ہی نے بلکہ اور امرا نے بھی بڈھے بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی رونق بڑھانے میں بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ یہ ہمارے پلیس رائل (Place Royal) کی طرح ایک بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جس میں برابر کوٹھریاں اور اُن کے آگے علیحدہ علیحدہ برانڈے ہیں اور یہ دو منزلی ہے اور جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برانڈے نیچے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں اور ایرانی اور تورانی اور اور پردیسی دولتمند تاجر حفاظت کی جگہ سمجھ کر اسمیں اکثر ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ رات کو اسکا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کاش پیرس میں بھی دس بیس جگہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیوں کو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اسقدر حیرانی نہ ہوتی جسقدر کہ اب ہوتی ہے اور تاوقتیکہ دوست آشناؤں سے مل کر زیادہ آرام

کا مکان ہم پہنچا میں اُن میں ٹھہرتے اسکے علاوہ یہہ ہر قسم کے مالِ تجارت کے ٹھہرنے اور پردیسی سوداگروں کے اترنیکے لئے ایک عمدہ اور آسایش کے مقام ہوتے -

پیرس اور دہلی کی آبادی اور لوگوں کی خوش حالی اور مفلسی کا مقابلہ

اب چونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے یہہ ضرور دریافت کرینگے کہ اس شہر کی عام آبادی کی تعداد اور آسودہ حال لوگوں کا شمار پیرس کے مقابلہ میں کیا ہے - پس دلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسکو بیان کرتا ہوں - واضح ہو کہ پیرس کے تمام مکانات سہ منزلہ اور چومنزلہ ہونے اور قریباً اُن سب کے لوگوں سے معمور اور بھرے ہوئے ہونے اور اسطرح پر اسکے تین یا چار شہروں کے برابر ہونے اور سڑکوں اور گلی کوچوں کے عورت و مرد اور پیدلوں اور سواروں اور انواع و اقسام کی گاڑیوں سے بھرے رہنے اور بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے اسمیں بہت کم ہونے پر خیال کرکے پیرس مجھکو آدمیوں کے ایک بن کی مانند معلوم ہوتا ہے - اور اسوجہ سے میں یقین نہیں کرسکتا کہ جتنے آدمی اسمیں ہیں اتنے ہی دہلی میں بھی ہوں مگر جب ہندوستان کے اس دارالسلطنت کی وسعت اور بیشمار دکانوں اور اس امر پر خیال کرتا ہوں کہ امرا کے علاوہ پینتیس ۳۵ ہزار سوار تو اسمیں کبھی کم نہیں رہتے جو قریباً سب کے سب عیالدار اور صاحب اولاد اور سب کے پاس بہت سے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طرح علحدہ علحدہ مکانوں میں رہتے

ہیں اور کوئی ایسا گھر نہیں جسمیں عورتیں اور لڑکے بالے موجود نہوں اور شام کو جب ذرا گرمی کم ہوجاتی ہے اور لوگ باہر نکلتے ہیں تو تمام سڑکیں اور گلی کوچے باوجود اپنی وسعت کے خلقت سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور بہیہ دار سواریاں (جنسے جگہہ رُک جاتی ہے) بہت ہی کم دیکھائی دیتی ہیں تو ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ دہلی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہے۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر یہاں آدمی نہوں تو کچھ بہت کم بھی نہوں گے۔ البتہ اگر آسودہ حال لوگوں پر نظر کیجاے تو بیشک پیرس میں اور اسمیں ایک نمایاں تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دس میں سے سات یا آٹھ آدمی کپڑے لتّے سے دُرست اور معقول صُورت نظر آتے ہیں لیکن دہلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دیکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور میلے پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں جو بیچارے فوج کی وجہ سے یہاں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے وضعدار اور عمدہ اور ستھرا لباس پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور نفر خدمتگار ساتھ لیئے ہوئے ہوتے ہیں۔

امرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر

جسوقت امرا اور راجہ اور منصبدار لوگ چوکی دینے یا دربار میں حاضر ہونے کو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کوئی زیادہ دیدنی مقام نظر نہیں آتا۔ چنانچہ چاروں طرف سے بہت کو

منصبدار ساز و سامان سے دُرست اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور چار خوش پوشاک خدمتگار ساتھ لیئے ہوئے جنمیں سے دو پیچھے اور دو راستہ کھلا رکھنے کے لیئے آگے آگے رہتے ہیں آتے ہیں - اور اُمرا اور راجہ بعضے تو گھوڑوں پر اور بعضے عمدہ ہاتھیوں پر اور اکثر مکلف پالکیوں میں جنکو چھ چھ کہار لگے ہوئے ہوتے ہیں زربفت کا تکیہ لگائے پان چباتے آتے ہیں جس سے یہہ مقصود ہوتا ہے کہ مونہہ خوشبودار اور ہونٹ سُرخ ہو جائیں اور پالکی کے ایک طرف تو ایک خدمتگار دانت خلال اور چاندی یا چینی کا اُگالدان جسکا حقہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے لیئے ہوئے ہوتا ہے اور دوسری جانب دو خدمتگار ہوتے ہیں جو اپنے آسایش پسند مالک کو پنکھا جھلتے یا گرد و غبار اور مکھیاں اوڑانے کو مورچھل ہلاتے ہیں اور تین چار پیادے راستہ کھلا رکھنے کے لیئے آگے آگے دوڑتے اور کچھ منتخب اور وجیہ خوش لباس جوان گھوڑوں پر چڑھے ہوئے پیچھے پیچھے چلتے ہیں

دہلی کی نواح کے بعض مکانات وغیرہ کا ذکر

دہلی کے نواح کی زمین نہایت زرخیز ہے اور اُسمیں ایکھ - گیہوں - جو - نیل - دہان - باجرہ - جوار - مونگ - ماش - اور موٹھ وغیرہ جو عام لوگوں کی خوراک ہے بافراط پیدا ہوتے ہیں - دہلی سے چھ میل آگرہ کے راستہ پر ایک مقام ہے جسکو مسلمان قطب الدین کہتے ہیں اور یہاں ایک بہت قدیم عمارت* ہے جو کبھی

* مصنف کا مقصود غالباً وہ دہرا ہے جسکو ہندوستان کے مشہور راجہ پرتھی راج عرف راے پتھورا

ہندوؤں کا دہرا تھا اور اُسپر ایسے حروف میں کچھ کھدا ہوا ہے جو
ہندوستان کی مروجہ زبانوں کے حروف میں سے کسی سے
بھی نہیں ملتے اور نہ کوئی شخص اُنکو پڑھ سکتا ہے اور دوسری جانب
شہر کے ایک بادشاہی باغ ہے جسکو "شالامار" کہتے ہیں اور جو ایک
بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت ہے لیکن "فونٹن بلو"(۱) اور "سینٹ(۲)
جرمین" اور "ورسیلس"(۳) کے مقابلہ کا نہیں۔ یقین ہے کہ دہلی کی نواح

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ نے سنہ ۱۲۰۰ بکرماجیتی مطابق سنہ ۱۱۴۳ء اور سنہ ۵۳۸ ہجری میں اپنے قلعہ کے ساتھ بنوایا تھا
اور سنہ ۵۸۷ ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۱ عیسوی اور موافق سنہ ۱۲۴۷ بکرماجیتی میں معزالدین بن سام
عرف شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے جو آخرکار دہلی کا بادشاہ ہوا
اور سلطان قطب الدین کہلایا۔ جب دہلی کو فتح کیا تو اسکو مسجد بنا دیا اور شرقی دروازہ پر
فتح کی تاریخ اور اپنے نام کا کتبہ کھدوایا مگر کوئی ایسے حروف جنکی طرف مصنف نے اشارہ
کیا ہے اسپر کہیں کندہ نہیں ہیں البتہ اسکے صحن میں ایک لاٹھ ہے جو صرف پانوں
تک لوہے کی ڈھلی ہوئی ہے اور جو زمین پر سے بائیس فٹ چھ انچ بلند اور جسکی جڑ
کی موٹائی کا محیط پانچ فٹ تین انچ ہے اور اسکی نسبت یہ کہانی مشہور ہے جو بالکل غلط ہے
کہ راجہ پتھورا کے وقت میں پنڈتوں نے اسکو باسک ناگ کے سر پر نصب کیا تھا کہ راجہ پتھورا کی خاندان
کی علداری کبھی نہ ٹلے۔ اسپر سنسکرت زبان اور ناگری حروف میں تین شلوک کندہ ہیں جنکا خلاصہ مضمون یہ ہے
کہ سندہ کے راجہ نے راجہ دھاوا کے لئے فوج جمع کی تھی۔ بعد لڑائی کے راجہ دھاوا نے فتح پائی اور یہ لاٹھ
بطور یادگار اپنی فتح کے بنائی اور اسکے بننے سے پہلے مر گیا۔ صاحب آثار الصنادید لکھتے
ہیں کہ جیمس پرنسب صاحب نے لکھا ہے کہ اس راجہ کا اور کچھ حال معلوم نہیں بجز اسکے
کہ ہستناپور کے راجاؤں میں کا ایک راجہ ہے اور اس قسم کے ناگری حروف تیسری یا
چوتھی صدی عیسوی میں جاری تھے اور اس سبب سے انہوں نے خیال کیا ہے

ل [illegible]

(1) Fontainbleau (2) Saint Germain (3) Versailles

میں ایسے محل اور عالیشان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلوڈ (۱) - چینٹلی (۲) - میوڈان (۳) - لائنکور (۴) وا (vau) - یار ویل ہیں اور نہ ویسے مختصر باغات ہیں جنکے مالک غیر ملازم شرفا اور اہل شہر اور سوداگر ہوں لیکن یہہ کچھ جاے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسیکو بھی حق ملکیت زمین حاصل نہیں ہے -

---

حاشیہ متعلقہ صفحہ گزشتہ Saint Cloud,[1] Chantilly,[2] Meudon,[3] Liuncour[4]

کہ یہہ لاٹھ پانچویں صدی سے بہت درست بلکہ آٹھویں صدی میں بنی تھی مگر ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ راجاؤں کی تاریخ ۱۰۰۶ عیسوی سے مسلمانوں کی عملداری ہونے تک بصحت تمام ملتی ہے اور ان تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے - علاوہ اسکے اس لاٹھ پر سمت کندہ نہ ہونے سے یقین پڑتا ہے کہ بکرماجیت سے پہلے کی ہے کیونکہ بکرماجیت سے پیچھے سمت لکھنے کا اور کوئی نہ کوئی سنہ مقرر کرنیکا بالکل رواج ہوگیا تھا - اسکے سوا اُس زمانہ میں ہستناپور کے راجاؤں کا راج بالکل جاتا رہا تھا - ان دلیلوں سے ہمارے نزدیک یہہ لاٹھ راجہ میدہادی عرف راجہ دہاوا کی بنائی ہوئی ہے - جو راجہ جدہشٹر کی اولاد میں سے اُنیسواں (۱۹) راجہ ہے - اور اگرچہ یہہ راجہ اندرپت میں آبسے تھے الا قدیم تخت گاہ اُن کا ہستناپور ہی تھا اور اسی سبب سے ہستناپور کے راجہ کہلاتے تھے - مذہب اس راجہ کا بشنوئی تھا اور اس لاٹھ کے کتبہ سے بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے - تاریخ کی مروجہ کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ میدہادی اگرچہ نوسو پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسندنشین ہوا الا انگریزی مورخوں نے جو صحیح حساب راجہ جدہشٹر کی مسندنشینی کا نکالا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ راجہ آٹھ سو بچانوے سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسندنشین ہوا تھا - اور اس سبب سے ہماری راے میں یہہ لاٹھ نویں صدی میں قبل حضرت مسیح علیہ السلام بنی الا ناتمام پڑی رہی اور ایک مدت بعد کسی راجہ نے راجہ دہاوا کا فتح نامہ جس مقصد سے اُس راجہ نے اسکو بنایا تھا کھدوا کر لاٹھ کو نصب کر دیا - اور کچھ عجب نہیں کہ یہہ

دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستہ کا ذکر

دہلی اور آگرہ کے مابین جو ڈیڑھ سو یا ایکسو اسی میل کا فاصلہ ہے اُسمیں نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے (حالانکہ فرانس میں مسافر کو اسقدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں) اور نہ کوئی اور دلچسپ مقام ہے البتہ متھرا جہاں ہندوؤں کا ایک قدیم اور عالیشان مندر دیکھنے کے لیئے اب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کاروانسرائیں جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں۔ اور اس رستہ کے دونوں طرف سایہ کے لیئے دوہری قطار میں درخت لگے ہوئے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لیئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔ *

شہر آگرہ عرف اکبرآباد کا ذکر

میںنے دہلی کی جو کیفیت بیان کی سب اُسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اور عمارتیں بھی جمنا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اسوجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے کہ جسنے اُسکو آباد

بات تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ہو۔ جب ... نے اس لاٹھ کے قریب قلعہ اور مندر بنایا تب یہ لاٹھ مندر کے صحن میں اور جب اُسکو توڑ کر قطب الدین ایبک نے مسجد بنایا تب مسجد کے صحن میں آگئی۔ چنانچہ ابتک وہیں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر برنیئر نے غالباً اسی لاٹھ کے حروف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲ س م ح

---

* یہ سڑک شہنشاہ جہانگیر نے اپنے جلوس کے چودھویں سال مطابق ۱۰۲۸ ہجری میں اکبرآباد سے لاہور تک بنوائی تھی۔ چنانچہ اسکے بعض بعض منارے ابتک بھی کہیں کہیں موجود و قائم ہیں۔ س م ح

کرکے اپنے نام پر اسکا اکبرآباد نام* رکھا تھا) بادشاہان ہندوستان اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اسکو وسعت اور کثرت عمارت میں جنکو اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا ہے دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی اسمیں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کرسکتا ہے۔ اور جنکا بیان میں آیندہ کروں گا۔ لیکن اسکی شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اور اُمور میں بھی دہلی سے گھٹا ہوا ہے۔ اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز ہوکر نہیں بنایا گیا اسلیئے دہلی کی سی متحد الوضع اور سیدھے اور وسیع بازار جنسے اُسکو امتیاز حاصل ہے اسمیں نہیں ہیں البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُنکی عمارت بھی اچھی ہے مگر اُن میں ہو بازی بھی زیادہ بیٹھتے ہیں اور اُن کے سوا سب چھوٹے چھوٹے اور تنگ اور بیقاعدہ ہیں جنمیں بہت سے گوشے اور پیچ و خم ہیں اور اِس سبب سے جب بادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو اُن میں عجیب کشمکش اور دھکا پیل رہتی ہے! میں خیال کرتا ہوں کہ اِن دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز باتیں ہیں وہ میں نے سب بیان کردی ہیں مگر اُن پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ آگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہوکر دیکھیں تو گانوں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُسکا منظر گانوں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما

* یہہ صحیح نہیں ہے بلکہ اکبر اور جہانگیر کے وقت تک آگرہ ہی کہلاتا تھا اور بموافق روایت صاحب بادشاہنامہ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہہ نام جو پہلے تھا بدل کر اکبرآباد نام رکھا تھا چنانچہ اسی روز سے اکبرآباد ہی مشہور ہے۔ ۱۲ س م ح

ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں
میں سایہ کے لیئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور اُمرا اور راجہ
اور اَور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک
دوسرے سے فصل کے لیئے نہایت فرحت بخش پھول پھلواری
اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور اُن میں ہندو مہاجنوں کی
اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر
کوئی پرانی گڑھی۔

ایک گرمی سے جلے بھُنے مُلک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل
کرنے کو آنکھیں خودبخود سبزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر
بےشبہ دلکو ایک خاص طور کی فرحت دیتا ہے مگر یہ خیال کرکے کہ دنیا
کا ایک نہایت عمدہ اور خوشنما نظارہ دیکھنے میں آپکا آنکھو ہرن کے چھوڑنے
کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو یقیناً آپکو پوئنٹ آف ویو سے بھی حاصل ہو سکتا
Point new
ہے۔ چنانچہ اگر آپ ذرا دنکو اُسپر جاکر بیٹھیں اور دیکھیں کہ عمارت اور گاڑیونکا
کیا عجیب و غریب جمگھٹ اور طرح طرح کی چیزیں اور بھیڑ بھاڑ نظر آتی ہے
اور پھر رات کو بیٹھکر ملاحظہ کریں تو بیشک میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ
فرمائیے اِس سے زیادہ عجیب نظارہ اور کہاں دکھائی دیسکتا ہے۔
اور اسپر سے مکانات کی بیشمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دھیمی دھیمی
روشنی نظر آتی ہے ذرا دیکھئے تو وہ کیا لطف دکھاتی ہے اور جو بھیڑ بھاڑ
اور گاڑیوں اور لوگوں کا ہجوم دنکو رہتا ہے وہی آدھی رات کو بن نظر

آتا ہے اور ممالک ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں
بادیانت اہل شہر کی بیبیاں اور بیٹیاں بغیر چور اچکّوں کے خوف اور کیچڑ
وغیرہ کی تکلیف کے بے تکلّف بازاروں اور گلی کوچوں میں چلتی پھرتی
اور جہاں تک نظر جا سکتی ہے خواہ کوئی اور کیسا ہی موسم کیوں نہ چاروں
طرف لالٹینوں کی قطاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں -
مشفق من پیرس میں پونٹ نی آف پر کھڑے ہوکر بیشک آپ میری
ذمہ واری پر دعوی سے کہہ سکتی ہیں کہ دنیا میں انسان کا بنایا ہوا اس سے
زیادہ خوشنما کوئی منظر نہیں ہے - لیکن چین اور جاپان کی میں نہیں کہتا کیونکہ
مینے ان کو نہیں دیکھا اور اسکی خوبی اُسوقت اور بھی بڑھ جائیگی جبکہ لوائر (Louvre) کی تعمیر
ختم ہو جائیگی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اسکے نقشہ کو دیکھکر کہتے تھے
کہ یہہ صرف کاغذ ہی کا غذ پر دیکھائی دیتا رہیگا - حقیقتاً وجود میں آجائیگا !
انسان کے بنائے ہوئے منظر کی قید مینے اسلیئے لگائی ہے کہ دنیا کے
عمدہ مناظر کے ذکر کے موقع پر اس لفظ کے عام معنوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ
کے اُس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اسطرح نظر آتا ہے کہ
ایک طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پوائنٹ ڈیو سرٹیل (Point du serail) ہے مستثنیٰ
کردینا ضروری ہے حقیقت یہہ ہے کہ جب پہلے پہل مینے قسطنطنیہ کے اس
لمبے چوڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی جو کبھی
نہیں بھول سکتی اور مینے اسکو ایک جادو کا بنا ہوا ایمفی تھی ایٹر (Amphitheator) خیال

---

* لیٹن زبان میں امفی بیضوی شکل کو کہتے ہیں بس چونکہ یہہ تھی ایٹر یعنی تماشا خانے بیضوی

کیا۔ لیکن اگرچہ اس منظر میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ سب قدرت کی مصنوعات ہیں اور پیرس میں جو کچھ ہے وہ تمام یا قریب تمام کے انسان کی صنعت ہے مگر میری رائے میں پہلے کی بہ نسبت پچھلا زیادہ دلچسپ ہے کیونکہ یہہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شہر ایک بڑی سلطنت کا دارالحکومت اور ایک ذی قدرت بادشاہ کا جائے قیام ہے۔ اور دہلی اور آگرہ اور قسطنطنیہ کی سب طرح کی خوبیوں کو تسلیم کرکے پھر بھی میں انصافاً یہہ کہہ سکتا ہوں کہ دُنیا کے شہروں میں پیرس سب سے زیادہ متمول اور خوبصورت اور ہر ایک طرح سے مقدم ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۴

شکل کے بنائے جاتے تھے تاکہ لوگ اردگرد بیٹھکر آسانی کے ساتھ ترتیب سے تماشا دیکھ سکیں اسلیے انکا نام ایمفی تھی ایٹر جسکا نام کالی سی ایم ہے۔ اوسکو بنے ہوئے بہت عرصہ ہوا مگر مصالح کی خوبی کی وجہ سے ایسا ہے کہ اسکا کھنڈر کرنا مشکل ہے بلا ایک شہر روم کی نہایت عالیشان عمارات میں سے ہے۔ اُس وادی میں بنا ہوا ہے جو شہر روم کی سات پہاڑیوں کے بیچ میں ہے۔ یہہ عمارت زینوں کی طرح اسیطے درجہ بدرجہ بنی ہوئی ہے کہ تماشائی اپنے اپنے رتبہ کے موافق اپنی اپنی جگہہ کہ جو ان کے لیے مخصوص تھی بیٹھکر تماشا دیکھ سکیں۔ چنانچہ سب سے اوّل درجہ کے چبوترہ پر شہنشاہ تخت پر اور ممبران سینٹ اور بڑے بڑے مجسٹریٹ اور وہ مقدس کنواری عورتیں جو معبدوں کی خدمت پر متعین رہتی تھیں سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی کرسیوں پر بیٹھتی تھیں اور ان سے پیچھے کے چبوترہ پر وہ بہادر اور نامدار سپاہی بیٹھتے تھے جنکو نائٹ کہتے تھے اور ان سے بعد عام لوگوں کی نشست تھی اور سب سے اوپر اور اخیر کے چبوترہ پر تمام شریف زادیاں جو تماشا کرنے والوں کے برہنہ ہونیکی وجہ سے قریب سے دیکھنا پسند نکرتی تھیں بیٹھتی تھیں غرض اسی طرح ملاح اور کلوں کے چلانے والے اور تماشا خانہ کے اور اہل خدمت اسکے دروازوں کی چھتوں پر بیٹھے تھے۔ اس عمارت کا عظم و شان اس سے سمجھ لینا چاہیئے

جیسوئٹ فرقہ کے عیسائیوں کے ایک گرجا اور کالج کا ذکر —

آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جسکو جیسوئٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان ہے جسکو وہ کالج کہتے ہیں جسمیں پچیس^۲۵ یا تیس^۳۰ عیسائی گھرانوں کے بچوں کو عقاید مذہبی کی تعلیم دیجاتی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہہ عیسائی خاندان یہاں کسطرح جمع ہوگئے ہیں شاید ان جیسوئٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ

کہ جب کبھی یہ تماشائیوں سے بالکل بھری ہوئی ہوتی تھی تو ستاسی ہزار^۸۷ آدمی اسمیں بیٹھنے والے ہوتے تھے۔ اس عمارت کے بیچ کا میدان آرینا کہلاتا تھا کیونکہ خون کی بدبو دور کرنے کی غرض سے اسمیں ابتدائی زمانہ میں آرینا یعنی ریت بچھائی جاتی تھی مگر پھر یہانتک تکلف بڑھگیا کہ ریت کی عوض مختلف دھاتوں کا برادہ اور شنگرف ملے ہوئے جواہرات کی تہہ بچھانے لگے۔ لیکن ایک ملائم قسم کے سفید پتھر کا چورا بچھایا جاتا جس سے آرینا کا سطح برف کا سا معلوم ہونے لگتا تھا۔ زیادہ پر لطف خیال کیا جاتا تھا۔ اور چھت نہ ہونے کی وجہ سے جب اسپر ارغوانی رنگ کا ایک بڑا ریشمی زرنگار شامیانہ تانا جاتا تھا تو اسمیں سے دھوپ کی شعاع جو آرینا کے سفید اور شفاف سطح اور رومی عہدہ داروں کے سفید چغوں پر پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھاتی تھی۔ آرینا کے گرداگرد پانی کی نہر بنی ہوئی تھی جسمیں سے پانی چھوڑکر آرینا میں تماشا کرنیکے لیئے جہاز لے آتے تھے۔ یہہ تماشاخانے رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل روم ہر قسم کے خون ریز اور خوفناک تماشوں کے دیکھنے کے بے اعتدالی کے ساتھ شایق تھے اسلیئے اُنکے حکام اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترقی دینے کی غرض سے جسنے اُنکو دنیا کا مالک بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے! سب سے پہلا تماشا دوسو ساٹھ^{۲۶۰} برس قبل مسیح علیہ السلام شہر روم میں ہوا تھا اور ۲۵۲ء میں جبکہ رومیوں نے کارتھج والوں پر فتح پائی اور اُنکی مال کی لوٹ میں ہاتھی بھی آئے تو وہ بھی اس تماشاخانوں میں داخل کیئے گئے۔ اور اسطرح سے ان میں وحشی حیوانات کے داخل کیئے جانے کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ جانوروں کے باہم لڑانے ہی پر حصر نرہا بلکہ ملک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جنکا یہہ پیشہ تھا کہ انعام حاصل کرنیکی غرض سے باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہہ لوگ

سلوک نے انکو یہاں سکونت اختیار کر لینے پر مائل کیا ہے۔ ! جس زمانہ میں پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسوئٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے شہنشاہ اکبر نے بلاکر یہاں آباد کر لیا تھا اور گزر اوقات کے لیے کچھ سالیانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور اور آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دیدی تھی اور جہانگیر تو اپنے باپ سے بھی بڑھکر انکا مربی تھا مگر شاہجہان کے عہد میں انکو بہت تکلیف پہنچی اُسنے انکا سالیانہ بند کر دیا اور لاہور کا گرجا تو بالکل ہی مسمار کرا دیا اور آگرہ کے گرجا کا بھی بہت سا حصہ مع اُس منارے کے جسپر گھنٹہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

کلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور ان کے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کیے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانے کیلئے افریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے۔ قیصر جولیس اور پامپی کے زمانہ میں یہہ وحشیانہ اور خوفناک تماشے قابل حیرت کثرت سے کیے جاتے تھے۔! تماشائی لوگ اکثر اس غرض سے اوّل وقت پر آتے تھے کہ بڑے بڑے ارکین سلطنت کو آتا ہوا دیکھیں جنکے آنے پر تحسین یا نفرین کا نعرہ بلند ہوتا تھا جو اُن کے افعال کی عام پسندی یا ناپسندی پر موقوف تھا۔ اور جب شہنشاہ آتا تو لوگ یہہ نعرہ کہکر چلاتے کہ "اے سب کے مالک اور سب سے اعلے اور سب سے خوش حال تیرے لیے خوشی اور فتح ہمیشہ ہو" جب بادشاہ آنکر بیٹھ جاتا تو طرح طرح کے تماشے ہونے لگتے چنانچہ کبھی نہر میں سے اریناؔ میں پانی چھوڑ دیا جاتا اور ایک جہاز آتا اور تباہ ہو کر اُسمیں سے ایک غول عجیب و غریب جانوروں کا نکل پڑتا۔ بعض اوقات زمین پھٹ کر درخت نکلتے اور اُنپر سنہری میوے لگے ہوے ہوتے۔ کبھی آرفیوس کلاونت کا پُرانا عشقیہ قصہ بطور اصل کے دکھایا جاتا۔ اور یہہ درخت اُس خوش آواز عاشق کے راگ اور دوتارے کے ساتھ ساتھ چلتے مگر تعجب یہہ ہے کہ تماشے کے کمال کرنیکے لیے آرفیوس کی طرح آخر میں سچ مچ اُس شخص کو جو آرفیوس بنتا تھا ریچھوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا اور اسکے بعد خونخوار اور اشتعال پسند رومی ارینا کے دروازے کھول دیتے اور قسم قسم کے وحشی درندے چاروں طرف سے باہم لڑتے اور ایک دوسرے کو

لگا ہوا تھا اور جسکی آواز تمام شہر میں جاتی تھی گروا دیا - جہانگیر کے زمانہ میں ان لوگوں کو اُمید تھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ یہاں پھیل جائیگا کیونکہ جہانگیر حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب کے مسئلے اسکو ایسے بھاتے تھے کہ اُنپر اپنا تعجب ظاہر کرتا تھا - چنانچہ اُسنے اپنے دو (نیفیوز) Nephews بھانجوں یا بھتیجوں اور مرزا ذوالکرنین (ذوالقرنین) کو جنکا ختنہ بھی ہو چکا تھا اور شاہی محلسرا ہی میں پرورش پائی تھی عیسائی ہو جانیکی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہہ کیا تھا کہ اسکے ماں باپ عیسائی تھے

پھاڑ کھانیکے لیئے چھوڑ دیئے جاتے اور لوگ نہایت بیرحمانہ شوق کے ساتھ اُن کے حملوں اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے اور بیدرد رومی اِن غریب حیوانات کے چیخنے اور شور و غل مچانے پر ترس کھانے کی جگہہ نہایت خوش ہوتے - اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی جانور سب پر غالب آجاتا اور سب کا خاتمہ کر دیتا تو چاروں طرف سے انعام کے طور پر یہہ صدا بلند ہوتی کہ اس بہادر کو چھوڑ دو تاکہ اپنے وطن میں آرام سے رہے! یہہ لوگ اسی پر اکتفا نکرتے تھے بلکہ اِن جانوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے جو کوئی زرہ پہنے اور کوئی شکاری وضع میں ہوتا تھا اور بعض صرف خالی ہاتھ ہی اپنی پھرتی اور چالاکی سے حریف پر غالب آتے تھے - لیکن اسپر بھی اس وحشت کا خاتمہ نتھا بلکہ اہل روم انسان کو مرتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے گنہگار لوگ اور بیچارے عیسائی مذہب کے آدمی اِن درندوں کا شکار کرائے جاتے تھے - اسکے بعد لاشیں اُٹھوا دی جاتی تھیں اور تمام ارینا میں وہ جواہرات اور سفید پتھر کا چورا جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے خون کی بدبو رفع کرنیکے لیئے بچھا دیا جاتا تھا - اور سب سے عمدہ تماشے کی نوبت آتی تھی - یعنی گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جنمیں سے کسی کے پاس تلوار اور کسی کے ہاتھ میں نیزہ اور کوئی ہلکی اور کوئی بھاری زرہ پہنے ہوئے - کوئی گاڑی میں کوئی پیدل کوئی گھوڑے پر سوار آتا تھا - اور ارینا میں داخل ہوکر سب کے سب ہم آواز شہنشاہ کو یوں سلام کرتے تھے "مرحبا قیصر مرنے والے تجھکو سلام کرتے ہیں" اِن پیشہ وروں میں

(کیونکہ اسکی ماں جو ایک دولتمند آرمنی کی بیوی تھی جہانگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہوگئی تھی) اور یہہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جہانگیر کے عیسائی ہوجانیکا قصد اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اُسنے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہہ لباس پہنکر اپنے ایک بڑے امیر کو بلایا اور اُسکی اس باب میں رائے دریافت کی مگر اُسنے ایسا اندیشہ ناک جواب دیا کہ جہانگیر نے ڈرکر یہہ ارادہ چھوڑ دیا اور اس تمام قصہ کو ہنسی کے پیرایہ میں اڑا دیا۔ یہہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

بعض عام لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہوکر کچھ روپیے لیکر لڑتے تھے جنمیں سے کبھی کوئی بچ بھی جاتا تھا مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا کیونکہ رومی مغلوب پر رحم کرنا نہ جانتے تھے یہہ لوگ کبھی ایک ایک کبھی اکٹھے ہوکر لڑتے اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھکر کہتا "اسکے کاری زخم لگا" اور اُسکو مار ڈالنے یا چھوڑ دینے کی اجازت چاہتا۔ چنانچہ تماشائی اپنا انگوٹھا اگر اوپر کو اٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور اگر نیچے کو کرتے تو مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا۔ اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن زخم اخیر کے لیے پیش کرنے میں تامل کرتا تو لعن طعن کا شور بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے کہ "لوہا حاصل کرو" یعنی لوہے کے ہتھیار کے سامنے جاؤ۔ او مقدس کنواریاں اور رحم دل مائیں اور سینٹ کے دانا ممبر اسکو ایک کھیل سمجھتے تھے اور کسی کو بھی یہہ خیال نہ آتا تھا کہ یہہ کیا حرکت کیجاتی ہے مگر ۳۰۰ مسیحی میں عیسائی مذہب کے ایک درویش کی برکت سے یہہ وحشیانہ اور بُرے کھیل موقوف ہوئے۔ اگرچہ اس بیچارہ کی جان اسمیں گئی یعنی وہ عین تماشہ کے وقت ارینا میں آگھسا اور لوگوں سے مخاطب ہوکر بولا کہ "اس طرح خون بہانے سے باز آؤ اور جس خدا نے تمکو تمہاری دشمنوں پر غالب کیا ہے اُسکے رحم کا عوض گشت و خون کے تماشوں کے رواج دینے سے مت کرو" جبپر چاروں طرف سے غل ہوا کہ یہہ وعظ کی جگہہ نہیں بڈھے پیچھے ہٹ جا اور گلیڈی ایٹروں نے دھکے دیکر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ مگر وہ بہادر اور باستقلال شخص پھر اُن کے بیچ میں آگیا اور لڑنے سے روکنے لگا جس پر

انتقال کے وقت عیسائی ہوکر مرنا چاہا تھا اور ہمکو بلانیکا حکم دیا تھا مگر لوگوں نے یہہ پیغام ہم تک مطلق نہ پہنچایا ! لیکن اور لوگ اس امر سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں جیسا وہ زندگی بہر کسی مذہب و ملت کا پابند تھا ویسا ہی اخیر وقت میں بھی تھا اور باپ کی طرح اسکا بھی ارادہ تھا کہ اپنے کو پیغمبر بناکر ایک نیا مذہب جاری کرے - میں نے ایک مسلمان شخص کی زبانی جسکا باپ جہانگیر کا ملازم اور اسکے امور خانگی سے تعلق رکھتا تھا سنا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کئی بڑے بڑے ملاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس[52] کو جسکی تندخوئی کی وجہ سے جہانگیر نے اسکا نام "پادری آتش" رکھ چھوڑا تھا بلوایا اور جب انہوں آکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے زور سے دین اسلام کے بطلان اور اپنے مذہب کی تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ مسلمان عالموں اور جیسوئٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اسکے تصفیہ کے لئے یہہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک گڑھا کھود کر اسمیں آگ جلائی جائے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملا اپنا

(بقیہ نوٹ ۱۰۱ صفحہ گذشتہ) "بغاوت بغاوت" کا شور مچا اور حاکم نے بھی اپنی آواز اس میں شامل کی اور گلیلیو کی ہڈیاں اس بیچارے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور چاروں طرف سے اینٹ پتھر اور جو کچھ ملا لوگوں نے اس مظلوم پر برسایا۔ لیکن اس عجیب واقعہ کے بعد لوگوں کو یہہ خیال آیا کہ یہہ کیا حرکت کی گئی اور سب ... بدل گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ فی الحقیقت بڑی بیرحمی اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس روز کے بعد یہہ تماشا پھر کبھی نہوا۔
(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا و کتاب گولڈن ڈیڈس) س م ح

---

52 ملک اٹلی کے ایک شہر کا نام ہے
Florens

قرآن بغل میں لیکر اسمیں کود پڑیں دونوں میں سے جو بچ جائیگا میں اُسکا مذہب قبول کرلونگا۔ چنانچہ پادری آتش نے تو اس امتحان کو قبول کرلیا لیکن مُلّا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کرکے اس آزمایش سے باز آیا۔ ! یہہ قصہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اسمیں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں جیسویٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی اور اسوجہ سے اُنکو دین عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی اُمید تھی مگر اس زمانہ کے بعد باستثنا اُس ربط و ضبط کے جو دارا شکوہ اور فادر بوزی[1] کے باہم تھا اس قسم کی اُمید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

اب چونکہ اس جگہہ بغیر قصد کے مشنری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے لکھنے سے پہلے جو آپکو لکھنے کا ارادہ ہے اس اہم معاملہ میں مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیان کردوں میری دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لیے جو یہہ لیے بعید ملک میں آتے ہیں بیشک تعریف کے لائق ہیں خصوصاً کیپوشین اور جیسویٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقائد مذہبی کو ہر قسم کے لوگوں پر نہایت غربت سے ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور تعصّب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے خواہ وہ کاتھلک[2] فرقہ کا ہو یا یونان یا ارمینیا کے چرچ کا مقلد ہو۔ اور نسطورین[3] ہو یا جیکوبٹ[4] محبّت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں اور دلیری

(1) Father Buzee (2) Catholic (3) Nestorian (4) Jacobit

اور مغلوک الحال عیسائیوں کی جاے پناہ اور باعث تسلی ہین - اور اپنے
علم و فضل اور قابل تقلید نیک اوقاتیؔ سے غیر مذہب کے بے ایمان
اور عیاش لوگوں کے لیئے شرم کا باعث ہیں مگر بد قسمتی سے بعض ایسے
بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جنکا
بجاے مشن کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان ونٹوں (خانقاہوں)
ہی میں بند رہنا خوب ہے کیونکہ انکا دین و مذہب صرف ایک دکھاوا ہے
اور بجاے اسکے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہو اُلٹے اُنکی گمراہی کا باعث
ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مدعا کے لیئے مضر ہیں اور اس کام کے لیئے
اگر ایسے لوگ تجویز ہوا کریں جو علم عمل میں ممتاز ہوں تو میں بالکل پسند کرتا ہوں
اور میرے نزدیک یہہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لیئے باعث
فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و
تلقین کے لیئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ
افعال و اطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس
معاملہ کے شوق میں اسقدر محو ہوگیا ہوں کہ میں نے یہہ سمجھ لیا ہے کہ جسقدر
حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک اثر عظیم مترتب ہوتا تھا
اُتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے - کیونکہ
بُت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث اُنکے
دلوں کی تاریکی سے مجھے اسقدر واقفیت ہوگئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ
دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان یا دشاہ ہوں

اور اُن کی مسلمان رعایا سے توکسی طرح بھی تبدیل مذہب کی امید نہیں اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اسلیئے میں اپنے تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں ہے کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جاسے۔ یہہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم کے نہیں کرتے اور بلا لفظ "حضرت" صرف "عیسیٰ" کبھی نہیں کہتے اور ہماری طرح اسکا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوے تھے اور یہہ کہ وہ "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" تھے لیکن یہہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جسمیں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں اور اُن کی دعا اور ان کی طاقت اور دولت اپنے نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال کے بڑھانے میں صرف ہونی چاہیئے مگر اس خرچ کا تحمل اہل یورپ ہی کو ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مشنری لوگوں پر اسکا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط رہنی چاہیئے کہ یہہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کر بیٹھنے پر مجبور نہوں اور صرف اُنکی فارغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات

جو حق کے لیئے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہاں
کہیں موقع پائے اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق
سے محنت کرنیکی خواہشمند ہو اور اگرچہ یہہ کام ہر ایک عیسائی مالک پر واجب
ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کرکے یہہ نہ سمجھ لینا چاہیئے
کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے کیونکہ (معاذ اللہ) محمدؐ کے
مذہب باطل* نے جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جن نفسانی خواہشوں کو ہمارا
مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا پابند کرتا ہے یہہ اپنے مقلدوں کو انکی بابت
اجازت دیتا ہے اپنے پیرؤں کے دل پر جس مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے
ہم لوگ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے یہہ مذہب ایک خونریز اور برباد کن احکام
کا مجموعہ ہے اور بزور شمشیر قایم ہوا ہے اور ابتک دنیا میں اُسی وحشیانہ
ظلم وستم سے قائم ہے اور اسکی زہرآلود اور برباد کن ترقی کے روکنے
کے لیئے عیسائیوں کو وہ جوش اور ذریعے عمل میں لانے چاہئیں جو مینے
بیان کئے ہیں اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دھوکے اور افترا (اسلام)
کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اُسکی توجّہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ
اُن باتوں کو معلوم کرکے کسیقدر تسلّی اور اُمید ہوتی ہے جو پچھلے دنوں
چین اور جاپان میں وقوع میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گزریں
! مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لیئے ایک اور پر افسوس سدّراہ
سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود عیسائیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے
جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خداتعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص

* نقلِ کفر! کفر نباشد۔ کاتب

موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا سر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب اُن کے دل پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر

آگرہ میں ڈچ لوگوں کی جو کے غلہ کی ایک تجارتی کوٹھی بھی ہے جسمیں اُن کے چار یا پانچ آدمی رہتے ہیں یہہ پہلے بانات اور چھوٹے بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور روپہلی لیس اور آہنی چنبروں اور نیل کی تجارت کرتے تھے جو آگرہ کے قرب وجوار میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔خصوصاً بیانہ میں جو آگرہ سے دو منزل ہے اور جہاں انکی ایک اَور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے ہیں اور اَب نہ صرف جلالپور بلکہ لکھنؤ سے بھی جو آگرہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں بھی ان کی ایک کوٹھی ہے اور سب موسموں میں ان کے گماشتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکو اَب زمانہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہتا اور غالباً اسکی دو سبب ہیں ایک یہہ کہ ان کے مقابلہ میں آرمنی لوگوں کی تجارت بہت بڑھ گئی ہے۔ دوسرا یہہ کہ آگرہ سورت سے (جو ان کا اصل قیام گاہ ہے) بہت دور ہے اسکے علاوہ ان کے کاروانوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لیئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گوالیار اور برہانپور کی سیدھی سڑک چھوڑ کر احمد آباد کے راستہ مختلف راجاؤں کی عملداریوں میں سے ہو کر آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود

ان دقتوں کے میری دانست میں انگریزوں کی طرح آگرہ سے یہہ اپنی کوٹھی کبھی نہیں اُٹھائینگے کیونکہ انکو اب بھی گرم مصالحوں کی قسم کی جنسوں میں بہت منفعت رہتی ہے اور ایک یہہ بھی فائدہ ہے کہ ان کے اعتباری آدمی دربارشاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ پٹنہ۔ سورت۔ یا احمدآباد میں جہاں انکی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عہدہ دار کسیطرح کا ظلم یا ناانصافی ان کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً اُسکی شکایت دربار میں کرسکتے ہیں۔

مقبرہ معروف تاج گنج کا ذکر

اب میں اپنے اس خط کو دو عجیب و غریب مقبروں کے ذکر پر جنکی وجہ سے آگرہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک مقبرہ تو اکبر کا ہے جسکو اُسکے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا شاہجہاں کی بیگم "تاج محل" کا جو حسن و جمال میں لاثانی تھی اور بادشاہ اُسپر ایسا فریفتہ تھا کہ کبھی اُسکو اپنے سے جدا نکرتا تھا یہاں تک کہ اُسکی وفات کیوقت شدت غم سے قریب تھا کہ اُسکے ساتھ خود بھی چل بسے! میں اکبر کے مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اُسمیں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے مقبرہ میں جسکا میں ابھی ذکر کرنے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں۔ آگرہ سے نکلکر مشرق کیطرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا چوڑا راستہ دیکھیں گے جسپر فرش لگا ہوا ہے اور تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا گیا ہے جسکے ایک طرف تو ایک چوکور باغ کے ایک ضلع کی جو وسعت میں ہمارے پلیس رائل سے بہت زیادہ ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب نوتعمیر مکانات کی ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو اُن محراب دار برانڈوں سے مشابہ ہیں جو

دہلی کے بڑے بازاروں کی دوکانوں کے آگے بنے ہوئے ہیں اور جنکا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہونچینگے تو دائیں کو یعنی ان مکانات کی جانب آپکو ایک بڑا دروازہ ملیگا جو اچھا خاصہ بنا ہوا ہے اور جو ایک کاروانسرا کا دروازہ ہے - اور اسکے مقابل یعنی دیوار کی طرف باغ کے دروازہ کی مربع اور وسیع عمارت ہے جسمیں سے ہوکر باغ میں جاتے ہیں اور جسکے دونوں طرف پتھر کے دو بڑے حوض بنے ہوئے ہیں - یہہ مستطیل شکل کی عمارت ہے اور ایک ایسے پتھر سے بنی ہوئی ہے جو سرخ سنگ٭ مرمر کے مشابہ ہے لیکن ویسا سخت نہیں ہے - اس عمارت کا پیش سینٹ لوئیس کی عمارت کے پیش کی بہ نسبت جو سینٹ اینٹونی کے کوچہ میں ہے - میری دانست میں زیادہ لمبا اور اپنی وضع میں زیادہ عالیشان ہے مگر بلندی میں اُسیقدر ہے اسکے ستون اور مرغول اور کارنیس اگرچہ فی الواقع اُن اوضاع خمسہ عمارت کے مطابق نہیں ہیں جو ہمارے فرانس کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہیں - کیونکہ یہہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع کی ہے لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہیں اور میری راے میں یہہ بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فن عمارت کی کتابوں میں جگہہ پاوے اگرچہ قریباً یہہ تمام عمارت صدہا قسم کے مختلف الوضع دالانوں اور محرابوں اور غلام گردشوں پر مشتمل ہے جو نیچے اوپر بنی ہوئی ہیں - مگر باوجود اسکے بہت عظیم الشان ہے اور اسکا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ ہیں اور کوئی جگہہ اسمیں ایسی

٭ ولایت میں ایسے چکنے پتھر کو ماربل (مابل) بولتے ہیں اور تعبیر باعتبار رنگ کر لیتے ہیں جیسے مرمر سفید و مرمر سیاہ و مرمر سرخ - جبلوم اسلئے مصنوعی طور پر بنائے جاتے ہیں

نہیں جو بدنما ہو بلکہ ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں۔ چنانچہ سب سے اخیر دفعہ جو مینے اسکو جاکر دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیس سوداگر بھی تھا۔ اور میری طرح اُسکی بھی یہی راے تھی کہ یہہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جسکی کامل طور پر تعریف نہیں ہو سکتی مگر میں کچھہ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندستان میں مدت سے رہنے کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُسنے یہہ کہا کہ تمام فرنگستان میں ایسا حیرت افزا و عظیم الشان کا مکان مینے کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلی ہوئی۔

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اپنے کو ایک بہت اونچے گنبد کے نیچے پاوینگے جسکے سب طرف غلام گردش اور نیچے دونوں جانب دو دالان ہیں جو آٹھ یا دس فرانسیسی فٹ اونچے ہیں اور جیسی محراب میں سے آپ داخل ہونگے ویسی ہی دوسری جانب پاوینگے جسمیں سے گزر کر ایک ایسی روش پر پہنچتے ہیں جو آخر تک تمام باغ کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے۔ یہہ روش جو آٹھ فرانسیسی فٹ کے قریب اونچی ہے اسقدر چکلی ہے کہ چھ گاڑیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سر سے لیکر اخیر تک بڑی بڑی چوکور سخت پتھروں کی سلوں کا فرش لگا ہوا ہے اور بیچوں بیچ نہر بنی ہوی ہے جسکی روکار کے پتھر تمام گھڑے ہوئے اور زیبایش کے لیئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوارے لگے ہوے ہیں اور کوئی پچیس پچیس قدم چلکر اور بہشت کی طرف مونہہ پھر اکر اسپر سے

دروازہ کی عمارت کو دیکھنا خالی از کیفیت نہیں کیونکہ دروازہ کی عمارت
کی یہہ طرف بھی اگرچہ باہر کی جانب کی سی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور
اُسی وضع کی ہے۔ دروازہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی
دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دیکر لمبی اور چوڑی غلام گردشین بنتی
چلی گئی ہیں جنکے محرابی دروازے چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہیں اور
برسات کے موسم میں غربا اور مساکین خیرات کے لینے کو جو ہمیشہ کے لیے شاہجہاں
کی مقرر کی ہوئی ہے ہفتہ میں تین بار اِن میں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اب آپ پھر
اُسی بڑی روش پر آئیں یہاں سے آپکو ٹھیک سامنے وہ بڑا گنبد نظر آئیگا۔
جسمیں بیگم کی قبر ہے اور جسکے دائیں بائیں چبوترے سے ذرا نیچے باغ
کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوے
ہیں۔ اِس گنبد کے دونوں جانب سنگ سرخ سے ویسی ہی دو بڑی
عمارتیں بنی ہوئی ہیں جیسی دروازہ کی عمارت ہے اور یہہ دونوں پشت کی
طرف باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور اِن میں جانیکے لیے تین تین محرابدار
دروازے ہیں۔ اِن کے بعض حصّے بالاخانوں کی طرح ایک دوسرے
پر واقع ہیں جنمیں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ گویا بڑی بڑی اونچی غلام گردشیں
ہیں۔ اِن عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرائشی
کام بنے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ قریبًا ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے
اندر کے زیبائشی کام ہیں اسلیئے میں اُنکا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں
اس بڑی روش اور روضہ کے مابین ایک اچھا وسیع صحن ہے جسکو میں

تشبیہاً "واٹر پارٹیر[1]" کہتا ہوں کیونکہ پتھر جو اُسکے فرش میں لگے ہوئے
ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بناکر اس طرح سے لگائے
گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کیاریوں کے گرد "باکس" لگا ہوا ہے
یہہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً اُسیقدر اونچا ہے
جسقدر کہ "والدی گریس[2]" ہے اور اسکے گرداگرد سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی
برجیاں ہیں جو علی الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہہ کل عمارت چار
بڑی محرابوں پر قائم ہے جنمیں سے تین بالکل کھلی ہیں اور چوتھی ایک
مکان کی دیوار سے جسمیں ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے بند کر دی گئی
ہے جسمیں کئی "ملا" تاج محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہرا دلی ارادت
کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر
ہیں۔ ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پر سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر
میں سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے بڑے بڑے عربی حروف بناکر جمائے
ہوئے ہیں جو نہایت خوشنما ہیں اور گنبد کا کانسہ اور اوپر سے نیچے تک تمام
دیوازوں کی رو کار سنگ مرمر کی ہے اور کوئی جگہہ ایسی نہیں جو صنعت اور
ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص اور ذاتی حسن نرکھتی ہو اور مقبرہ کی تمام دیوار

---

[1] پارٹیر کے لغوی معنی ہموار اور مسطح زمین کے ہیں مگر اصطلاح میں اُس قسم کی چمن بندی کو
کہتے ہیں جو طرح بطرح کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں بناکر امتیاز کے لیئے اُن کے ادہر اُدھر سبز
گھاس وغیرہ جما دی جاتی ہے جسکی عوض فرنگستان میں باکس جو ڈوڈونیا کی طرح کی ایک بوٹی
ہے لگاتے اور اسکو تراش کر کیاریوں کے اردگرد مختلف شکل کے حاشئے اور جدولیں بناتے ہیں۔ م م ح

[2] شہر پیرس کے ایک گرجا کا نام ہے۔ م م ح (2) Val de Grace

کی رنگ کاری میں جو سنگ مرمر کی ہے زبرجد اور یشب اور عقیق اور اور قسم
کے بیش قیمت اور کمیاب پتھروں اور اُس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ
فلارنس میں گرانڈ ڈیوک کے گرجا میں ہیں بیشمار وضع کی اور نہایت خوبصورت
اور پُر نزاکت پچی کاری جس سے بڑھکر انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی
کی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موسی کی
چوکور سلوں کا ہے یہہ پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا
سا حجرہ ہے جسمیں تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایکبار بڑے تکلفات سے
کھولا جاتا ہے اور چونکہ اسکے تقدس کیوجہ سے کوئی عیسائی شخص اندر جانے نہیں
پاتا اسلیئے میں بھی دیکھ نہیں سکا لیکن سنا ہے کہ اُسکی زیب و زینت اور آرایش
و پیرایش بہت ہی اعلیٰ قسم کی ہے! اب آپ سے صرف اُس چبوترہ کا ذکر
کرنا باقی ہے جو گنبد سے لیکر باغ کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی پچیس قدم چوڑا
اور اس سے کسیقدر زیادہ اونچا ہے۔ اس چبوترہ پر سے دریائے جمنا نیچے
بہتا ہوا اور بیشمار سرسبز باغ جو دور تک لگتے چلے گئے ہیں اور شہر آگرہ کا ایک حصہ
اور قلعہ اور اُمرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارہ پر بنے ہوئے
ہیں تمام نظر آتے ہیں۔ اور جبکہ یہہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اسکا
تصفیہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہہ کہہ رہا ہوں کہ یہہ مقبرہ ایک حسرت افزا
عمارت ہے کیا یہہ سچ نہیں ہے؟ یہہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے
ہندوستانی مذاق پیدا کرلیا ہو۔ لیکن میں یہہ یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہہ مکان
اہرام مصر کی بہ نسبت جو ان گھڑ پتھروں کے ڈھیر ہیں اور مکرر دیکھنے پر بھی

مجھے کچھ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سی بجز اسکے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا ہے کچھ نہیں ہیں اور جنکے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو دُنیا کی عجائبات میں شمار کئے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے۔* ۱۲

---

* یہہ بے نظیر و عجیب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کی ابتدا میں بننی شروع ہوئی تھی اور سولہویں سال جلوس مطابق ۱۰۵۲ھ (ایک ہزار باون) ہجری میں بنکر ختم ہوئی۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ اسپر خرچ ہوا۔ اسکی مرمت اور خدام کی تنخواہ اور بیگم کے ختم و فاتحہ کے خرچ کے لیئے ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اسکے آس پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے مِل جلکر یہہ ایک اچھا شہر بس گیا تھا اور جسکا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا بادشاہ نے وقف کردی تھیں۔ س۔م۔ح فقط (جلد دویم تمام ہوئی)

اطلاع ۱۲ اِس خط کا سنہ اور تاریخ جو اَور خطوں سے پہلے کا ہے اِس کو پیچھے لگا ہوا دیکھکر یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مصنف نے فی الحقیقت یہہ خط بعد میں لکھا تھا اور تاریخ اور سنہ غلط چھپ گیا ہے بلکہ اسکی وجہ یہہ ہے کہ یہہ خط انگریزی میں جلد اوّل کے ساتھ ہے اور فی الحقیقت دوسری جلد کے خطوط سے پہلے لکھا گیا تھا مگر چونکہ سب خطوط ایک جگہہ جمع کر دینے اچھے معلوم ہوئے اور خطوط کے مضامین بھی ایک دوسرے سے متعلق ہیں اسلیئے اِس خط کو دوسری جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔ ۱۲

تمت بالخیر

تقریظ

ریختۂ کلکِ فصاحت نگار جناب والا خطاب وزیر الدولہ مدبر الملک

خلیفہ سید محمد حسن خاں بہادر

وزیر اعظم ریا... ...

انسان جب مرجاتا ہے ...
زندگی عجیب زندگی اور انکی موت ...
زندہ کہلاتے اور زندوں کی طرح ...
آتے ہیں! چنانچہ اس کتاب کے مد...
ہی کو دیکھو کہ باوجودیکہ دو سو برس کے ...
ہے! دنیا سے گئے کو ایک زمانہ گزرا مگر ...
عرصہ ہوا مگر بولتا ہے!! اسکا کاغذی لباس ...
پھرنا اور اہل علم کی خلوت کی صحبتوں میں بیٹھنا ...
آنکھوں میں باتیں کرنا اور کبھی اپنی اصل فرانسیسی ...
ہندوستانی بولی بولنا! اور بولنا بھی قلم کی زبا...
ہے کہ آواز نہیں اور سنائی ہر کسی کو دیتا ہے ا...

لئے اُس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ جس کسیکو خوش قسمتی سے اُسکا ایک قطرہ بھی
نصیب ہوگیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا۔ یہہ وہ چشمہ نہیں جسکو
سمجھتے ہیں کہ اُسکا پانی پی لینے
وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ
پیا۔ مگر جس چشمہ کا ہم
کے سامنے موجود ہے اور
خوش قسمت شخص کو میسر آسکتا
زندگی بخش پانی اسکی رشنائی
ہے اسمیں سے نکالتے اور
تے ہیں بس مُبارک ہیں
سارک ہے اُنکی زندگی جو دنیا
کلفت زندگی ہے مگر عافل
یک اور نسخہ بھی وہ مجرّب اور
بھی اس خوبی سے کرتا ہے
قالب کسیقدر دیرینہ اور بوسیدہ
بدل ڈالتا اور نیا اختیار کرلیتا
ف ایک بات ہی بات تھی
جانا دیکھا کسی نے بھی تھا اگر
ہے ہیل مسٹر از ونگ براک

صاحب کی اعانت سے اپنی ہمسایہ قوم انگریز کا قالب اختیار کیا اور اُس عقلمند قوم کی لوگوں نے
مورخ اور جہاندیدہ جانکر قدرشناسی کی راہ سے اسکو اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھایا اور اسکی مفید اور
تجربہ آمیز باتوں اور دلچسپ اور عبرت خیز حکایتوں کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی اور اب
ہمارے نہایت صاحب علم و فضل اور جامع الکمالات دوست جناب کرنل ہنری

صاحب بہادر سی بی و سی ایس آئی ترجمان جناب کمانڈر انچیف بہادر ہندوستان
اور میرے چھوٹے بھائی مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب
میر منشی ریاست پٹیالہ کی امداد سے ہندوستانی روپ بدل لیا اور تھوڑے ہی عرصہ
میں وہ اُردو بولنا سیکھ لیا کہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پیرس کا رہنے والا ہے یا دلی کا!
پس میرے عزیز ہموطنوں تمکو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح تم بھی اس
دانا اور تجربہ کار حکیم کی جسنے تمہاری خاطر تمہارا ہی روپ بدل لیا ہے اور تمہاری
ہی بولی سیکھ لی ہے جان و دل سے خاطر اور مدارات کرو اور اپنے مُلک
کے اگلے بادشاہوں اور راجاؤں اور امیروں اور ہر ایک درجہ کی لوگوں
کی باتیں جو اسکی آنکھوں دیکھی ہوئی ہیں اس کی زبان سے سُنو! یہہ تمکو بلا رو رعایت
سچ سچ بتائیگا کہ اب سے دو سو برس پہلے تمہارے مُلک کی کیا حالت تھی
سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا! زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا
حال تھا! مُلک کی دولتمندی کی کیا کیفیت تھی. راستے پُر امن تھے یا خطرناک
اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے! سلطنت یا خود رعایا کی طرف سے
تعلیم عام کا کچھ انتظام تھا یا نہیں؟ عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی؟
اور اُسکے لیئے کچھ قوانین اور قاعدے مقرر تھے یا نتھے! اور اُنکی تعمیل

کیسی ہوتی تھی! آزادی رائے جسمیں مذہب کی آزادی بھی آگئی رعایا کو حاصل تھی یا نہیں! اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق وعادات کا کیا حال تھا! ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں خرچ ہوتی تھی یا بادشاہ کے ذاتی اور عیش وآرام کے کاموں میں! فوج کی کیا حالت تھی اور اسکا نظم ونسق کیسا اور کس ڈھنگ پر تھا! اور صف آرائی اور جنگ آزمائی کے کیا طریقے تھے۔ بادشاہ دربار کسطرح کرتا تھا! اور اسکی شان اور جلوس کیسا اور کس طور کا تھا! اور یہہ باتیں تمکو یہہ ایسی تشریح اور تفصیل سے سنائیگا کہ گویا انکا مرقع تمہارے سامنے کردیگا جس سے تم اسوقت اور اسوقت کی حالت کا بخوبی موازنہ کرسکوگے۔ اور سمجھ سکوگے کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جسکی نادیدہ تعریفوں اور خوبیوں کو سنکر غالبًا تم اپنے دل میں خیال کرتے ہوگے کہ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لیئے نہایت ہی عمدہ اور خیر وبرکت کا زمانہ تھا تمہارے ملک اور ملک والوں کی کیا حالت تھی۔ اور اب **کوئین وکٹوریہ** بادشاہ انگلستان اور قیصر ہند کے مبارک عہد میں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے۔ والسلام

السید محمد حسن عفی عنہ

۲۵۔ نومبر ۱۸۸۵ء

قطعهٔ تاریخ اختتام ترجمه از نتایج طبع جناب خلیفه سید محمد حسن صاحب متبین برادر خورد جناب وزیر صاحب بہادر و میر منشی صاحب بہادر

ز انگریزی این ترجمه چون بار دو	بگردید و تاریخ ختمش بجستم
خرد ای متین یافت سال مسیحی	سفرنامهٔ برنیر شد مترجم
	۵ ۸ ۱۸ ۶

قطعهٔ تاریخ طبع از کمترین محمد حسین مرادآبادی کاتب کتاب ہذا راغب تخلص

یہہ عمدہ ترجمہ جب چھپکر ہوا مکمل	جو حاشیوں سے الحق بیمثل بنگیا ہے
ہاتف پکارا راغب یوں از رہ بشارت	لکھ اسکا سال ہجری کیا خوب ترجمہ ہے
	۱۲

خاتمة الطبع

الحمد للہ والمنۃ کہ یہہ کتاب لاجواب وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر حسب الارشاد واجب الانقیاد حضرت وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ و جناب مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب بہادر میر منشی ریاست موصوف دام اقبالہم بقلم خام رقم ذرہ بمقدار خاکسار محمد حسین مرادآبادی بہ تصحیح تمام چھبیسویں نومبر ۱۸۷۵ع کو

بمقام دار الریاست پٹیالہ

ختم ہوئی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸۰	۵	تفضیع افزائی	تضییع افزائی	۲۲۹	۱۲	پنڈوں	پنڈتوں	۲۹۰	۹	انہی	سبب تعجب
۱۸۵، ۱۸۷	۱۰، ۱۹	بڑھیا	بڑھتی	۲۳۳	۲۲	سی شخص	اس شخص	〃	۳	دین اور مذہب	دین و مذہب
۱۸۶	۱	لگایا	لگا دیا	۱۴۴	۲	خلق عام	خلق عالم	۳۰۰	۱۱	کہ پیدل	اور پیدل
۱۸۷	۱	کیا حال	میرا کیا حال	۲۴۶	۵	کچھ بہی	کچھ بھی	〃	۹	پہاڑی پر	پہاڑی زمین پر
〃	۱۱	بٹھایا	بٹھا دیا	۲۵۵	۱۶	اور اس	اور اسی	۳۰۱	۱	اور اسکی	اسکی
〃	۲۰	ست جلا ڈالا	سب اسکو جلا ڈالا	۲۵۰	۱۷	استیطاع	استطاع	۳۰۲	۱۳	منارہ	منارہ
۱۸۹	۲۱	مصدرہ	متصدرہ	۲۵۱	۱۰	منزی میں	منزلے میں	۳۰۳	۲	ورق چڑھانے	ورق سنہرے چڑھانے
۱۹۰	۱۰	جو لوگ	لوگ	۲۵۵	۱	انہیں	انھیں	۳۰۴	۲۳	دروازوں میں	دروازوں پر
〃	۱۴	کو معاف	کو تو معاف	۲۶۱	۵	ہوتی ہیں	ہوتے ہیں	〃	〃	رہنے کے	رہنے کیلیئے
۱۹۳	۹	یہ شعر	اگر یہ شعر	〃	〃	لیا جاتا	کر لیا جاتا	۳۱۲	۱۱	بھی	ہی
〃	۲	موقعہ	موقع	۲۶۵	۵	کانٹس	کانس	〃	۱۵	بات	یہ بات
۱۹۷	۱۹	کلمیات بسیط	کلیات بسیط	۲۶۹	۱۹	دین ٹوڑا	دین چھوڑا	۳۱۰	۱۰	تھی اشہر جسکا نام	تھی اشہر کہا جاتا تھا سب سے بڑا شہر تھی اشہر جسکا نام
۲۰۳	۴	یادگر ممالک	یا ممالک	۲۷۲	۶	ایسے ویسے	ویسے				
〃	۵	مذہبی	اور مذہبی		۱۰	استھمیا پول	ہتھمیا پول	〃	۱۱	ایک شہر روم	ایک بھی شہر روم
〃	〃	چنانچہ مثلاً	مثلاً	۲۷۹	۱۳	دالان	دالان در دالان	۳۱۲	۵	مہربانہ	مہربانانہ
۲۰۵	۹	چین منت	جبین منت	۲۸۰	۱۹	بہرولست	بہر دلیت	〃	۲۱	تماشا خانوں	[illegible]
۲۰۹	۱۵	اعتماد	ذی اعتماد	۲۸۵	۱۰	ضروری	کار ضروری	۳۱۷	۲۳	لڑتے	لڑنے ؟
〃	۱۷	خصوص	خصوصاً	〃	۱۴	دکھانا	دکھا دینا	۳۱۹	۷	یہ لوگ بھی	یہ لوگ یہ بھی
۲۱۰	۹	اکثر یہ	اکثریہ	〃	۱۹	مشاہد	مشاہدہ	〃	۱۹	اسی میں	اسمیں
۲۱۱	۹	جیو ہتیا	جیو ہنسا	۲۸۶	۱۳	نہیں سکتا	نہیں کر سکتا	۳۲۰	۱	مرجانا	مرنا
۲۱۵	۴	ایک مسئلہ	ایک ایسا مسئلہ	۲۸۹	۲	بہت رئیسوں	بہت سے رئیسوں	〃	۳	ہیں جیسا	ہیں کہ جیسا
۲۲۰	۲	اصلاحوں	اصطلاحوں	۲۹۰	۱۰	زمرد والماس مروارید	زمرد و مروارید	۳۲۲	۹	علم عمل	علم و عمل
۲۲۳	۹	چھہ سات	چھہ یا سات	〃	۲۰	عوام	اعوام	۳۲۵	۷	جہیزوں	جیزوں
۲۲۷	۱۹	فرقہ مؤخر الذکر	مؤخر الذکر فرقے	۲۹۱	۲	زینت	زیب و زینت	۳۲۸	۷	کہاک	کہا کہ
۲۲۸	۱۱	اعتقاد	یہ اعتقاد	〃	۱۴	جہاں پاک	جیاں پاک	〃	۲	پتھروں	پتھر
〃	۱۵	کبھی	کسی	۲۹۴	۵	کھوبا	کھو یا گیا	۳۳۱	۱۷	حسرت افزا	حیرت افزا
۲۲۹	۲	مادہ صورت	مادہ او صورت	〃	۱۸	اڑائی	ڈھائی				
۲۳۴	۱۵	عمر میں	عمر کو	۲۹۵	۸	بھی	ہی				

تمت بالخیر